انکارانی
1
انوار صدیقی

شوشہ

20 مارچ 2001ء کو ''امبر بیل'' کا پیش لفظ تحریر کرنے کے بعد میں نے کمر سیدھی کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ امریکہ سے میرے بیٹے ڈاکٹر فرخ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ میں نے رختِ سفر باندھنا شروع کیا۔ برادرم محمد علی قریشی کو علم ہوا تو لاہور سے کراچی آ گئے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد دبی زبان میں ''انکا'' کو ''انکارانی'' بنانے کا ''شوشہ چھوڑ دیا''۔ ''انکا'' میرے ذہن میں بھی ایک عرصے سے کلبلا رہی تھی۔ میں نے اپنے ناول ''تارِعنکبوت'' میں بھی ''انکا'' کا ذکر دبی زبان میں کیا، پھر ''برق پاش'' میں 'فساد کی جڑ' کے عنوان سے جو پیش لفظ تحریر کیا اس میں ''انکارانی'' کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا تھا۔ بہرحال محمد علی قریشی ''شوشہ چھوڑ کر'' لاہور چلے گئے اور میں ''انکارانی'' کے عشق میں مبتلا ہو کر ذہنی طور پر ''دربدر'' ہونے لگا۔

''انکا'' قارئین کے ذہنوں پر اٹھائیس سال سے ''پھدکتی'' پھر رہی ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے میں ''انکا'' کے کروڑوں پرستار موجود ہیں۔ ''انکا'' کی شہرت میں میرے قلم سے کہیں زیادہ اس کے چاہنے والوں کی محبتیں شامل ہیں۔ ''انکا'' کو جو عروج حاصل ہوا وہ آپ کی پسندیدگی اور چاہتوں کا صلہ ہے جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

میں نے ''انکا'' کو صرف تخلیق کیا۔ آپ نے اسے دل کی دھڑکنوں میں جگہ دی۔ نگاہوں میں بسالیا۔ پلکوں پر سجالیا۔ ''انکا'' کے نخرے برداشت کیے۔ اس کی ناز برداریاں کیں۔ اس کی شوخی اور شرارتوں کو سراہا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ کو ہر ماہ بڑی شدت سے اپنی ''انکا'' کا انتظار رہتا تھا۔ آپ ہی کے پیار کی خاطر میں نے ''انکا'' کو ''انکارانی'' بنانے کا ارادہ کرلیا..... ''انکارانی'' تحریر کرنے کا ایک سبب اور بھی تھا.....!

لاہور ''زندہ دلوں'' کا شہر ہے۔ لاہور کو ''ادب کا گہوارہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لاہور کے تین چار ''دیانت دار'' ناشر حضرات نے کراچی کے کچھ ''نقب زنی'' اور ''کردار کشی'' کے فن میں مہارت رکھنے والے مصنفین کے ساتھ ''ساز باز'' کر کے ''انکا'' کے کردار پر

شبخون مارنے کا ''مذموم دھندا'' بنا رکھا ہے۔ ہندوستان اور امریکہ میں بھی ''انکا'' کے کردار کو ''باپ کی جاگیر'' سمجھ کر ''بڑے دھڑلے'' سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ مجھے آئے دن خبریں ملتی رہتی ہیں کہ ''آپ کے ''فلانے'' واقف کار نے ''بھیس بدل'' کر ''انکا'' کے لازوال کردار پر ''طبلہ آزمائی'' کی ہے..... (میں نے دیدہ و دانستہ ''طبع آزمائی'' کو ''طبلہ آزمائی'' تحریر کیا ہے۔ وہ یوں کہ جس طرح کوئی ''اناڑی'' طبلہ بجانے والا اچھی خاصی غزل کا ''ستیاناس'' مار دیتا ہے، اسی طرح یہ ''چربہ ساز'' اور ''برساتی مینڈک'' بھی ''انکا'' کے ''سُر تال'' کو سمجھے بغیر ''بھان متی'' سے رشتہ جوڑ کر اُلٹے سیدھے تانے بانے ''بُن کر ''ناول نگار'' بن بیٹھے ہیں) اور ''ادب نواز ناشران'' ان کے ''الم غلم'' مسودوں کو چھاپ کر ''شہیدوں میں شامل'' ہونے سے کم نہیں سمجھتے۔ میں نے ایک ''دانش ور'' سے پوچھا۔ ''یہ مصنف اور ناشر حضرات ایسا کیوں کرتے ہیں.....؟'' اُس نے دائیں بائیں دیکھا پھر بڑی رازداری سے کہا۔ ''برادرم، آپ کو اپنے سوال کا جواب فیروز اللغات اُردو جدید (نیا ایڈیشن 1967ء) کے صفحہ نمبر 289 کے کالم نمبر 2 پر آخری لفظ سے پہلے والی ''مثل'' میں مل جائے گا۔ مجھے کیوں گنہگار کرتے ہیں؟ خود ملاحظہ فرمالیں۔'' میں نے مذکورہ لغت نکالی۔ صفحہ نمبر کھولا۔ دانش ور کے دیئے ہوئے حوالے پر نظر ڈالی تو ''ششدر'' رہ گیا..... وہاں لکھا تھا ''چوری اور (سر) سینہ زوری''.....!!

بہرحال، میں نے امریکہ پہنچ کر کئی بار ''انکارانی'' کو شروع کرنا چاہا لیکن ایک خوف آڑے آجاتا..... اگر بات نہ بنی.....؟ ''انکا'' کا جو خاکہ اس کے پرستاروں کے ذہنوں میں محفوظ ہے، دلوں میں گھر کر چکا ہے اسے ذرا بھی ٹھیس پہنچی تو ''انکا'' کے چاہنے والوں کی خفگی ایک طرف۔ دشمنوں کو بھی بقول ابن صفی ''..... پیٹ پیٹ کر ہنسی اڑانے کا موقع میسر آجائے گا''۔ میں نے محمد علی قریشی کو بہلانے کی خاطر ''انکارانی'' کے خیال کو پس پشت ڈال کر ''برق پاش'' کا مسودہ تیار کیا، میرا خیال تھا کہ وہ تازہ مسودہ پا کر بہل جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ''انکارانی'' کے سلسلے میں اس کی خواہش اور بھڑک اُٹھی۔ اصرار پہلے سے دوچند ہوگیا۔ چنانچہ مجھے ''انکارانی'' کے سلسلے میں نہایت سنجیدگی سے تمام ضروری مواد اکٹھا کرنا پڑا۔ اسی دوران اس قادرِ مطلق کی جانب سے ''حج'' کا بلاوا آگیا۔ میں بیوی کے ساتھ مرحوم والدین کی طرف سے ''حج بدل'' کی سعادت حاصل کرنے چلا گیا۔ (خدا

کے گھر اور اس کے محبوبؐ کے در پر ہم دست نگروں کی یہ پانچویں حاضری تھی)

میں مارچ 2002ء کے وسط میں ''ارضِ مقدس'' سے واپس آیا۔ محمد علی قریشی لاہور سے ہار، پھول اور مٹھائی لے کر آگئے۔ بڑی عقیدت اور احترام سے گلے ملے۔ ایک کان میں ''مبارک باد'' کا ''شہد ٹپکایا'' دوسرے میں پھر ''انکارانی'' کا ''شوشہ چھوڑ دیا''..... میں نے دس بارہ روز آرام کیا پھر اللہ کا نام لے کر لکھنے بیٹھ گیا۔ کرم ہے اس ''ذات پاک'' کا جس نے ''میرے قلم کی رہنمائی کی'' کم و بیش سات ماہ کی محنت کے بعد ''انکارانی'' کا مسودہ بروز جمعہ، مورخہ 18 اکتوبر 2002ء کو مکمل ہوا۔ میں نے ''شکرانے'' کی نماز ادا کی۔

''انکارانی'' کی تکمیل میں بھی میری وحشتوں کا وہی عالم تھا جس کا تذکرہ میں ''امربیل'' میں کر چکا ہوں۔ آٹھ دس روز میں جو کچھ لکھتا، اُس پر نظرِ ثانی ضرور کرتا۔ جہاں تشنگی کا ذرا احساس ہوتا، ردوبدل کرنے بیٹھ جاتا۔ کبھی کسی صفحے پر ''تنگی داماں'' آڑے آجاتی تو ''حاشیے'' میں اس کمی کو دُور کرتا۔ کوئی پیرا گراف ہلکا محسوس ہوتا تو اس کی جگہ دوسرے کاغذ کی ''پیوند کاری'' کر کے از سرِ نو تحریر کرتا۔ اکثر کئی کئی سطروں پر ''کرکشن پن'' (CORRECTION PEN) سے ''سفیدی پھیر کر'' اس پر نئے جملے اُجاگر کرنے پڑے۔ یہ خدشہ بھی لاحق رہتا کہ ''کمپوزنگ'' کرنے والا ''شین، قاف'' کی غلطی کر کے کہیں ''کرکشن'' کے بجائے ''کرپشن'' کمپوز کر گیا تو ''انکارانی'' کی عاشقی میں ''عزت سادات'' سے بھی محروم ہونا پڑے گا۔

''انکارانی'' کے کردار میں حقیقت کا رنگ بھرتے ہوئے اور ''سچویشن'' (SITUATION) کے تقاضوں کے پیشِ نظر کہیں کہیں کچھ ایسے الفاظ بھی لکھنے پڑے جو ممکن ہے ''بارِ خاطر'' پر گراں گزریں۔ جو کچھ ہوا ''بے ساختگی'' میں ہوا۔ تصور میرا نہیں، کرداروں کا ہے جو ''موقع و محل'' کے اعتبار سے ''اپنی اپنی بولیاں'' بولتے رہے۔ میں سر جھکائے انہیں لکھتا رہا۔ یوں بھی ہر ''محکمے'' اور ''ہر فرد واحد'' کی اپنی اپنی زبان ہوتی ہے۔ پولیس افسران اگر مجرموں سے ''لکھنوی انداز'' میں ''باز پرس'' شروع کر دیں تو ہو چکی جرائم کی ''بیخ کنی''..... مجرم ''نواب صاحب'' بن کر ''مونچھوں پر تاؤ'' دیتے پھریں گے۔ ''چمڑے اور ڈنڈے کی زبان'' میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ بزرگوں کی زبان سے صرف ''دُعائیں'' بھلی لگتی ہے..... لیکن بات جہاں دیرینہ دشمنی کی ہو، ''زخم ناسور'' بن چکے ہوں، ''مرنے یا مار ڈالنے''

کی ''نوبت'' آجائے اور ''انکارانی'' سر پر اپنے ''نوکیلے پنجے'' چبھو رہی ہو تو ''جو کچھ نہ ہو'' کم ہے۔

میں نے ''انکا'' کے بعد اب ''انکارانی'' کا ''شوشہ چھوڑ دیا ہے''۔ آپ حسب دستور اسے بھی اپنے ''پراگندہ'' ذہنوں کی مشین میں ڈال کر ''پھوک'' کی حد تک پہنچانے کی خاطر ''کرکس لیں''۔ ''انکا'' کے کردار پر آپ کی ''دست درازی''، ''نقب زنی'' اور ''چربہ سازی'' ہی میری ''تخلیق'' اور ''تحریر'' کی کامیابی کی ''سند'' ہے۔ گریبانوں میں جھانک کر کہیں۔ ''آپ کا ضمیر (اگر ہے تو) کیا کہتا ہے.....؟''

''انکارانی'' کے ضمن میں اگر برخوردار شہزاد احمد کا ذکر نہ کروں تو زیادتی ہوگی۔ انہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود جس محبت سے پورے مسودے کو پڑھنے اور ''اغلاط'' کی نشاندہی کرنے میں میرا ہاتھ بٹایا وہ ''قابل ستائش'' ہے۔ موصوف کی مختصر تعریف یہ ہے کہ (نہ جانے کیوں؟) میرے مداحوں میں سے ہیں۔ مستقل سکونت کراچی میں ہے لیکن محمد علی قریشی نے انہیں لاہور سے ''دریافت کر کے'' میرے حوالے کر دیا۔ بڑا ذہین نوجوان ہے۔ خدا کرے زندگی کے تمام شعبوں میں کامیابی حاصل کرے.....!

میرا ذاتی خیال ہے کہ ''انکارانی'' آپ کو ''انکا'' کے مقابلے میں زیادہ پسند آئے گی.... سچ کیا ہے؟ اس کا فیصلہ ''انکا'' کے پرستار ہی کریں گے.....!

آپ کی قیمتی آراء اور بے لاگ تبصروں کا منتظر

انوار صدیقی

کراچی۔ 23 اکتوبر 2002ء

قارئین زندہ۔ انکا باقی

میں لندن کے سب سے بڑے ہسپتال کے وی آئی پی رُوم میں آنکھیں بند کئے بستر پر لیٹا اپنی تسبیح روز شب کے دانے شمار کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جین قریب ہی کہیں کرسی پر کہنی ٹکائے بیٹھی ہوگی یا دیوار سے لگی کھڑی حسرت بھری نظروں سے میری سمت دیکھ رہی ہوگی۔

جب سے وہ مجھے بمبئی کی فٹ پاتھ سے اُٹھا کر لندن لائی تھی، میری طرف سے اُمید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار تھی، ماہر ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم بڑی جانفشانی سے میرے علاج معالجہ پر تعینات تھی، وہ اپنے وسیع تجربوں اور مشاہدوں کی روشنی میں جین کو متعدد بار یقین دلا چکے تھے کہ میری زندگی کو ایسا کوئی خطرہ لاحق نہیں جس کی خاطر راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کیا جائے لیکن اس کے باوجود وہ ایک لمحے کو بھی مجھ سے دُور رہنے پر آمادہ نہیں تھی۔

جین مارنڈا، مغرب کی آزاد اور کھلی فضاؤں میں کسی حسین اور نازک اندام تتلی کی مانند ڈال ڈال پات پات رنگ بکھیرنے والی کافر ادا حسینہ جو ایک نگاہِ غلط انداز سے لاکھوں دلوں پر بجلیاں گرا سکتی تھی میری محبوبیت کے سحر میں اس طرح اسیر ہوگئی کہ اُسے اپنی قدر و قیمت کا اندازہ بھی نہیں رہ گیا۔ مجھے وہ ساعتیں، وہ لمحے یاد ہیں جب جین نے مجھے شناخت کرنے کے بعد خوشی سے چیخ مار کر میرے جسم کی تمام تر گندگی، میل کچیل اور تعفن کو یکسر نظر انداز کر کے مجھے اپنی مہکتی بانہوں میں بڑی شدت سے سمیٹ لیا تھا، میں بھی ششدر رہ گیا۔ راہ گیروں کے لئے بھی کسی حسین و جمیل سفید فام دوشیزہ کی ایک خستہ حال اور ناگفتہ بہ حالات سے دوچار شخص کے لئے وہ اندازِ وارفتگی اور شیدائیت حیران کن تھی۔ ہمارے گرد تماش بینوں کی بھیڑ جمع ہوگئی۔ جین نے مجھے اپنی حسین بانہوں کا سہارا دے کر اُٹھانے کی کوشش کی۔ میں نے اُسے اپنی شکستگی کا احساس دلانے کی خاطر مدھم آواز میں سرگوشی کی۔

''میں ایک بے گور و کفن لاش ہوں جین، تم میرے لئے اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کر رہی ہو؟ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اب زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ میری مانو تو کانٹوں میں اُلجھنے کی بجائے واپس لوٹ جاؤ۔ تمہارا دولت علی تو نہ جانے کب کا.....''

''نہیں.....ایسی دل آزار باتیں مت کرو۔'' اُس نے تڑپ کر اپنا نازک ہاتھ میرے ہونٹوں پر جما دیا۔ بڑی لجاجت سے بولی۔ ''جب تمہیں اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تو اسے میری جھولی میں ڈال دو۔ میں تمہیں لندن لے چلوں گی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ پھر.....ہم ایک نئی زندگی کی ابتدا کریں گے۔''

میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا، اُس کے جذبوں کی صداقت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

کبھی وہ سراغرساں جم کی محبوبہ تھی۔ جم نے اُسے پہلی بار مجھ سے امرائے لندن کے کلب میں اپنی منگیتر کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔ اس حسینہ دلنواز کو دیکھ کر میرے سینے میں فشار برپا ہونے لگا۔ وہ کسی مصور کا حسین تخیل تھی جو لاشعور کی سرحدوں کو پھلانگ کر شعور کی دنیا میں آ گئی تھی، کسی شاعر کا خواب تھی جس کے شاداب جسم کا ایک ایک پیچ و خم گنگناتا محسوس ہوتا تھا، کسی ماہر سنگتراش کا لازوال شاہکار تھی جس کی صناعی سے متاثر ہو کر قدرت نے اس میں رُوح پھونک دی تھی۔ شاید وہ کوئی اپسرا تھی جو اِندر کے اکھاڑے میں رقص کرتے کرتے بدمستی کے عالم میں بھولے سے آسمان کی بلندیوں سے زمین پر اُتر آئی تھی۔ اُس کی غزالی آنکھوں میں مستی کے جام چھلک رہے تھے۔ اُس کی ایک ایک ادا نرالی تھی۔ وہ سرتاپا قیامت ہی قیامت تھی۔ اُس کے جسم کا ہوش رُبا گداز کسی طاقتور مقناطیس سے زیادہ پُرکشش تھا۔ میں اُسے دیکھ کر محو ہو گیا۔ میری زندگی میں ہزاروں لڑکیاں آ چکی تھیں لیکن جین سب سے مختلف تھی۔ میں اسے زیادہ دیر آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکا، اُس کے اطلسی اور کمخواب جسم کے دمکتے ریشوں پر میری حریص نگاہیں پھسلنے لگیں۔ میں پہلی ملاقات میں اس پر کوئی غلط تاثر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، جم براؤن سے گفتگو میں مصروف ہو گیا مگر میرے وجود کے اندر جین کے قرب نے ایک تلاطم برپا کر دیا تھا۔ جم سے باتیں کرتے ہوئے میری نگاہیں بار بار جین کی سمت بھٹکنے لگتیں۔

جین کو تسخیر کرنا میرے لئے کچھ دُشوار نہ تھا۔ انکا میری دسترس میں تھی، کئی بار وہ مجھے جین کی خاطر اُکسا چکی تھی۔ میرا ایک اشارہ جین کو کسی پکے پھل کی طرح میری خواہشات

کی دہلیز پر ڈھیر کر دیتا، میں اُس کے گداز جسم پر فتح کے جھنڈے گاڑ کر ان لڑکیوں کی طویل فہرست میں شامل کر سکتا تھا جو میری خواہشات کی تکمیل کو اپنی خوش بختی تصور کرتی تھیں۔ لیکن جین کے سلسلے میں انکا کے بجائے میں اپنی ذاتی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا خواہشمند تھا۔ قدرت نے اس کے لئے مجھے ایک موقع بھی فراہم کر دیا۔ ان دنوں میں ہندوستان جانے کی خاطر پر تول رہا تھا جب جم براؤن کے بے حد اصرار پر میں جرمنی جانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ جم کو جرمنی کے ایک معروف سائنسدان مارک کو اغواء کرنے کا مشکل کام سونپا گیا تھا۔ مجھے جم یا اس کے کام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں شاید اُس کی درخواست کو کسی بہانے سے رد کر دیتا لیکن جب جم نے مجھے بتایا کہ اس اہم مہم میں جین میری سیکرٹری کی حیثیت سے میرے ساتھ ہو گی تو میں نے اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔

برلن میں میرا اور جین کا قیام ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ہوا۔ ہمارا کمرا مشترک تھا۔ کام کی اہمیت کے پیشِ نظر ہمارا ہر وقت ایک دوسرے سے قریب رہنا ضروری تھا، وہاں مجھے جم یا کسی دوسرے واقف کار کی مداخلت کا کوئی اندیشہ بھی نہیں تھا.....پہلی ہی رات جب جین ڈریسنگ رُوم سے شب خوابی کا لباس پہن کر برآمد ہوئی تو میرے جسم سے آدمخور چیونٹیاں لپٹ گئیں، میرے وجود کے اندر کا آتش فشاں پھٹ پڑنے کو مچلنے لگا۔ سفید باریک گاؤن سے جین کا مرمریں جسم جھانک رہا تھا۔ وہ کندن کی طرح دمک رہی تھی، اُس کے جسمانی نشیب و فراز پارے کی مانند مچل رہے تھے۔ سونے کے ارادے سے اپنے بستر پر جانے سے پیشتر وہ مجھے 'وِش' کرنے کی خاطر قریب آئی تو انکا میرے سر پر کسمسانے لگی۔

''جمیل.....اس کے جسم کو غور سے دیکھو، اس کے ایک ایک انگ سے خون چھلک رہا ہے۔''

میں نے عالمِ تصور میں انکا کو دیکھا، وہ ندیدوں کی طرح اپنی زبان ہونٹوں پر پھیر رہی تھی، انسانی خون اُس کی غذا تھی۔ اُس کی نگاہیں جین کے سراپا پر مچل رہی تھیں، ان نگاہوں میں کسی ایسے ماہر شکاری کا اعتماد جھلک رہا تھا جس کی زد میں آیا ہوا شکار کبھی اس کے نشانے سے فرار نہ حاصل کر سکا ہو۔

''جین کا خیال دل سے نکال دو انکارانی.....'' میں نے سرگوشی کی۔ ''اس پھول کو ابھی گلشن میں کچھ عرصہ اور مہک لینے دو۔''

''تم جین کو مجھ پر ترجیح دے رہے ہو؟'' انکا ٹھنک کر بولی۔ ''اپنی انکا پر.....''

میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ جین نے قریب آ کر میری پیشانی کا بوسہ لیا تو میں اپنے برانگیختہ جذبات پر قابو نہ پا سکا، میرے ہاتھ کا پھندا اچانک جین کی لوچدار کمر کے گرد تنگ ہوا تو وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی، لہرا کر میری آغوش میں آ گری۔ میرا خیال تھا کہ وہ میرے قرب کی تپش سے پگھل کر موم ہو جائے گی، مغربی تہذیب میں ایسے چھوٹے موٹے تصادم آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں، انہیں معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ جین بھی اسی ماحول کی پروردہ تھی مگر میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ میری گود میں بکھرنے کے بعد اُس نے تیز نظروں سے میری آنکھوں میں جھانکا، پھر اپنا سفید گاؤن جو میری رندانہ جسارت پر منتشر ہو گیا تھا، سمیٹتے ہوئے تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''دولت علی.....'' (لندن میں، میں نے خود کو دولت علی کے نام ہی سے روشناس کرایا تھا) اُس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم شاید بھول رہے ہو کہ ہم یہاں ایک اہم مشن پر آئے ہیں۔''

''مجھے یاد ہے.....'' میں نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔ ''لیکن تمہارا خوبصورت اور حسین وجود بھی میرے لئے کسی اہم مشن سے کم حیثیت نہیں رکھتا۔''

''میں جانتی ہوں.....'' وہ دبی زبان میں بولی۔ ''تم اپنی رُوحانی قوتوں سے کسی کو بھی اپنا تابع کر سکتے ہو۔''

''ہاں.....'' میں زیرلب مسکرایا۔ ''تم میری قوت کے کئی کھیل تماشے دیکھ چکی ہو۔''

''مجھے تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف ہے لیکن.....''

''کچھ کہنے سے پیشتر ایک بار قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر خود اپنے حسن بے مثال کا جائزہ لو۔'' میں نے اُس کے اندر بھرے بارود کو آگ دکھانے کی کوشش کی۔ ''شاید تمہارا اپنا عکس میرے جذبات کی ترجمانی کر سکے۔''

''تم'' وہ سلجھے ہوئے انداز میں بولی۔ ''یہ.....کیسی باتیں کر رہے ہو؟''

''مجھے غلط مت سمجھو.....'' میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''میں چاہوں تو پلکوں کی ایک جنبش سے تمہیں اپنا دیوانہ بنا سکتا ہوں، تم خوشی خوشی میری بانہوں میں سمٹ جانے کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھو گی لیکن تمہارے سلسلے میں نہ جانے کیوں میں

مصنوعی تکمیل سے گریز کرنا چاہتا ہوں، تم ایک خوبصورت لڑکی ہو۔ وقت کی ڈالی پر مہکتا ہوا ایک تازہ گلاب، میں تمہیں زبردستی توڑنے کی کوشش نہیں کروں گا..... میری خواہش کی تکمیل کے لئے تمہاری آمادگی بھی شرط ہے۔''

''دولت علی.....'' وہ ایک لمحے کو جھجکی، پھر میرے قریب آ کر بڑی معصومیت سے بولی۔ ''میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں بھی تمہاری شخصیت سے متاثر ہوں مگر پلیز..... میرا شمار لندن کی ان آزاد خیال لڑکیوں میں مت کرو جو شراب کے محض ایک جام کی بیخودی کی خاطر اپنی خودی کو غلاظتوں کے ڈھیر میں دفن کر دیتی ہیں..... اگر تمہارے نزدیک میری آمادگی بھی شرط ہے تو مجھے سوچنے کی مہلت دو..... اور..... تم یہ کیوں فراموش کر رہے ہو کہ میں جم سے منسوب ہونے والی ہوں۔ اسی وجہ سے ایک بہتر مستقبل کی خاطر میں سیکرٹ سروس سے وابستہ ہوئی ہوں۔ جم نے تمہیں قابل اعتماد سمجھ کر ہی مجھے تمہارے ساتھ بھیجا ہے۔ کیا تم جم کے اعتماد کو.....''

''میں تمہیں اپنے بارے میں غور کرنے کی مہلت دیتا ہوں۔'' میں نے جین کی بات کاٹ کر کہا۔ ''مجھے اُمید ہے کہ تم مفاہمت کے انداز میں کوئی حتمی فیصلہ کرو گی۔''

''جمیل..... یہ کیا حماقت کر رہے ہو؟'' انکا میرے سر پر کلبلانے لگی۔ ''تم اس موم کی پتلی کی باتوں میں آ گئے۔ یہ مغربی تہذیب کی پروردہ آزاد اور آوارہ خیال حسینائیں محض اپنا بھاؤ بڑھانے کی خاطر اس قسم کی لچھے دار باتیں کرتی ہیں۔ مجھے حکم دو میں ایک لمحے میں اسے تمہاری آغوش میں مچلنے پر مجبور کر سکتی ہوں۔''

''جین.....'' میں نے انکا کی بات کو نظر انداز کر کے بڑی شائستگی سے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ''میں تمہاری آمادگی کے اظہار کا انتظار کروں گا، اس یقین کے ساتھ کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔''

جین کو میری بات کا یقین آیا تو اُس کے چہرے سے تفکرات کے بادل چھٹ گئے۔ اُس نے اظہارِ تشکر کے طور پر ایک بار پھر میرے قریب آ کر میری پیشانی پر اپنے جلتے ہونٹوں کی مہر ثبت کی، پھر مسکراتی ہوئی اپنے بستر پر چلی گئی۔ انکا مجھے عجیب نظروں سے گھور رہی تھی، شاید جین کے لئے میرے ذہن میں اُبھرنے والے پاکیزہ خیالات پڑھنے کے بعد وہ کسی خاص نتیجے پر پہنچنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔

پھر.....جین اور میرے درمیان اعتماد کی فضا قائم ہوئی تو فاصلے بتدریج سمٹنے لگے۔ میں نے جم براؤن کے مشن کو کامیاب کرنے کے بعد بھی جین کو کچھ عرصے کے لئے روک لیا۔ رفتہ رفتہ وہ میرے قریب ہوتی جارہی تھی۔ میں جرمنی میں اپنے قیام کی مدت بڑھاتا رہا۔ میں نے انکا کو کچھ وقت کے لئے لندن واپس بھیج دیا تاکہ وہ اپنی غذا کی خاطر انسانی خون کے حصول کے لئے پریشان نہ ہو۔ انکا کی موجودگی میں یہ خطرہ تھا کہ کہیں وہ جین کے سلسلے میں مجھے کوئی غلط قدم اُٹھانے پر مجبور نہ کردے۔

ایک روز میں فرینکفرٹ کے نائٹ کلب میں جین کے مہکتے وجود کو اپنی بانہوں میں لئے رقص کررہا تھا کہ انکا اچانک میرے سر پر آگئی۔ میں نے اُسے عالم تصور میں دیکھا، وہ اپنے دونوں ہاتھ کولہوں پر جمائے مٹک مٹک کر میرے گھنے بالوں کے درمیان چہل قدمی کرنے میں مصروف تھی۔ اُس کی آنکھوں سے مستی ٹپک رہی تھی۔ چہرہ قندھاری انار کی مانند سرخ ہو رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ انسانی خون سے پوری طرح سیراب ہوکر آئی ہے۔ خون پی لینے کے بعد اُس کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح کھل اُٹھتے تھے۔

''کس کا خون کرکے آئی ہو.....؟'' میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر دریافت کیا۔

''سارا کا.....'' انکا نے مسکرا کر جواب دیا۔

سارا کا نام سن کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ لندن میں قیام کے دوران سب سے پیشتر سارا ہی مجھ سے متعارف ہوئی تھی۔ بڑی زندہ دل اور شوخ طبیعت کی مالک تھی۔ لیکن باپ کی موت کے بعد وہ ذہنی ڈپریشن کا شکار ہوگئی تھی۔ اُس کی بے پناہ دولت اور جائیداد کے حصول کی خاطر شر پسند عناصر دوستی کی آڑ میں قدم قدم پر اُس کے لئے دُشواریاں پیدا کر رہے تھے۔ سازشوں کے جال بن رہے تھے۔ سارا میری محبت میں گرفتار تھی اس لئے میری ذات پر بھی کئی خطرناک حملے کئے گئے۔ انکا نے ساتھ نہ دیا ہوتا تو شاید میں لندن کی کسی جیل میں پڑا سڑ رہا ہوتا۔ مجھے سارا سے صرف اُنسیت تھی، وہ میری ایک اچھی دوست تھی۔ میں اُس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں قائم کرسکتا تھا۔ لندن کے قیام کے دوران اُس کی دوستی میرے بہت کام آئی تھی۔ اُسی نے مجھے محفلوں میں روشناس کرایا تھا۔ دیارِ غیر میں اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' انکا نے میرے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر چبھتے ہوئے

لہجے میں دریافت کیا۔ ''کیا سارا کے بارے میں سن کر تمہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی؟''

''انکا.....'' میں نے اُلجھتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم جانتی ہو کہ حالات نے اُس غریب لڑکی کا سکون برباد کررکھا تھا۔''

''بڑے بے مروت اور احسان فراموش ہوگئے ہو.....'' انکا نے سنجیدگی اختیار کرلی۔ ''ایک تو میں نے تمہارے اور جین کے لئے راستہ ہموار کردیا اور تم.....''

''چپ ہوجاؤ.....'' میں نے اُسے جملہ مکمل کرنے کی مہلت نہیں دی۔ تلملا کر بولا۔ ''سارا کے مقابلے میں جم براؤن میرے لئے زیادہ ٹیڑھی کھیر ہے۔''

''پریشان مت ہو۔'' انکا میرے سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ ''میں نے سارا کے ساتھ ساتھ تمہارے اُس رقیب کو بھی.....''

''نہیں.....'' میں چیخ اُٹھا۔ ''تم نے جو حماقت کی ہے وہ میری گردن میں پھانسی کا پھندہ بھی ثابت ہوسکتی ہے۔''

''کیا بات ہے دولت علی؟'' جین نے میرے قدموں میں پیدا ہونے والی لڑکھڑاہٹ محسوس کی تو بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ''تم تھکن تو نہیں محسوس کررہے ہو؟''

''جمیل.....'' انکا نے معنی خیز انداز میں جین کی سمت دیکھتے ہوئے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''تمہاری اجازت ہو تو میں جین کے سر پر چلی جاؤں، اُسے تمہاری تھکن اُتارنے پر آمادہ کردُوں؟''

انکارانی کا وہ جملہ اس وقت میرے لئے مزید جھلاہٹ کا سبب بن گیا۔ میں نے اُسے گھور کر قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

''تم سچ مچ جین کی محبت میں دیوانے ہوگئے ہو۔'' انکا نے تیزی سے کہا، پھر شوخی سے مسکرا کر بولی۔ ''میں نے لندن پہنچ کر جم اور سارا کو جذباتی طور پر اتنا قریب کردیا ہے کہ اب جم سارا سے شادی کے منصوبے بنا رہا ہے۔'' پھر انکا نے مجھے وضاحت سے جم اور سارا کی ایک دوسرے میں دلچسپی لینے کی تفصیل سنائی تو میں نے اُسے گھور کر کہا۔

''تم بڑی حرافہ ہوتی جارہی ہو.....''

''تمہاری محبت کا اثر ہے.....'' اُس نے لکھنوی انداز میں جھک کر سلام کیا اور پھر آرام کرنے کے ارادے سے میرے گھنے بالوں میں پاؤں پسار کر لیٹ گئی۔ ایک لمحے بعد ہی

اُس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی۔

انکا نے جین کے سلسلے میں میرے لئے جو آسانی فراہم کر دی تھی وہ بڑی کارآمد ثابت ہوئی۔ لندن پہنچ کر جین کو جب جم براؤن کی بے وفائی کا اندازہ ہوا تو وہ ملول ہوگئی۔ لیکن جب میں نے رُوحانی علم کی آڑ لے کر اُسے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کی اور جم کی شادی کامیاب نہ رہتی تو وہ کسی قدر مطمئن ہوگئی۔ اُس نے جم کی طرف سے مایوس ہو کر مجھے اپنے غموں کا مداوا سمجھ کر قبول کر لیا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔

جس روز میں لندن سے روانہ ہو رہا تھا اُس روز جین کا اضطراب قابل دید تھا۔ مجھے اپنی قسمت پر رشک آنے لگا، جین میری محبوبیت کے سحر میں پوری طرح اسیر ہو چکی تھی۔ میری جدائی کے غم میں اُس کی آنکھیں بار بار بھر آتیں۔ پھر جب مسافروں کے جہاز میں بیٹھنے کی درخواست کا اعلان ہوا تو وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ مجھے رخصت کرتے وقت اُس کی غزالی آنکھیں برسنے لگیں۔ میرے اختیار میں ہوتا تو ایئر پورٹ پر ہی شائستگی اور اخلاقیات کے تمام رسمی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر اُس کے حسین قرب سے اپنی پیاس بجھا لیتا، بانہوں میں سمیٹ کر اُس کے سارے آنسو پی جاتا۔ لیکن میں نے اپنے جذبات کو بے لگام نہیں ہونے دیا۔ دل پر جبر کر کے میں نے اُس سے بہت جلد واپس آنے کا جھوٹا وعدہ کیا۔ اُس کے بھیگے ہوئے نرم گالوں کو چوم کر ہاتھ لہراتا ہوا اُس سے دُور ہو گیا۔ میں نے لندن اور جرمنی کے قیام کے دوران بھی کبھی اُس کی پاکیزگی کو داغدار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید اس لئے کہ وہاں بس وہی ایک ایسی لڑکی مجھے ملی تھی جو حسن و شباب کی تمام تر رعنائیوں سے مالا مال ہونے کے باوجود تمام آلودگیوں سے پاک تھی۔

میں نے ماہ و سال اور گزرتے موسموں کا حساب نہیں رکھا لیکن اتنا یاد ہے کہ جین کو جھوٹے خوابوں کی حسین تعبیریں دکھا کر اُس سے جدا ہوئے مجھے ایک طویل عرصہ بیت گیا تھا۔ اس عرصے میں مجھے کبھی شدت سے اُس کی یاد بھی نہیں آئی۔ حالات اور ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کی دشمنی نے کبھی اتنی فرصت نہیں دی کہ پلٹ کر جین کی طرف دیکھتا..... اُس کے بارے میں کچھ سوچتا..... جب ایک ایک کر کے سارے سہارے ٹوٹ گئے، کلدیپ کا ساتھ بھی چھوٹ گیا تو مجھے زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ میں موت کے انتظار میں سیّد مجذوب کی لاٹھی سینے سے لگائے بمبئی کی فٹ پاتھوں پر ایڑیاں رگڑتا پھر رہا

تھا، آخری سانسیں گن رہا تھا جب جین نے اچانک سامنے آ کر میرا ہاتھ تھام لیا، وہ ضد کر کے مجھے اپنے ساتھ لندن لے آئی اور اب موت کے ہاتھوں سے بچانے کی خاطر مجھ پر بے دریغ دولت لٹا رہی تھی۔ عجیب دیوانی لڑکی تھی۔ نہ جانے اس نے میری ذات سے کیا توقعات وابستہ کر رکھی تھیں.....؟

جین کے بارے میں سوچتے سوچتے یکلخت میرے خیالوں کی اُفق پر کلدیپ کا تصور قوس قزح کی مانند اُبھرنے لگا۔ میرے دل کی دھڑکنوں میں طغیانی آ گئی۔ میں ہواؤں میں اُڑتا میسور کی اُن پہاڑیوں پر پہنچ گیا جہاں کلدیپ نے میری خاطر سادھو پریتم لال کی کٹیا میں دھونی رما رکھی تھی۔ اس غریب نے ایک عمر گیان دھیان میں بتا دی۔ مجھے مضبوط کرنے کی دُھن میں دن رات منڈل میں بیٹھی دیوی دیوتاؤں کو راضی کرنے کی خاطر جاپ کرتی رہی۔ اُس نے اپنی جوانی کی تمام رعنائیوں، تمام تشنہ کام اُمنگوں کو میری محبت پر بھینٹ چڑھا دیا۔ اپنے ریشمی جسم پر بھبھوت مل کر آسمان کی اپسرا سے مندر کی پجارن کا رُوپ دھار لیا۔ جب بھی میری قسمت کے ستارے گردش میں آتے وہ مختلف رنگ و روپ میں سامنے آ کر میری مدد کرتی۔ کلپنا کے رُوپ میں متعدد بار وہ میرے شانہ بشانہ چلتی رہی، میری بدبختی کہ میں اُسے کلدیپ کی حیثیت سے شناخت نہ کر سکا۔ پہچان لیتا تو کبھی اپنے وجود سے علیحدہ نہ کرتا، اپنی بانہوں میں سمیٹ لیتا، سانسوں میں جذب کر لیتا، پلکوں کی اوٹ میں چھپا لیتا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو شاید پریتم لال کی آتما اس سے ناراض ہو جاتی۔ کلدیپ کی برسوں کی تپسیا غارت ہو جاتی۔ سارا گیان دھیان دھرے کا دھرا رہ جاتا۔ شاید اسی لئے وہ رُوپ بدل بدل کر میری مدد کرتی رہی۔ پھر جب میرے دشمن مالا کو اغواء کر کے لے گئے اور پنڈت بدری نرائن کی پشت پناہی کے لئے کالی کا مہان پجاری امر لال خم ٹھونک کر میدان میں کود پڑا تو کلدیپ کو مجبوراً پریتم لال کی کٹیا چھوڑ کر پہاڑ کی بلندیوں سے نیچے اُترنا پڑا۔ وہ اس غریب کی زندگی کا آخری معرکہ تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ اگر اس نے بروقت میری مدد نہ کی تو میں دشمنوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اُسے میری شکست منظور نہیں تھی۔ وفا کی اُس پتلی نے میری سربلندی کی خاطر دیوی دیوتاؤں کے قدموں میں اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کرنے کا وچن دے کر ان کی خوشنودی حاصل کر لی۔ میں آخری وقت تک اُس کے عزم سے ناواقف رہا۔

پنڈت بدری نرائن کو میں نے کتوں جیسی موت مارا تو امرلال مقابلے پر آ گیا، کلدیپ نے مجھے اپنے پیچھے کر لیا، خود سینہ سپر ہو گئی۔ امرلال اُس پر اپنے جنتر منتر آزماتا رہا۔ کلدیپ کا رنگ وروپ خوفناک ہو گیا۔ اُس کے جسم پر آبلے پڑ گئے۔ امرلال کے منتر کے بیروں نے ایک ایک کر کے اُس کے جسم کا تمام لباس نوچ لیا۔ کلدیپ کے زخموں سے خون اور پیپ بہہ رہی تھی، وہ اپنی جگہ پتھر کے کسی بے جان مجسمے کی مانند جمی کھڑی رہی۔ امرلال کو شاید اُس کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ وہ تابڑ توڑ حملے کرتا رہا۔ جب کلدیپ نے پینترا بدلا تو امرلال کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کلدیپ نے ایک ہی عمل کیا تو اپنی اصلی صورت اختیار کر لی۔ اُس کا جسم پہلے کی طرح شاداب نظر آنے لگا۔ پھر اُس نے آسمان کی طرف دیکھ کر دوسرا طلسم پھونکا تو امرلال کے جسم سے خون جاری ہو گیا۔ وہ بھیانک انداز میں چیختا ہوا اُس پرانے مندر کی طرف بھاگا جہاں مالا قید تھی۔ کلدیپ نے باری باری اپنی دو اُنگلیوں کو جنبش دی تو امرلال کی دونوں ٹانگیں اُس کے جسم سے جدا ہو گئیں۔ وہ اوندھے منہ مندر کی سیڑھیوں پر گرا۔ اُس کے جسم سے خون کا فوارہ اُبل رہا تھا۔ اسی لمحے کلدیپ نے اپنا ہاتھ زمین پر مار کر تیزی سے دائیں بائیں گھمایا تو امرلال کا سر تن سے جدا ہو کر ایک طرف لڑھک گیا۔ کھیل ختم ہو گیا۔ میں مالا اور کلدیپ کو ساتھ لے کر سیّد غوث کے گھر چلا گیا۔

مجھے سکون کا سانس لئے صرف دو دن گزرے تھے جب کلدیپ نے ضد کی کہ وہ آخری بار پریتم لال کی کٹیا میں واپس جانا چاہتی ہے۔ اُس کا اصرار حد سے بڑھا تو میں نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔

''میں تمہیں وہاں لئے چلتا ہوں لیکن ایک شرط پر۔ تمہیں وہاں سے میرے ساتھ ہی آنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔'' اُس نے عجیب انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں دس روز بعد تمہارے اختیار میں ہوں گی، تم جہاں چاہنا مجھے ساتھ لے جانا۔ میں انکار نہیں کروں گی۔''

میں، کلدیپ کا جواب سن کر خوشی سے سرشار ہو گیا۔ آنے والے اچھے دنوں کے خواب دیکھنے لگا۔ حسب وعدہ میں اُسے دوسرے ہی دن ساتھ لے کر میسور روانہ ہو گیا۔ پریتم لال کی کٹیا میں ہم دونوں نے ایک ساتھ وقت گزارا۔ ان دنوں کا ایک ایک لمحہ ایک ایک پل

میرے ذہن پر نقش ہے۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ کلدیپ جو پریتم لال کے پوتر استھان پر دھونی رمانے کے بعد جسمانی طور پر میرے لئے اجنبی بن گئی تھی اب ہر وقت میری آغوش میں سر رکھے پیار ومحبت کی باتیں کرتی رہتی۔ ہمارے درمیان کوئی حجاب نہیں تھا، کوئی دُوری باقی نہیں رہ گئی۔ میں کبھی ایک پل کو اُس سے دُور ہوتا تو وہ پاگلوں کی طرح دوڑ کر مجھ سے دیوانہ وار لپٹ جاتی۔ میرے کشادہ سینے میں سر چھپائے پیار ومحبت کی باتیں کرتی رہتی۔

میسور سے ہماری واپسی میں صرف ایک رات کا وقفہ باقی رہ گیا تھا۔ اس رات بھی وہ میری بانہوں میں سمٹی بیٹھی تھی جب میں نے اُسے اُس کا وعدہ یاد دلایا۔

''تمہیں اپنا وچن یاد ہے نا؟ اب صرف ایک رات باقی رہ گئی ہے۔ کل میں تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں سے لے چلوں گا۔ پھر جانتی ہو کیا ہوگا.....؟''

''کیا ہوگا.....؟'' اُس نے مجھے حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ میں اُس کے اندر کا کرب نہ دیکھ سکا، شوخ لہجے میں بولا۔

''میں تمہیں ایک ایسے رشتے میں جکڑ لوں گا جس کے بعد مجھے تمہارے ساتھ ہر قسم کی شرارت کرنے کا قانونی اختیار ہوگا۔''

''ہاں جمیل، میں نے بھی روزِ اوّل سے یہی سوچ رکھا تھا کہ ہم سارے رسم ورواج توڑ کر ایک ایسے بندھن میں بندھ جائیں گے کہ پھر دھرتی کی کوئی شکتی بھی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے گی۔ سہاگ رات منانے کی آشا کس لڑکی کے من میں نہیں کلبلاتی، اب اس کا سے آ گیا ہے تو کل کیوں؟'' کلدیپ کی کنول جیسی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تیرنے لگی۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''جمیل، کیا ہم آج ہی اپنی سہاگ رات نہیں منا سکتے؟ سمے بڑا کٹھور ہوتا ہے، ایک بار ہاتھ سے نکل جائے تو پلٹ کر واپس نہیں آتا۔''

''کلدیپ.....'' میں نے تڑپ کر اُس کی پیشانی چوم لی۔ ''تمہیں مہاراج پریتم لال کی قسم، سچ سچ بتاؤ تم ہنستے ہنستے اچانک اس قدر اُداس کیوں ہو گئیں؟ جو کچھ تمہارے دل میں ہے کھل کر کہہ ڈالو.....''

''اب خاموش رہنے کا سمے بھی بیت چکا ہے جمیل۔'' کلدیپ نے بڑے دل گرفتہ لہجے میں کہا، پھر میرا ہاتھ تھام کر بولی۔ ''میری بات دھیان سے سن لو۔ میں نے تم سے دُور رہ کر جیون کا ایک ایک پل بڑے دُکھ سے بتایا ہے۔ بڑی وپاکل رہی ہوں، تم چاہتے تھے کہ میں

مہاراج کا پوتر استھان چھوڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں۔ میرے من کی بھی یہی اِچھا تھی۔ لیکن میں اگر مہاراج کی کٹیا سے اپنا سمبندھ توڑ لیتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا، تم بہت کمزور پڑ جاتے۔ اسی کارن میں تمہیں بار بار بہلاتی رہی، تم سے دُور بیٹھی تمہارے لئے بھگوان سے پرارتھنا کرتی رہی، دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے کارن کٹھن تپسیا کرتی رہی۔ میری بات کا وشواس کرو جمیل۔ میں تم سے دُور رہ کر بھی ہمیشہ تمہارے بہت قریب رہی ہوں۔"

کلدیپ بڑے مغموم لہجے میں اپنی رُوداد سناتی رہی۔

"مجھے وشواس تھا کہ تم بدری نرائن کے مقابلے میں کمزور نہیں پڑو گے..... انکا جو تمہارے ساتھ تھی۔ لیکن تم نے کالی کے بڑے مندر میں جا کر ہنگامہ کیا تو بڑے بڑے سادھو اور دوسرے پنڈت پجاری بھی بدری نرائن کے ساتھ ہو گئے۔ تم اس دلدل سے نکلنے کی بجائے اس میں پھنستے ہی گئے۔ میں ابھی کوئی اوپائے سوچ رہی تھی کہ کالی کا سب سے مہان سیوک امر لال بھی بدری نرائن کی سہائتا کی خاطر میدان میں آ گیا۔ میں جانتی تھی جمیل۔ امر لال اور بدری نرائن کا گٹھ جوڑ تمہیں کبھی سکھ کا سانس نہ لینے دیتا۔ اُنہوں نے مالا کو اغواء کیا تو تم دیوانے ہو گئے۔ وہ تمہیں تمہارے منڈل سے باہر لانا چاہتے تھے۔ انکا نے تمہیں روکا لیکن تم نے ہوش کی بجائے جوش سے کام لیا۔ امر لال اسی موقع کی کھوج میں تھا۔ مجھے خبر تھی کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرے گا۔ سو میں نے کالی کو وچن دیا کہ اگر میں بدری نرائن اور امر لال کے مقابلے میں کامیاب ہو گئی تو اس کے چرنوں میں اپنا جیون بھینٹ کر دُوں گی..... دیوی نے میرا بلیدان سویکار کر لیا۔ پھر وہی ہوا جو میں نے سوچا تھا۔ تمہیں اُن دونوں دشمنوں سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا مل گیا اور میں....."

"کلدیپ....." میں دیوانوں کی طرح چیخ اُٹھا۔ "کلدیپ۔ تم نے میری خاطر اتنی بڑی قربانی کیوں دی؟ مر جانے دیا ہوتا مجھے۔"

"ایسے شبد زبان پر نہ لاؤ جمیل۔ مجھے دُکھ ہو گا۔" کلدیپ کے چہرے پر کرب نمایاں ہونے لگا۔ بڑی حسرت سے بولی۔ "میں نے دیوی سے تمہارے کارن دس روز کی مہلت مانگ لی تھی۔ آج اس مہلت کی آخری رات ہے۔ میں بہت خوش ہوں جمیل۔ میں تمہارے کام آ گئی۔ میرا انت تمہاری گود میں ہو رہا ہے۔ آج مجھے میری جیون کی تپسیا کا پھل مل رہا ہے۔ آؤ..... میرے سینے سے لگ جاؤ۔ سارے فاصلے ختم کر دو۔ مجھے اپنے

کلیجے میں اس طرح چھپا لو کہ ساری دُوریاں ختم ہو جائیں، کوئی فاصلہ باقی نہ رہے۔ اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دو، میری جنم جنم کی پیاس بجھ جائے گی۔ میں سہاگنوں کی طرح مرنا چاہتی ہوں....."

"کلدیپ..... کلدیپ....." میں نے اُسے پوری شدت سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "ایسی باتیں مت کرو۔ تم نے اگر میرا ساتھ چھوڑ دیا تو میں بھی زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ خدا کے لئے ہوش میں آؤ، کہہ دو کہ تم نے ابھی جو کچھ کہا ہے وہ سب جھوٹ ہے، تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا تھا، میں تمہیں مرنے نہیں دُوں گا۔ تمہیں میرے لئے زندہ رہنا ہو گا۔ ہاں، صرف میرے لئے۔" مجھ پر جنون سا طاری ہو رہا تھا۔ میں نے اُسے اس طرح اپنی بانہوں میں بھر لیا جیسے اُس کی رُوح کو جسم سے نکلنے سے روک لوں گا۔

"تمہیں میری سوگند جمیل....." کلدیپ نے بڑی نقاہت سے کہا۔ "اپنے آپ کو سنبھالے رکھو، تمہیں اپنی کلدیپ کے کارن زندہ رہنا ہو گا۔ اگر تم نے جیوتپتیا کی یا کوئی اور پاگل پن کیا تو تمہاری کلدیپ کی آتما کو مر کر بھی چین نہیں ملے گا۔ مجھے وچن دو تم زندہ رہو گے، تمہیں زندہ رہنا ہو گا۔ سن رہے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟"

"تم جھوٹ بول رہی ہو....." میں نے تڑپ کر جواب دیا۔ "تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو، میرا امتحان لے رہی ہو۔ میں جانتا ہوں تم اپنے جمیل کو چھوڑ کر کبھی اس سے دُور نہیں جاؤ گی۔ تم نے ایسا کیا تو میرے دماغ کی ساری نسیں پھٹ جائیں گی۔" میں ہذیان بکنے لگا۔ کلدیپ میرے جسم سے لگی کپکپا رہی تھی۔ اُس پر لرزہ طاری تھا۔ اُس نے بڑی مشکلوں سے سر کو ذرا سا بلند کیا۔ میں نے اپنا چہرہ جھکا لیا۔ شاید وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اُس نے کچھ بھی نہیں کہا، اپنے تھرتھراتے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دیئے پھر میری آغوش میں درخت سے ٹوٹے کسی خزاں رسیدہ پتّے کی مانند گر کر ڈھیر ہو گئی۔ اُس کے شریر اور آتما کا بندھن ٹوٹ گیا..... میری دُنیا تاریک ہو گئی۔ میں نے اُس کی لاش کو ایک ہاتھ سے سمیٹ کر کاندھے پر اُٹھایا۔ میں کلدیپ کو موت کے سفر پر تنہا کیسے روانہ کر سکتا تھا؟ میں نے طے کر لیا کہ کسی بلند چٹان پر چڑھ کر اپنے آپ کو بھی کلدیپ کے ساتھ نیچے گرا دُوں گا، قصہ پاک ہو جائے گا۔ لیکن انکا میرے سر پر آ گئی۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات سے میری وحشتوں، میرے جنون کا اندازہ لگا چکی تھی۔ اس سے قبل کہ میں انکا سے کچھ کہتا اُس نے

اچانک اپنے پنجے اتنی شدت سے میرے سر میں چبھوئے کہ میں کلدیپ کی لاش کے ساتھ ہی لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا.....؟ میں کتنے عرصے بے ہوش رہا.....؟ اور اب..... جین مجھے زندگی کی طرف واپس گھسیٹنے کی خاطر بمبئی کے فٹ پاتھ سے اُٹھا کر لندن لے آئی تھی۔

کلدیپ کی جدائی کا منظر میرے ذہن میں کلبلایا تو میرا دل بھر آیا۔ میں نے دل میں سوچا۔ ''جمیل احمد خاں، تم کیوں اپنے ساتھ ساتھ جین کو بھی فریب دے رہے ہو؟ جب تمہیں زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا تو پھر لندن کے ہسپتال میں پڑے اپنا وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟ کیا تم کلدیپ کو بھول سکو گے؟ نرگس کو فراموش کر سکو گے؟ کس کی خاطر زندگی کی آرزو میں مبتلا ہو؟ جب تمام ہنگاموں سے منہ موڑ لیا تو پھر بستر استراحت پر پڑے کیا سوچ رہے ہو؟ اُٹھو اور اس سے پیشتر کہ جین تمہارا ارادہ بھانپ سکے، کمرے کی کھڑکی کھول کر اپنے وجود کو آنکھ بند کر کے نیچے گرا دو۔ سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ تم بھی موت کی ابدی نیند سو جاؤ گے، دوسروں کی زندگی میں بھی کوئی ہلچل بپا نہیں ہو گی۔ آخر کار تمہارا یہی انجام ہونا ہے۔ پھر انتظار کس بات کا.....؟ وقت کیوں ضائع کر رہے ہو؟ بار بار مرنے سے بہتر ہے کہ ایک ہی بار اپنا قصہ پاک کر دو۔ بے مقصد کہانی کو طول دینے سے حاصل بھی کیا ہو گا.....؟''

میرے اندر اضطراب کی لہروں نے طغیانی کی شکل اختیار کی۔ میں نے اپنے ارادے کو تکمیل دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ جین میرے لئے جو کچھ کر چکی تھی وہی بہت تھا۔ اُس کو مزید پریشان کرنا مناسب نہیں تھا۔ میری موت کے بعد وہ ضرور تڑپے گی۔ خواب چکنا چور ہو جائیں تو درد کی شدت کی لہریں ضرور سر اُبھارتی ہیں۔ لیکن وقت ہر زخم کے لئے مرہم بن جاتا ہے۔ کوئی زندگی بھر کسی کی خاطر آنسو نہیں بہاتا۔ جین کو بھی کچھ دنوں بعد سکون آ جائے گا۔ وہ زندہ رہنے کی خاطر مجھ سے بہتر کوئی سہارا تلاش کر لے گی۔

میں نے پلکوں کے درمیان ہلکی سی جھری کر کے دیکھا، جین ایک کھڑکی کے قریب سوگوار سی کھڑی اپنے خیالوں میں غرق تھی۔ میں نے آہستہ سے اُٹھنے کی کوشش کی تو ایک کھنکھناتی ہوئی ٹھوس آواز نے مجھے چونکا دیا، میں نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر آواز کی سمت

دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ ہڈیوں کا وہ لڑکھڑاتا ہوا استخوانی پنجر جس کے جسم پر برائے نام گوشت تھا پریتم لال کے سوا کسی اور کا نہیں تھا۔ میرے بستر کے قریب بمشکل دو گز کے فاصلے پر کھڑا وہ مجھے بڑی گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں اس وقت بھی وہی پہلے جیسا جلال موجود تھا۔ پریتم لال کو سامنے دیکھ کر مجھے جھرجھری آ گئی۔ وہ مہان شکتی کا مالک تھا۔ نہ ہوتا تو کلدیپ اُس کے استھان پر اپنی جوانی نہ بتا دیتی۔ انکا بھی اُسے دیکھ کر دم سادھ لیتی تھی.....!

مجھے یاد آیا، پریتم لال میسور کی پہاڑی پر عین اُس وقت میرے سامنے آ گیا تھا جب میں مالا رانی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔ وہ مجھے میری گستاخی کی کوئی عبرتناک سزا دینا چاہتا تھا جب کلدیپ درمیان میں آ گئی..... وہ جھولی پھیلائے پریتم لال سے میری زندگی کی بھیک مانگنے لگی۔ پریتم لال یقیناً اتنی مہان شکتیوں کا مالک تھا کہ انکا بھی اُسے دیکھ کر سہم گئی تھی۔ انکا کے کہنے پر میں نے بھی پریتم لال کے پیر پکڑ لئے۔ انکا بھی میری خاطر منت سماجت کرنے لگی، کلدیپ ہاتھ باندھے التجا کرتی رہی۔ پریتم لال نے مجھے سخت سزا دینے کے بعد معاف کر دیا، پھر وہ رفتہ رفتہ مجھ پر مہربان ہونے لگا۔ مرنے سے پیشتر اس مہان پجاری نے مالا رانی کی ذمہ داری مجھے سونپ دی۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے مجھے کھانے کے لئے کھریا مٹی دی جس پر اُس نے کئی جنتر منتر پڑھ کر پھونکے تھے۔ اُس نے کہا تھا..... ''اس مٹی کو کھانے کے بعد تمہارے شریر میں ایک نئی شکتی پیدا ہو گی۔ تم اتنے بلوان ہو جاؤ گے کہ گندی بلائیں تمہارے قریب پھٹکنے کی ہمت نہیں کر سکیں گی، چھوٹے موٹے پنڈت پجاری تمہیں دُور ہی سے دیکھ کر کترا جائیں گے۔ تم اُجلے اور سچے من سے میرا نام لے کر جو چاہو گے وہ اوشِ پورا ہو گا پر تو ایک بات گرہ سے باندھ لو۔ مالا رانی کو کبھی کوئی دُکھ نہ دینا اور پاپ کے کاموں میں میری دان کی ہوئی شکتی کو کام میں نہ لانا۔''

پریتم لال کی موت میری اور کلدیپ کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے اُس کا کریا کرم کرنا پڑا تھا۔ اُس کی چتا کی راکھ کو بھی میں نے ہی دریا برد کیا تھا..... اس وقت وہی پریتم لال میرے سامنے کھڑا مجھے بڑی گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔

''مہاراج..... تم.....؟'' میری آواز لڑکھڑانے لگی۔

''تن کی آنکھیں بند کر لے.....'' پریتم لال نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''من کے دوار کھول

کر دیکھ۔''

''میں..... میں کوئی سپنا تو نہیں دیکھ رہا؟''

''اب تیرے سپنے دیکھنے کی عمر بیت گئی مورکھ، جیون کی ڈور کو پوری مضبوطی سے تھام لے۔''

''میری کلدیپ چلی گئی مہاراج.....'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''اُس کے بنا جینے کو من نہیں کرتا۔''

''کلدیپ.....'' پریتم لال ایک لمحہ کو آزردہ ہو گیا۔ ''کلدیپ مر کر امر ہو گئی بالک۔ تیرے لئے اس کا پیار سچا تھا۔ اُس نے تجھے دیوتا جان کر تن من دھن سے تیرے کارن اپنا سارا جیون دان کر دیا۔ اب اسے بھول جا، یاد کرے گا تو اُس ابھاگن کی آتما کو بھی چین نہیں آئے گا۔ تجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔'' پریتم لال کے لہجے میں پھر کرختگی آ گئی۔ ''جو کام کلدیپ ادھورے چھوڑ گئی وہ تجھے پورے کرنے ہیں۔''

''میں اُس کے بنا ادھورا رہ گیا ہوں.....''

میرا جواب سن کر پریتم لال نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ اُس کی آنکھوں میں سرخی اُتر آئی۔ شاید میری بات سے اُسے دُکھ پہنچا تھا، میں جانتا تھا کلدیپ کا نام میری زبان سے بار بار سن کر اُس کے من میں بہت سارے وچار کلبلانے لگے ہوں گے۔ اس مہان پجاری نے کچھ سوچ کر ہی اپنا پوتر استھان کلدیپ کے حوالے کیا تھا۔ اُس کی دُور بین نظروں نے کلدیپ کے دل میں جھانک کر دیکھ لیا ہو گا کہ اس کے من میں دیوی دیوتاؤں اور دھرم کا سودا سما گیا تھا۔ میرے لئے کلدیپ کا پریم سچا تھا اس میں کوئی کھوٹ نہیں تھا اور پیار سچا ہو تو انسان آسمان کی بلندیوں کو بھی چھو سکتا ہے۔

کلدیپ کہتی تھی کہ امرلال کالی کا سب سے مہان سیوک ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر اُس کے دل میں میری چاہت نہ ہوتی تو پریتم لال کا ہاتھ تھام لینے کے بعد وہ امرلال سے زیادہ مہان شکتیوں کی مالک بن سکتی تھی۔ میرے پیار نے اُسے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ وہ آنکھ بند کر کے صرف دیوی دیوتاؤں کو من میں بسا لیتی تو سب سے بلند مقام کو چھو لیتی۔ پریتم لال نے ایک موقع پر کہا تھا کہ کلدیپ کو پاربتی نے پسند کر لیا ہے، وشنو مہاراج نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ سنسار میں بڑا نام پیدا کر سکتی تھی، ہندوستان

کے بڑے بڑے پنڈت پجاری اُس کی کٹیا کو سلام کرنا بھی اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتے لیکن کلدیپ نے اپنے من مندر میں بھگوان کی جگہ میری مورتی سجا لی تھی۔

''اب اُس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دے مورکھ۔'' پریتم لال مجھے گھورتا ہوا بولا۔ ''میں نے کہا نا کہ اُس کی آتما بے چین ہو جائے گی۔''

''میرا ایک کام کر دو مہاراج.....'' میں مجسم التجا بن گیا۔ ''مجھ سے میرا حافظہ چھین لو۔ کچھ ایسا پڑھ کر پھونک دو کہ میں اپنا ماضی، اپنا حال، اپنا مستقبل سب کچھ بھول جاؤں۔ میں جانتا ہوں تم مہان قوتوں کے مالک ہو، تمہارے حکم پر انکا بھی اس وقت میرا خون پینے پر مجبور ہو گئی تھی جب میں مالا رانی کی طرف سے من میں برا خیال لایا تھا۔'' میں نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''مجھے نراش مت کرنا مہاراج، تمہاری شکتی اپرم پار ہے۔ مجھ سے میری یادداشت چھین لو۔ بڑی کرپا ہو گی۔''

''اور اس سندری کو کس کے سہارے چھوڑے گا جو تیرے پیار کو من میں بسائے سپنے دیکھ رہی ہے؟'' پریتم لال کا اشارہ جین کی طرف تھا۔ میں نے بے اختیار جین کی طرف دیکھا تو میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ کسی بے جان مجسمے کی طرح اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑی تھی۔ اُس کی پلکوں نے جھپکنا بند کر دیا تھا۔ پتھر کے بت کی مانند ایک ہی جگہ ایستادہ ہو کر رہ گئی تھی۔

''اسے..... اسے کیا ہو گیا مہاراج؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''میں نے اس کے من کو کچھ دیر کے لئے شانت کر دیا ہے۔'' پریتم لال نے لاپرواہی سے کہا پھر یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ ''میری بات دھیان سے سن۔ تیرے بھاگیہ میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ اوش پورا ہو گا۔ یہ اور بات ہے کہ تو اپنے من کو مار لے۔ خود کو چٹان بنا لے، پتھر کی اتنی ٹھوس اور سخت مورتی بن جا جس پر آندھی، برکھا اور سرد و گرم کا بس نہیں چلتا۔ پر نتو میری نظریں تیرے بھوش کو ٹٹول چکی ہیں۔ تو دھرم کے کارن کوئی بلیدان نہیں دے سکتا۔ جل کے اوپر ہی اوپر تیرتا رہے گا۔ جل کی تہہ میں غوطہ نہیں لگا سکے گا لیکن جو کام آدھے رہ گئے ہیں وہ تجھے پورے کرنے ہوں گے۔ کلدیپ کی بھی یہی آشا تھی، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ لیکن اس کام کے لئے بھی تجھے بڑے پاپڑ بیلنے ہوں گے۔ بڑا کشٹ اُٹھانا پڑے گا۔''

''میں نہیں سمجھ سکا مہاراج کہ تم کن کاموں کی طرف اشارہ کر رہے ہو؟'' میں نے

وضاحت چاہی۔

''سمے کا انتظار کر۔'' اُس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''دھیرج سے کام لے، آہستہ آہستہ سب کچھ تیری سمجھ میں آجائے گا۔''

''تم شاید مجھے ٹال رہے ہو؟'' میری اضطرابی کیفیت دوچند ہوگئی۔ ''مجھے بتاؤ مہاراج، کلدیپ مجھ سے کیا چاہتی تھی؟ تم کوئی آگیا دو۔ میں تمہارے کسی حکم سے سرتابی نہیں کروں گا۔ تم گواہ ہو، میں نے اُس وقت بھی گھٹنے نہیں ٹیکے جب آدھے ہندوستان کے پنڈت پجاری اور بڑے بڑے گیانی دھیانی گٹھ جوڑ کر کے زمین سے میرے قدم اُکھاڑنے کی خاطر زور لگا رہے تھے۔ تم تو میرے محسن ہو۔ میں تمہارا کوئی حکم ماننے سے انکار نہیں کروں گا۔ مجھے بتاؤ مہاراج، مجھے کون سے ادھورے کام پورے کرنے ہوں گے۔''

''ہندوستان کے کچھ پنڈت پجاری پھر سر جوڑ کر تیرے بارے میں سوچ بچار کر رہے ہیں۔'' پریتم لال نے سپاٹ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''پنڈت بدری نرائن کے چیلوں نے ابھی تک اُس کی چتا کی راکھ پیتل کی لٹیا میں بہت سنبھال کر رکھی ہے۔ اُسے گنگا میں نہیں بہایا۔ اُنہوں نے سوگند اُٹھائی ہے کہ تیرا کریا کرم کرنے کے بعد ہی وہ اس پوتر راکھ کو تبت کی کسی بلند چوٹی پر بکھیریں گے۔ کالی کے مہان پجاری امرلال کا ایک ہی بالک تھا..... چندرا۔ اُس نے کالی کے پوتر چرنوں میں بیٹھ کر اپنے خون سے ماتھے پر تلک لگا کر قسم کھائی ہے کہ وہ جب تک تجھے نشٹ نہیں کر دے گا کسی ناری کے شریر کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ جب سے امرلال ترلوک سدھارا ہے وہ وندھیا چل کی پہاڑی کی ایک گپھا میں دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ ابھی وہ کیول اٹھارہ اُنیس سال کا گبرو جوان ہے۔ اُسے اپنا گیان دھیان پورا کرنے میں سمے لگے گا۔ امرلال جیسی شکتی پراپت کرنا بالکوں کا کھیل نہیں۔ لیکن سانپ کا بچہ سنپولیا ہی کہلاتا ہے۔''

''مہاراج.....'' میں نے زہرخند سے کہا۔ ''پہلے نرگس گئی، پھر مالا رانی گئی۔ ایک ایک کر کے جانے کتنے سہارے چھوٹ گئے، کتنے رشتے ناتوں نے منہ موڑ لیا۔ جب نئے سرے سے دنیا بسانے کی آرزو کی تو میری کلدیپ کو کالی کا دیا ہوا وچن چاٹ گیا۔ میں تو دنیا سے منہ موڑ چکا ہوں، میری جھولی خالی ہو چکی ہے۔ اب میرے دشمن مجھ سے کیا انتقام لیں گے۔ جو مر چکا ہو اُسے کیا ماریں گے؟''

''نراش مت ہو بالک، میں جو تیرے ساتھ ہوں.....'' پریتم لال نے آگے بڑھ کر اپنا استخوانی ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ایک برقی رو میرے جسم میں دوڑ گئی ہو۔ میرے جسم کی کھوئی ہوئی ساری توانائیاں پلک جھپکتے میں بحال ہوگئیں۔ میری رگوں میں دوڑتے خون میں ایک نیا جوش، نیا ولولہ پیدا ہوگیا۔ میری عمر جیسے کئی سال گھٹ گئی ہو۔ میں پھر سے خود کو جوان محسوس کرنے لگا۔

''مہاراج.....'' میری آنکھیں چھلک اُٹھیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں بڑی عقیدت سے بولا۔ ''تمہارا ہاتھ سر پر رہا، تمہارا آشیر باد حاصل رہا تو میں اپنے دشمنوں کو کبھی سکون کی نیند نہیں لینے دوں گا۔''

''ابھی وہ سمے آنے میں دیر ہے بالک.....'' پریتم لال نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ابھی موج میلہ کر، زیادہ سوچ وچار مت کر۔ کیول ایک بات گرہ سے باندھ لے۔''

''تم حکم دو مہاراج.....''

''کبھی لگن منڈپ سجانے کا وچار من میں نہ لانا ورنہ کلدیپ کی آتما.....'' پریتم لال کا استخوانی پنجر کھڑکھڑانے لگا۔ اُس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ میرے اُوپر اُس کی مہان شکتی کا ایک اور بھید کھلا۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے سب کچھ دیکھتا رہا، پریتم لال کی بوڑھی آنکھوں سے ڈھلکنے والے آنسو زمین پر گرنے سے پہلے ہی غائب ہو جاتے تھے۔ وہ مہان شکتی کا مالک تھا۔ انکا بھی اُسے دیکھ کر سہم جاتی تھی لیکن اس وقت پریتم لال، کلدیپ کی یاد میں بے حد مضطرب نظر آرہا تھا۔

''میں وچن دیتا ہوں مہاراج.....'' میں نے اُسے یقین دلایا۔ ''کلدیپ کی جگہ میرے دل میں ہمیشہ خالی رہے گی، اُس کی مانگ کا سیندور میری زندگی کی امانت ہے۔ میں اس امانت کو ہمیشہ سنبھال کر رکھوں گا۔''

''مجھے وشواس تھا کہ تو یہی کہے گا۔'' پریتم لال نے سرد آہ بھر کر کہا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''آج وہ سندری نظر نہیں آرہی؟''

''تم کس کی بات کر رہے ہو.....؟''

''وہی بالشت بھر کی فتنہ، آفت کی پڑیا جو تیرے سر پر بیٹھی اتراتی رہتی تھی۔''

''اوہ، تم شاید انکارانی کی بات کر رہے ہو۔'' میں نے دل گرفتہ لہجے میں جواب دیا۔

''کلدیپ کے بعد میں جیون کے سارے بندھن توڑ دینا چاہتا تھا، میں نے انکا کو بھی رخصت کر دیا۔ وہ ہوتی ہے تو نئے نئے ہنگامے جنم لیتے رہتے ہیں۔ اب میں ہنگاموں سے اُکتا گیا ہوں۔''

''ہنگامے تو جیون کی پہچان ہیں مورکھ۔'' پریتم لال نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اُسے واپس بلا لے۔ وہ پاس ہوگی تو تیرا من بہلاتی رہے گی، میں جانتا ہوں وہ تیرے بنا بڑی اُداس اُداس رہتی ہے۔''

''تم نہیں جانتے مہاراج، وہ جس کی غلام بن جاتی ہے اُسی کے گن گاتی ہے۔ اُس کی آنکھیں بدل جاتی ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اُسی نے مجھے ایک ہاتھ سے محروم کر دیا تھا۔ وہ آتی جاتی چھاؤں ہے، کبھی کسی ایک کی ہو کر نہیں رہ سکتی۔''

''پر تو یہ کیوں بھول رہا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے تیرے سر پر آئی تھی۔ تو نے اُس کے کارن کسی منڈل میں بیٹھ کر کوئی جنتر منتر بھی نہیں کیا۔'' پریتم لال نے مجھے یاد دلایا۔ پھر میرے کٹے ہوئے ہاتھ کی سمت دیکھ کر کہا۔ ''تو اس ہاتھ کا علاج کرا لے۔''

''تم کہتے ہو تو کرا لوں گا۔ لیکن مصنوعی ہاتھ صرف میرے شریر کی شوبھا بڑھا سکتا ہے۔ میرے کسی کام نہیں آسکے گا۔''

''زیادہ دُور کی نہ سوچا کر۔'' پریتم لال کی کشادہ پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ ''گرو کی آگیا کا پالن کرنے کی عادت ڈال لے، اپنی شکتی پر مان کرنا چھوڑ دے۔ کیول اتنا ہی اُونچا اُڑا کر جہاں تک تیری پہنچ ہے۔''

''مہاراج، تمہاری شکتی اپرم پار ہے، تم.....''

''کلدیپ کی سوگند اُٹھا کر مجھے وچن دے کہ پھر کبھی تو اپنے پاپی من میں جیو ہتیا کرنے کا دھیان نہیں آنے دے گا۔'' پریتم لال نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا، اُس کی نگاہوں کی تپش مجھے اپنے جسم میں تحلیل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

''میں..... میں وچن دیتا ہوں.....'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ پریتم لال کی آمد بے سبب نہیں تھی۔ میں اس مہان پجاری کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''اب بستر چھوڑ دے، بہت دن ستا لیا۔'' پریتم لال نے ایک لمحے بعد سرسراتے لہجے میں کہا تو میں غیر اختیاری طور پر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے جسم کی

ساری توانائی یکلخت بحال ہوگئی ہو، میں اس وقت بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا جیسے میرے سر سے دنیا جہان کا بوجھ اُتر گیا ہو۔ وہ یقیناً پریتم لال کی ساحرانہ نظروں کا کرشمہ تھا جس نے میرے جسم میں زندگی کی نئی لہر پھونک دی تھی۔

''مہاراج.....'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ ''کیا میں ہندوستان واپس چلا جاؤں؟''

''ابھی سمے نہیں آیا..... جب آئے گا تو وہ بالشت بھر کی سندری تجھے سب بتا دے گی۔ میں اُسے ساتھ ہی لایا ہوں، تیرے بنا وہ بڑی اُداس اُداس رہنے لگی تھی۔'' پریتم لال مسکراتے مسکراتے یکلخت سنجیدہ ہوگیا، اُس نے نظر گھما کر سیّد مجذوب کی لاٹھی کو بہت غور سے دیکھا، بدری نرائن اور امر لال کی موت کے بعد بھی میں نے اس لاٹھی کو ایک لمحے کو بھی خود سے جدا نہیں کیا تھا، پریتم لال اسی لاٹھی کو ٹکٹکی باندھے پوری توجہ سے دیکھ رہا تھا، اُس کی پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا تھا۔ اُس کی دُور رس نگاہوں میں ایک عجیب سا تجسّس نظر آرہا تھا۔ کبھی اُس کی کشادہ پیشانی پر آڑی ترچھی لکیروں کے جال پھیل جاتے، کبھی وہ آنکھیں بند کر کے اپنے خیالوں میں مستغرق ہو جاتا، کبھی بے چینی کے عالم میں ہونٹ چبانے لگتا۔ میں اُس کی ایک ایک کیفیت کا جائزہ لے رہا تھا۔ پریتم لال تا دیر مختلف زاویوں سے سیّد مجذوب کی لاٹھی کو پرکھتا رہا، پھر مجھے دیکھ کر بولا۔

''تو قسمت کا دھنی ہے بالک جو یہ لاٹھی تیرے ہاتھ آگئی۔ پر نتو تو پوری طرح نہیں جانتا کہ اس پوتر لاٹھی کے اندر شکتی کے کیسے کیسے انمول چمتکار چھپے ہوئے ہیں۔ میں جیوت ہوتا تو اسے حاصل کرنے کے کارن اپنے ہزاروں جیون بھینٹ چڑھا دیتا۔''

''مہاراج.....'' میرا تجسّس بڑھنے لگا۔ ''تم کیا جانتے ہو اس لاٹھی کے بارے میں؟''

''میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جسے کھوجنے کے لئے منش اپنا پورا جیون بلیدان کر سکتا ہے۔ پر نتو میں تجھے کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''تم مجھے نراش کر رہے ہو مہاراج.....'' میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔ ''مجھے بتاؤ کہ اس لاٹھی میں.....''

''نہیں بالک، نہیں.....'' پریتم لال نے ہاتھ اُٹھا کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''مجھے مجبور نہ کر، میں اس پوتر لاٹھی کے بارے میں اپنی زبان نہیں کھول سکتا..... کیول اتنا سمجھ لے کہ اگر میں اپنی تمام شکتیاں دان کر کے بھی اس لاٹھی کو حاصل کر سکتا تو یہ سودا میرے لئے بہت

سستا ہوتا، اسے بہت سنبھال کر رکھنا، اسے حکومت دینا.....اب مجھے آگیا دے۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے.....؟" میں نے بڑی عقیدت سے پوچھا۔

"ابھی موج میلہ کر۔ ساتھ ساتھ ڈنڈ بیٹھک بھی کرتا رہ، سادھو جگدیو، کمپالا اور نندا نے تجھے جو شکتیاں دان کی تھیں اُسے بھول مت جانا، شاکیہ منی کو من میں بسائے رکھ.....آج کی محنت کل تیرے کام آئے گی۔" پریتم لال نے آگے بڑھ کر میرے سر پر دوبارہ ہاتھ پھیرا، پھر وہ یکلخت نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ میں بستر پر بیٹھا پریتم لال کے آنے کی وجہ سوچ رہا تھا کہ جین دیوانہ وار دوڑتی ہوئی قریب آئی، بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ شاید پریتم لال کے جاتے ہی وہ سحر بھی ٹوٹ گیا تھا جس نے جین کو وقتی طور پر پتھر کے مجسمے میں تبدیل کر دیا تھا۔

"اوہ، دولت علی..... مجھے یقین تھا، مقدّس مریم کی پاکیزگی کی قسم، میں جانتی تھی، میرا دل گواہی دیتا تھا کہ تم کسی دن اچانک اپنی کھوئی ہوئی توانائی حاصل کر کے سب کو حیران کر دو گے۔" وہ میرے چہرے کو اپنی نازک ہتھیلیوں پر رکھ کر بڑی مسرت سے چیخی۔ "تم بالکل ویسے ہی چاق و چوبند اور تندرست و توانا نظر آرہے ہو جیسا میں نے تمہیں پہلی بار امرائے لندن کے کلب میں دیکھا تھا۔ حیرت انگیز.....تم حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو، مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا۔ سچ بتاؤ دولت علی کہ اس وقت تم کیا محسوس کر رہے ہو.....؟"

"میں....." میں نے جین کے نازک وجود کو پوری طرح اپنے اندر سموتے ہوئے سرگوشی کی۔ "میں اس وقت خود کو لندن کا سب سے خوش قسمت آدمی تصور کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ لندن کی خوبصورت ترین حسینہ، میری جین، میری محبوبہ میری آغوش میں ہے۔"

"تم بالکل ٹھیک ہو گئے ہو.....اوہ میرے خدا۔" جین خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ اُس کی غزالی آنکھیں کسی ہرنی کی مانند بار بار میرے وجود پر پھسل رہی تھیں۔ وہ بڑے جذباتی انداز میں کہہ رہی تھی۔ "میں تمہاری رُوحانی قوتوں اور حیرت انگیز صلاحیتوں کی پہلے ہی سے معترف ہوں۔ لیکن آج.....آج مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا۔ بمبئی کی فٹ پاتھ پر جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو میرا کلیجہ پھٹنے لگا تھا، میں نے طے کر لیا تھا کہ اگر تمہیں کچھ ہوا تو میں بھی جان دے دُوں گی۔ مگر آج.....آج تم نے پھر مجھے حیران کر دیا، مجھے یقین دلا دو دولت علی۔ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟"

میں نے اس موم کی حسین ساحرہ کو یقین دلانے کی خاطر اُس کے خوبصورت وجود کو پوری شدت سے بھینچا تو اُس کی چیخ نکل گئی۔ ایک نرس چیخ سن کر تیزی سے کمرے میں آئی تو جین اپنا بے ترتیب لباس سمیٹتی جلدی سے مجھ سے علیحدہ ہوگئی۔ نرس مجھے تندرست و توانا دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد اُس نے جو جذباتی منظر دیکھا شاید اس میں نرس کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں تھی، وہ جین کی بجائے مجھے تعجب خیز نظروں سے گھور رہی تھی جب جین کی خوشی میں ڈوبی ہوئی آواز اُبھری۔

"سسٹر، ڈاکٹر برنارڈ کو بلاؤ، جلدی، میں چاہتی ہوں کہ ڈاکٹر بھی آکر اس بات کی تصدیق کر دے کہ دولت علی حیرت انگیز طور پر روبصحت ہوگیا ہے، میں اسے آج ہی ہسپتال سے گھر لے جانا چاہتی ہوں۔"

نرس اُلٹے قدموں واپس چلی گئی۔ اُس کے چہرے پر بھی خوشگوار حیرت نظر آرہی تھی۔

"جین....." میں نے نرس کے جانے کے بعد کہا۔ "جہاں تم نے مجھ پر اتنے احسانات کئے ہیں، وہاں ایک احسان اور کر دو۔"

"اس انداز میں بات مت کرو دولت علی....." اُس نے بڑی گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ "تم نے کہا تھا کہ تمہیں اپنی زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا، میں نے منت کی تھی کہ اپنی زندگی کو میری جھولی میں ڈال دو۔ میں احسان مند ہوں کہ تم نے میری درخواست رد نہیں کی۔ مجھے غیر مت سمجھو۔ میں تمہاری داسی ہوں، تمہاری ملازمہ ہوں، تمہارے قدموں کی دُھول ہوں۔ احسان کی بات مت کرو، مجھے حکم دو، میں تمہارے ہر حکم کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھوں گی.....وکٹوریہ کراس سے بھی بڑا اعزاز۔"

"میں اپنے جسم کی اس بدنمائی کو دُور کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کیا مشکل ہے؟" جین نے بڑی سادگی سے کہا۔ "پلاسٹک سرجری نے تو اب بہت ترقی کر لی ہے۔ میں ابھی ڈاکٹر برنارڈ سے بات کروں گی۔"

کچھ دیر بعد ڈاکٹر برنارڈ نرس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو مجھے ہشاش بشاش دیکھ کر اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا۔ اُس نے میرا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد جین کو میری تندرستی کا یقین دلا دیا۔

''اب آپ اگر چاہیں تو مسٹر دولت علی کو گھر لے جا سکتی ہیں۔''

''گھر جانے سے پیشتر میں چاہوں گا کہ میرے کٹے ہوئے ہاتھ کی جگہ مصنوعی ہاتھ بھی لگا دیا جائے۔'' میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

''ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر برنارڈ نے مسکرا کر کہا۔ ''میں آج ہی کسی سرجن سے بات کر کے اپائمنٹ لئے لیتا ہوں۔''

ڈاکٹر برنارڈ اور نرس کے جانے کے بعد میں بستر سے اُتر کر نیچے آ گیا۔ جین کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اُس کا چہرہ کندن کی طرح دمک رہا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اُسے سینے سے لگا لیا، وہ کسمسانے لگی۔ حیا کی سرخی سے اُس کا پنڈا سرخ ہو گیا۔ میں جانتا تھا وہ لندن کی عام لڑکیوں سے مختلف تھی لیکن اس وقت مجھے اپنے دل پر اختیار نہیں رہا، میں نے اپنے جلتے ہوئے ہونٹوں سے اُس کے ہونٹوں پر محبت کی مہر ثبت کی تو وہ تڑپ کر میری بانہوں سے نکل گئی، کسی سہمی ہوئی ہرنی کی مانند اُس کی سانسیں بہکنے لگیں۔ وہ پاکباز ہونے کے باوجود گوشت پوشت کی ایک عورت ہی تھی۔ میں نے اُس کے اندر چھپی ہوئی دوشیزگی کو آواز دی تو اُس کے جذبات میں یقیناً ہلچل مچی ہو گی۔ میرے لمس کی گرمی سے اُس کی اُمنگوں میں بھی طغیانی ضرور آئی ہو گی۔ میرے قریب ہی کھڑی وہ مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ان نظروں میں پیار تھا، اپنائیت تھی اور ایک سہمی سہمی سی درخواست بھی تھی۔ میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر اُس کی کلائی تھام کر دوبارہ اپنی سمت گھسیٹا۔ وہ شرماتی لجاتی میرے قریب آ گئی۔ اُس نے اپنا سر میرے سینے پر ٹکا دیا۔ میں نے سیدھے ہاتھ سے اُس کا چہرہ اُوپر اُٹھایا۔ اُس نے میری آنکھوں میں تشنہ ارمانوں کی طغیانی دیکھی تو شرما کر پلکیں جھکا لیں۔ مجھ پر بے خودی طاری ہونے لگی۔ میں نے اُس کے یاقوتی ہونٹوں پر پھر ہونٹ رکھ دیئے۔ میرے لبوں کی چاشنی اُس کے وجود میں گھلنے لگی۔ اُس کے اندر کا آتش فشاں متحرک ہونے لگا، وہ کمزور پڑنے لگی۔ میں چاہتا تو اُس کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا لیتا۔ لیکن میں نے اُسے چھوڑ دیا، وہ حیرت سے مجھے تکنے لگی۔ اُس کی خمار آلود نگاہوں میں مستی کے ساغر چھلک رہے تھے۔

''جین.....'' میں نے اُسے مدھم سروں میں آواز دی۔

''کہو دولت علی۔'' اُس کی آواز مندر کی نقرئی گھنٹیوں کی طرح میرے کانوں میں گونجی۔

''تمہاری جین تمہارے پاس ہی ہے۔''

''میں نے ایک بار تم سے کہا تھا کہ میری خواہش کی تکمیل میں تمہاری آمادگی بھی شرط ہو گی..... یاد ہے تمہیں؟''

''ہاں.....'' اُس نے نظریں جھکا کر کہا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اُس کے سینے میں طوفان کی شدتیں اُمنڈ رہی تھیں، اُس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اُس کا پورا وجود مہک رہا تھا۔

''تم نے اُس وقت مجھ سے سوچنے کی مہلت طلب کی تھی۔'' میں نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ریت کے ٹیلے پر بڑی مشکل سے قدم جمائے کھڑی تھی۔

''ہاں دولت علی.....'' اُس نے حیا بار پلکیں اُٹھا کر مجھے غور سے دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں تارے جھلملا رہے تھے، خواب مچل رہے تھے، آرزوؤں اور اُمنگوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اُس نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ ''مجھے یاد ہے۔''

''میں نے درخواست کی تھی کہ میرے بارے میں مفاہمت کے انداز میں کوئی فیصلہ کرنا۔'' میں نے جان بوجھ کر بات کو طول دینے کی کوشش کی۔ ''میں آج تمہارا فیصلہ سننے کا منتظر ہوں۔''

''مم..... میں نے..... فیصلہ کر لیا تھا۔'' اُس نے مجھے بڑی گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنائیت کا انداز اختیار کیا۔ اُس کی مخمور نگاہوں میں محبت کے جام چھلک اُٹھے۔ اُس کے پورے وجود میں جیسے نشہ سا اُتر گیا ہو۔ ''اگر میں نے تمہارے حق میں فیصلہ نہ کیا ہوتا تو تمہاری تلاش کی خاطر ہندوستان کبھی نہ جاتی۔''

''جین.....'' میں نے اُس کے ہاتھوں کو محبت سے سہلاتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے میرے متعلق فیصلہ کرنے میں کوئی جلد بازی تو نہیں کی؟''

''کیا تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں.....؟'' اُس کی دراز پلکوں پر شبنمی قطروں کی نمی آ گئی۔ اُس کا انداز والہانہ تھا۔

''یقین نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ لندن بھی نہ آتا۔''

''پھر.....؟'' اُس نے لڑکھڑاتی آواز میں سوال کیا۔ ''تم میری زبان سے کیا سننا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ تم نے میرے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے، سوچ سمجھ کر کیا ہے۔'' میں نے اُس کے وجود میں سر اُبھارتے طوفانوں کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ ''کہیں ایسا نہ ہو کہ کل تمہیں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنی پڑے۔''

جین نے کوئی جواب نہیں دیا، اُس کی نگاہوں میں جذبات کی طغیانی اُبھری پھر وہ بجلی کی طرح لپک کر میرے سینے سے چمٹ گئی۔ میں نے اپنی بانہوں کا حلقہ ذرا تنگ کیا تو وہ موم کی طرح میرے جسم کی حدت سے پگھلنے لگی۔ بڑی دیر تک ہم دل کی دھڑکنوں کی زبانی ایک دوسرے سے سوال جواب کرتے رہے۔ وہ پوری طرح میری محبت کے سحر میں اسیر ہو چکی تھی۔ اُس کی خود سپردگی کا انداز مجھے دیوانہ کر رہا تھا۔ میرے ذہن سے ماضی کی تمام تلخیاں محو ہو گئیں۔ بڑے طویل عرصے کے بعد میرے اندر کا سویا ہوا انسان بیدار ہونے کے لئے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے اندر ضم ہو جانے کے لئے مضطرب تھے۔ جین کی دوشیزگی کے سمندر کی بپھری ہوئی طوفانی موجیں مجھے بے حال کر رہی تھیں جب ایک مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''ایسی بھی کیا جلدی ہے جمیل صاحب۔ کوئی دوسری نرس یا ڈاکٹر آ گیا تو تمہاری جین کو پھر شرمندگی سے دوچار ہونا پڑے گا۔''

میں اس آواز کو سن کر چونکا۔ اسی لمحے مجھے اپنے سر پر انکا کی موجودگی کا احساس ہوا، مجھے یاد آیا، پریتم لال نے کہا تھا کہ وہ انکا کو اپنے ساتھ لایا ہے۔ میں نے عالم تصور میں سر پر نگاہ ڈالی، انکا رانی پنجوں کے بل کھڑی دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے مستی کے عالم میں تھرک رہی تھی، دیوانہ وار ناچ رہی تھی، پریتم لال کی شہ پا کر میرے سر پر دوبارہ تسلط جمانے کی خوشی میں اپنی وارفتگی کا اظہار کر رہی تھی۔ انکا کی مسرتوں کے اظہار کا وہ منظر دیدنی تھا.....!!

ہسپتال سے رخصت ہونے کے بعد میں دو ماہ تک جین کے اُس فارم ہاؤس تک محدود رہا جو اُسے سیکرٹ سروس میں اعلیٰ کارکردگی اور بے مثال خدمات کے عوض حکومت کی طرف سے بطور انعام دیا گیا تھا۔ یہ علاقہ شہر کے ہنگاموں سے دُور اور پُرسکون تھا۔ تین کمروں پر مشتمل اس فارم ہاؤس میں میرے لئے دنیا کی تمام آسائشیں موجود تھیں۔ شاید جین نے مجھے وہاں لانے سے پیشتر خاصی فضول خرچی سے کام لیا تھا۔ در و دیوار پر نیا رنگ و روغن اور قیمتی آرائشی ساز و سامان دیکھ کر ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ جین نے میرے خاطر خواہ استقبال کے اہتمام میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ فارم ہاؤس کے اندر رہائشی کمروں کے عقبی سمت ایک سوئمنگ پول بھی تھا۔ مکان کے مشرقی گوشے والے کمرے میں جین کی بوڑھی ماں رہتی تھی، وہ مفلوج ہونے کے باوجود وہیل چیئر پر بیٹھی باغبانی میں مصروف رہتی۔ جین نے ماں کی دیکھ بھال کے لئے ایک خوبصورت ملازمہ رکھ چھوڑی تھی جو ہر طرح اُس کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ گھر کے دوسرے کام کاج میں جین کا ہاتھ بھی بٹاتی تھی وہ صبح ہی صبح آ جاتی اور سورج غروب ہونے کے ایک گھنٹے بعد واپس چلی جاتی۔ اُس کا نام ماریا تھا۔ جین نے مجھے ماریا کے بارے میں بتایا تھا کہ تین سال قبل اس نے مورگن نامی ایک نوجوان سے شادی کی تھی لیکن شادی کے صرف سات ماہ بعد وہ ماریا کو چھوڑ کر ملک سے کہیں باہر چلا گیا تھا۔ کم از کم ماریا کا یہی خیال تھا کہ وہ ملک میں نہیں ہے، اگر ہوتا تو اُس سے رابطہ ضرور قائم کرتا۔ ماریا ابھی تک اُس کی محبت میں گرفتار تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ مورگن اُس سے سچا پیار کرتا تھا، وہ ماریا سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔ لیکن مورگن کی پراسرار گمشدگی کے سلسلے میں ماریا کوئی جواز پیش کرنے سے بھی قاصر تھی۔

فارم ہاؤس اور زمینوں کی دیکھ بھال کا کام جیکب نامی ایک ادھیڑ عمر کا شخص سرانجام دیتا تھا۔ اُس کا قیام فارم ہاؤس کی حد بندی کے دوسرے کونے میں ہٹ نما ایک کمرے اور مختصر

سائبان والے مکان میں تھا جہاں وہ تنہا رہتا تھا۔ جیکب کی عمر چالیس اور بیالیس کے درمیان تھی۔ بظاہر وہ نہایت محنتی، جفاکش، دیانتدار، نڈر اور بے خوف نظر آتا تھا۔ ماریا اور جیکب دونوں ہی بہت جلد مجھ سے مانوس ہو گئے لیکن جین کی بوڑھی اور مفلوج ماں مجھ سے کھنچی کھنچی رہتی۔ میں نے اُس کے رُوکھے طرزِ عمل پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ ہندوستان پر حکومت کرنے والے سفید چمڑی والے آقاؤں کے دلوں میں برتری کا جو احساس تھا وہ نسل در نسل اُن کے خون میں سرایت ہوتا چلا آ رہا تھا۔ شاید جین کی ماں نے بھی مجھے غلاموں کے دیس کا ایک ادنیٰ نمائندہ سمجھ کر منہ لگانا پسند نہیں کیا۔ میں نے جین سے اس موضوع پر کبھی گفتگو بھی نہیں کی۔

جین نے میری صحت یابی کا جشن بڑے پیمانے پر منانے کا ارادہ کر رکھا تھا لیکن میں نے اُسے منع کر دیا۔ پریتم لال نے دوبارہ سامنے آ کر مجھے اپنی کھوئی ہوئی قوتوں کو بحال کرنے کی ترغیب دی تھی۔ میں صبح سویرے ہی اُٹھ کر فارم ہاؤس کے ایک ویران گوشے میں چلا جاتا، اپنے وجود کے اندر دفن مخفی قوتوں کو زندہ کرنے کی خاطر تطہیر قلب اور مراقبے کی مشقوں میں تا دیر مصروف رہتا۔ میں نے کمپالا کی رفاقت میں بہت کچھ سیکھا تھا، شاکیہ منی کے عظیم بھکشو نندا نے مرنے سے پیشتر مجھے اپنے خون سے غسل کرنے پر مجبور کیا، بعد میں کمپالا نے انکشاف کیا کہ بدھ مت کے اس عظیم ترین درویش نے مرتے مرتے مجھے اپنی بے شمار قوتوں سے سرفراز کیا تھا۔ نندا کہا کرتا تھا کہ تپسیا اور مراقبہ ذہنی صلاحیتوں کو اُبھارنے کی ورزش ہیں۔ اُس نے مجھے تصور اور تخیل کو یکسو کرنے کا عمل بتایا تھا۔ میں اُس کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ارتکازِ ذہن کی مشقیں اور ورزشیں کرتا رہا۔ میں ماضی میں ان ریاضتوں کا حیرت انگیز کرشمہ دیکھ چکا تھا۔ انکا کی پراسرار قوتیں بھی کبھی میرے مقابلے میں سر اُٹھانے کی جرأت نہیں کرتی تھیں۔

کمپالا اور عظیم نندا کے علاوہ مجھے کالی کے مہان پجاری پریتم لال کی حمایت بھی حاصل تھی۔ برکاتی شاہ کا وظیفہ مکمل کرنے کے بعد میں نے انکا کو اپنے دشمن تربینی داس سے چھین لیا تھا۔ سادھو جگدیو نے بھی پریتم لال کے حوالے سے مجھے کئی بار نوازا تھا، میرے پاس سیّد مجذوب کی لاٹھی تھی جسے دیکھ کر پریتم لال جیسے مہان پجاری کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ میرے اندر قوتوں کا ایک خزانہ دفن تھا جسے پنڈت پجاریوں سے جنگ

کے دوران میں نے خود اپنی دیوانگی اور وحشتوں سے زنگ آلود کر لیا تھا۔ انکا قدم قدم پر مجھے روکتی ٹوکتی رہی، میں نے اُس کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ کلدیپ، سادھو جگدیو، کمپالا، نندا کے علاوہ سیّد مجذوب بھی مجھے اشاروں کنایوں میں وقت اور حالات کی مصلحتوں کے پیشِ نظر قدم اُٹھانے کی تلقین کرتا رہا۔ لیکن میرے ستارے گردش میں تھے یا پھر میں نے مہان پنڈت پجاریوں کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھ رکھا تھا جو اپنی من مانی کرتا رہا۔ بدری نرائن اور کالی کے مہان سیوک امر لال سے مقابلے کے وقت بھی انکا نے کئی بار مجھے حصار توڑ کر باہر نکلنے سے روکا، میں نے اُس کی بات نہیں مانی۔ اس وقت بھی جب پنڈت بدری نرائن کالی کے بڑے مندر میں چھپا بیٹھا تھا میں انکا، کا مشورہ رد کر کے اپنی طاقت کے زعم میں دندناتا ہوا مندر میں گھس گیا۔ میں نے کئی چھوٹے موٹے پجاریوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا، کئی پجارنیں اور حسین دیوداسیاں میری ہوس کا شکار ہو گئیں، اپنے بدترین دشمن پنڈت بدری نرائن کو تہس نہس کر ڈالنے کے خیال نے مجھے درندہ بنا دیا تھا، میرے راستے میں جو بھی آیا میں اُسے ٹھوکر مار کر لہولہان کرتا رہا۔ میں نے خود کو ناقابلِ تسخیر سمجھ لیا تھا، یہی وجہ تھی جو بدری نرائن کی حمایت میں بہت سارے پنڈت پجاریوں میں گٹھ جوڑ ہو گیا۔ کالی کا مہان سیوک امر لال بھی خم ٹھونک کر میرے مقابلے پر آ گیا۔ میری دیوانگی نے مجھے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا، میں کالی کے مندر میں نہ گیا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ دوسرے پنڈت پجاری میری اور بدری نرائن کی جنگ میں پاؤں نہ پھنساتے، امر لال جیسا مہان شکتی کا مالک بھی میدان میں نہ آتا، میری کلدیپ کو بھی پریتم لال کا استھان چھوڑ کر میسور کی پہاڑیوں سے نیچے نہ آنا پڑتا۔ میری ہی خاطر کلدیپ نے کالی کو اپنا جیون بھینٹ دینے کا وچن دیا تھا۔ وقت نے میرا سب کچھ چھین لیا، میں بالکل تنہا رہ گیا۔ جین اگر مجھے بمبئی کی فٹ پاتھ سے اُٹھا کر لندن نہ لاتی تو میں کب کا مر کھپ گیا ہوتا۔ کوئی رونے دھونے والا بھی نہ ہوتا۔ کمیٹی کے کارندے میرے وجود کو سمیٹ کر کسی اندھے گڑھے میں دبا دیتے، کہانی ختم ہو جاتی.....!

ہسپتال میں میرے ضمیر نے ملامت کی تو میں نے خودکشی کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن اس کی تکمیل سے پہلے پریتم لال میرے سامنے آ گیا۔ اُس نے مجھے باخبر کیا کہ بدری نرائن کے چیلوں نے اُس کی چتا کی راکھ کو دریا برد نہیں کیا۔ وہ مجھ سے انتقام لینے کی گھات میں سر

جوڑے بیٹھے ہیں۔ امر لال جہنم رسید ہو چکا تھا لیکن اُس کا اکلوتا لڑکا چندرا، وندھیا چل کی پہاڑیوں میں کسی گپھا میں بیٹھا مہان شکتی پراپت کرنے کی خاطر جاپ کر رہا تھا۔ میری ایک تنہا ذات کی خاطر کئی آدم خور بھیڑیے موجود تھے، مجھے پھاڑ کھانے کی خاطر اپنے آپ کو پوری طرح منظم کر رہے تھے، منصوبے بنا رہے تھے اور میں بے خبر تھا۔ اچھا ہوتا اگر میں بے خبری میں ان کے ہاتھوں زندگی کی قید سے آزاد ہو گیا ہوتا، سارے جھگڑے ختم ہو جاتے، سارے قصے نمٹ جاتے۔ ایک میری ذات کے نہ ہونے سے دنیا کے ہنگاموں میں کیا کمی آ جاتی.....؟ موت اور زندگی کے کھیل تو روزمرہ کا معمول ہیں۔ ایک آتا ہے، ایک جاتا ہے۔ جو دنیا سے منہ موڑ جاتا ہے اُس کے لواحقین کچھ روز روتے دھوتے ہیں پھر دنیا کے تقاضوں کی سمت واپس لوٹ آتے ہیں۔ کوئی کسی کے ساتھ اُس کی قبر میں چھلانگ نہیں لگاتا۔ ستی کی صدیوں پرانی رسم بھی دم توڑ چکی ہے، وقت کا پہیہ کبھی نہیں رُکتا، اس کی حرکت جاری رہتی ہے۔ ازل سے یہی کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے، ابد تک یہی سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

مجھے کلدیپ کے چلے جانے کے بعد دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی، میں زمین کا بوجھ بن کر زندہ تھا۔ جین نے اس بوجھ کو نہ جانے کیوں گدڑی کا لعل سمجھ کر سمیٹ لیا تھا۔ پھر پریتم لال نے سامنے آ کر مندمل ہوتے ہوئے زخموں کو کرید دیا۔ اُس مہان پجاری نے کہا تھا کہ جو کام کلدیپ ادھورے چھوڑ گئی تھی وہ مجھے پورے کرنے ہوں گے۔ اُس نے مجھے اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا۔ کلدیپ میری زندگی، میری رُوح، میری حیات کا سب سے انمول سرمایہ تھی۔ میں نے اُس کے ادھورے کاموں کو پورا کرنے کی قسم کھا لی، اُس کی آتما کو شانت کرنے کی خاطر میں اپنی زندگی بھی قربان کر سکتا تھا۔ پریتم لال کی زبان سے کلدیپ کا نام سن کر ماضی کی بہت ساری بھولی بسری کہانیوں کے ڈھیر میں پھر ہلچل پیدا ہو گئی۔ ایک لمحے کو میرے دل میں یہ خیال اُبھرا کہ اگر پریتم لال اپنی مہان شکتیوں کے ذریعے مادّی شکل اختیار کر کے سامنے آ سکتا ہے تو کیا عجب کہ کسی روز میری کلدیپ بھی اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ ہنستی مسکراتی اچانک سامنے آ کر مجھے ششدر کر دے۔ کلدیپ کو پریتم لال نے اپنی جانشین مقرر کیا تھا، وہ میسور کی پہاڑیوں پر اُس کی کٹیا میں بیٹھی دن رات جاپ منتر میں محو رہتی۔ اُس نے سارے جتن میرے پیار کی خاطر کیے، اپنی جوانی کی اُمنگوں کو پس پشت ڈال دیا۔ اُس نے کالی کا آشیر باد حاصل کر کے مجھے میرے

دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت سے ہمکنار کیا، مجھے سربلند دیکھنے کی خاطر ہی وہ کالی کے چرنوں میں سرنگوں ہو گئی، اپنی زندگی قربان کر دی۔ میں اُس کے ادھورے کام مکمل نہ کرتا تو اُس کی بے چین رُوح کو شکوہ رہتا۔ میں اپنی کلدیپ کی رُوح کو شرمندہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے پریتم لال کے مشورے پر اپنی کھوئی ہوئی قوتوں کو نئے سرے سے سمیٹنا شروع کر دیا۔

دو ماہ اسی طرح ریاضتیں اور مشق کرتے بیت گئے۔ میں جتنی دیر مراقبے میں ڈوبا رہتا، انکا میرے سر سے دُور رہتی، جب میں سانس لینے کی خاطر کسی درخت سے ٹیک لگا کر ستانے بیٹھتا وہ میرے سر پر آ جاتی، مجھے ٹکر ٹکر گھورتی رہتی۔ وہ بھی لازوال قوتوں کی مالک تھی۔ وہ نہ ہوتی تو شاید مجھے یہ شہرت بھی نصیب نہ ہوتی۔ اُسی نے میری زندگی کی ساکت سطح پر اپنے وجود کی ایک کنکری اُچھال کر ان گنت لہریں پیدا کر دی تھیں پھر لہر لہر ایک داستان بنتی چلی گئی۔ جب تک وہ میرے قبضے میں رہتی، مجھ سے شوخیاں کرتی رہتی، اپنی شرارتوں سے میرا دل لبھاتی رہتی، مجھے کسی بات کی فکر نہ ہوتی میرے ایک اشارے پر وہ میری دل بستگی کے سارے سامان چٹکی بجاتے مہیا کر دیتی۔ ایسا نہ ہوتا تو ہندوستان کے بڑے بڑے پنڈت پجاری اُس کے دیوانے نہ ہوتے، اُسے حاصل کرنے کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر نہ لگاتے۔ انکا کی قوتیں اُس کے مختصر سے وجود کے مقابلے میں ہزاروں، لاکھوں گنا زیادہ تھیں لیکن وہ بھی پریتم لال اور کلدیپ سے نظریں ملاتے کتراتی تھی۔ سیّد مجذوب کو دیکھ کر اُس کی سٹی گم ہو جاتی تھی اس کے باوجود وہ لامحدود قوتوں کی مالک تھی۔ میں کلدیپ کی جدائی کے بعد زندگی سے اس قدر مایوس ہو گیا کہ جین کے ساتھ لندن آتے وقت انکا کو پیچھے چھوڑ آیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ سر پر ہو گی تو آئے دن نت نئے ہنگامے سر اُٹھاتے رہیں گے۔ آج میں اعتراف کرتا ہوں کہ انکا سے بچھڑتے وقت مجھے ایسا ہی لگا تھا جیسے زندگی کا آخری ہمدرد و رفیق بھی مجھ سے جدا ہو گیا ہو۔ پریتم لال نے اُسے واپس لا کر میری اکائی کی مایوسیوں کو دُور کر دیا تھا۔ شاید اس مہان پجاری نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ انکا کا اور میرا ساتھ لازم و ملزوم ہے، انکا کی قوت کسی آڑے وقت میں میرے کام آ سکتی تھی، وہ آنے والے خطروں کی بو سونگھنے میں ملکہ رکھتی تھی۔ اُس کے مشورے بہت اہم اور دُور رس ہوتے تھے۔ اگر میں اُس کے مشوروں پر عمل کرتا رہتا تو شاید کلدیپ کو پہاڑیوں سے

نیچے اُترنے کی زحمت نہ گوارا کرنا پڑتی۔ بہت کچھ ممکن تھا، بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو قسمت میں ایک بار رقم کر دیا جاتا ہے۔ اس لکھے سے مفر انسان کی قوت سے باہر ہے۔

اس روز بھی میں ارتکاز اور مراقبے کی مشقوں سے تھک کر ستانے کے لئے بیٹھا تھا کہ انکا میرے سر پر آ گئی۔ میں کچھ دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ انکا کی بے چینی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اُس دن میں نے پوچھ لیا۔

''کیا بات ہے انکا رانی؟ تم اس قدر بجھی بجھی اور اُداس کیوں رہتی ہو؟ کیا لندن کی آب و ہوا اس بار تمہیں پسند نہیں آئی؟ کبھی تو تم سرخ سرخ گالوں اور نیم برہنہ عورتوں کے گداز جسموں کو دیکھ کر پھولی نہیں سماتی تھیں۔''

''میں آج کل صرف تمہارے بارے میں سوچتی رہتی ہوں.....''

''میرے بارے میں.....؟'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں جمیل..... میں محسوس کر رہی ہوں کہ تمہیں میرے دوبارہ آنے سے خوشی نہیں ہوئی۔'' اُس نے سوگوار انداز میں کہا۔ ''تم کیا جانو کہ تمہارے بمبئی سے لندن آ جانے کے بعد میرے دل پر کیا گزری؟ میں کبھی ایک لمحہ، ایک پل بھی تمہارے خیال سے غافل نہیں رہی۔ تمہاری جدائی کا تصور مجھے خون کے آنسو رُلاتا رہا۔ میں چاہتی تو تمہارے پاس آ سکتی تھی لیکن میں نے براہِ راست اس کی کوشش نہیں کی۔ میں تمہاری مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھانا چاہتی تھی، تمہارے بغیر زندگی بھی نہیں گزار سکتی تھی۔''

''آج تو بڑے سُر میں بول رہی ہو۔'' میں نے اُسے چھیڑا۔ ''گفتگو کا یہ انداز کہاں سے سیکھ لیا؟''

''تمہاری بے مروّتی اور طوطہ چشمی سے۔'' انکا ٹھنک کر بولی۔ ''تم بڑے کٹھور دل ہوتے جا رہے ہو۔''

''حالات نے بنا دیا ہے انکا رانی۔'' میں نے سرد آہ بھری..... ''انسان ماں کے پیٹ سے اُداس یا غمگین پیدا نہیں ہوتا۔ تم نے جمیل احمد خان کی زندگی کا وہ رُوپ بھی دیکھا ہے جب حسین اور مہکتے چہروں کے درمیان شب و روز گزرا کرتے تھے۔ میں نے کبھی آنے والے کل کے بارے میں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔ میرے پاس شاید اتنا وقت

ہی نہیں تھا کہ کچھ سوچتا۔ تم میری زندگی کے شب و روز کے ایک ایک لمحے، ایک ایک ساعت کی گواہ ہو لیکن نتیجہ کیا برآمد ہوا.....؟ کبھی تم مجھ سے رُوٹھ گئیں تو مجھے اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہونا پڑا۔ تم دوبارہ مہربان ہوئیں تو میرے لئے عیش و عشرت کے خزانوں کے منہ کھل گئے۔ کبھی نرگس حالات کا شکار ہو جاتی تو میں مضطرب ہو جاتا۔ مالا میری جھولی میں ڈال دی گئی تو جینے کا بہانہ مل گیا، تزئین زندگی میں شامل ہوئی تو بہار آ گئی، کلدیپ اور میرے لئے وہ سگی اولاد سے کم نہیں تھی، اب بھی مجھے اُس کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ کیسے کیسے ساتھی میرے ہم رکاب رہے۔ پھر وقت نے کروٹ لی تو ایک ایک کر کے سب نے منہ موڑ لیا۔ کلدیپ چلی گئی تو میری زندگی میں گھپ اندھیرا ہو گیا، شاید میں بمبئی کی فٹ پاتھوں پر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے اپنے انجام کو پہنچ جاتا کہ نہ جانے جین کہاں سے آ گئی؟'' میں نے ملول آواز میں کہا۔ ''آگے کیا لکھا ہے، کون جانے؟''

''اتنی مایوسی کی باتیں مت کرو جمیل۔'' انکا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔''

''تم.....'' میں زہر خند سے بولا۔ ''کب تک ساتھ دو گی انکا رانی؟ کوئی پنڈت پجاری تمہارے حصول کا جاپ مکمل کر کے تمہارا آقا بن گیا تو تم پھر نگاہیں پھیر لو گی۔''

''وہ میری مجبوری ہو گی جمیل۔ لیکن تم نے اب جتنی قوتیں حاصل کر لی ہیں وہی تمہارے لئے بہت ہیں۔'' انکا نے اپنی مجبوری کا احساس دلایا، پھر موضوع بدل کر بولی۔ ''میں اس وقت تم سے ایک اہم بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''کیا پھر تمہارے لئے غذا فراہم کرنے کی خاطر مجھے کسی صحت مند دوشیزہ کے خون سے ہاتھ رنگنے ہوں گے؟''

''یہ معاہدہ تو ایک عرصہ ہوا ٹوٹ چکا۔'' انکا نے تیکھی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''کیوں دل جلانے کی بات کرتے ہو.....؟''

''اور کیا بات ہو سکتی ہے.....؟'' میں نے دریافت کیا۔

''میں تمہیں جیکب کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔''

''کیا ہوا جیکب کو.....؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''وہ جو کچھ اُوپر سے نظر آتا ہے، اندر سے اس کی ضد واقع ہوا ہے۔'' انکا نے سنجیدگی

اختیار کر لی۔ ''میں تمہیں اُس سے محتاط رہنے کا مشورہ دُوں گی۔''

''اس مشورے کی کوئی معقول وجہ بھی ضرور ہوگی.....؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''جیکب اُس کا اصلی نام نہیں ہے۔'' انکا میرے سر پر چہل قدمی کرتے ہوئے بولی۔ ''وہ امریکہ کا ایک مفرور قیدی مائیکل ہے جو اپنی خوبصورت اور نوجوان بیوی کرسٹی کو بدکاری کے شبے میں گلا گھونٹ کر مارنے کے بعد فرار ہو کر یہاں آ گیا ہے، پندرہ سولہ سال سے پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ امریکہ میں اس کا قیام مشی گن کے دُور دراز علاقے کی ایک مضافاتی بستی میں تھا جہاں زیادہ آبادی نہیں تھی۔ مائیکل اُس علاقے میں بھی اپنے والدین سے بھاگ کر آیا تھا اس لئے پولیس کے پاس کوئی باقاعدہ ریکارڈ نہیں ہے۔''

''مائیکل یا جیکب سے مجھے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے.....؟'' میں نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''خطرہ مائیکل یا جیکب نہیں، تمہاری جین کی مفلوج ماں ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' میں حیرت سے چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ ''جین کی ماں سے میری کیا دشمنی ہے.....؟''

''جین اُس کے لئے سونے کی چڑیا سے کم نہیں ہے۔'' انکا نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ نسل پرست بڑھیا، ایشیائی لوگوں سے شدید نفرت کرتی ہے۔ جین کے دل میں تمہاری محبت کی شدتوں کو محسوس کر کے اُس چالاک عورت نے اب تک زبان نہیں کھولی، لیکن وہ تمہیں ایک آنکھ بھی پسند نہیں کرتی۔''

''جیکب درمیان میں کہاں سے آ گیا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''وہ جین کی ماں کا نمک خوار ہے۔'' انکا نے کہا۔ ''جین نے جیکب کو ملازم رکھنے پر اعتراض کیا تھا۔ سیکرٹ سروس سے وابستہ ہونے کے سبب وہ کسی ایسے آدمی کو ملازمت دینے کے خلاف تھی جس کے ماضی کے بارے میں کسی بھی حوالے سے وہ کچھ نہ جانتی ہو لیکن اُس کی ماں نے اپنی بزرگی کا حق اختیار کرتے ہوئے جیکب کو ملازمت دے دی۔''

''تمہاری اطلاع میں مجھے ایک جھول نظر آ رہا ہے۔'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ جین کی ماں میرے وجود کو جین کی زندگی میں برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے لیکن جیکب اگر ایک مفرور قاتل ہے اور پولیس کی نظروں سے بھاگا

ہوا ہے تو کیا وہ محض جین کی مفلوج ماں کے کہنے پر میرے لئے کوئی خطرہ مول لینے پر آمادہ ہو جائے گا؟''

''تمہاری سوچ بھی غلط نہیں ہے۔'' انکا نے کسمسا کر جواب دیا پھر تھوڑے توقف سے بولی۔ ''سنو جمیل۔ میں جب تک تمہارے پاس ہوں جیکب جیسے سینکڑوں مجرم مل کر بھی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ میں تمہارے علم میں لائے بغیر بھی تمہارے کسی دشمن کو ٹھکانے لگانے کا حق رکھتی ہوں۔ لیکن تمہاری جین کے اس فارم ہاؤس میں کوئی ہلچل پیدا ہو، یہ بھی مجھے گوارا نہیں۔''

''انکا رانی.....'' میں نے انکا کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''کیا میرا یہ اندازہ غلط ہے کہ تم اس وقت کوئی اہم بات مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو.....؟''

''جمیل صاحب.....'' انکا نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''لندن میں عورتوں کی عمر سے نہیں بلکہ اُن کے دل کی دھڑکنوں سے بڑھاپے یا جوانی کا اندازہ لگایا جاتا ہے، تم میرا اشارہ سمجھ رہے ہو گے۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' میں نے انکا کو ٹٹولتی نظروں سے گھورا۔

''جین کی ماں کے ہاتھ میں جیکب کی کچھ ایسی کمزوری ہے کہ وہ اُس کی کسی بات سے انکار نہیں کر سکتا۔'' انکا نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہیں شاید یہ سن کر حیرت ہو گی کہ وہ مفلوج بڑھیا اپنی بیٹی کے مستقبل کے ساتھ ساتھ تمہیں اپنے راستے کا کانٹا بھی سمجھنے پر مجبور ہے۔'' انکا نے بات جاری رکھی۔ ''جب تک تم فارم ہاؤس میں نہیں آئے تھے اس مفلوج عورت کے لئے تمام راستے کھلے ہوئے تھے۔ جن دنوں جین نائٹ ڈیوٹی پر گھر سے باہر رہتی تھی اُن دنوں اس کی ماں، جیکب کو اپنے تحفظ کے بہانے سے فارم ہاؤس میں سلا لیا کرتی تھی۔ پھر اُن کے درمیان فاصلے ختم ہو گئے۔ مکار اور تجربہ کار بڑھیا نے ایسا جال بُنا کہ جیکب اس میں بری طرح پھنس گیا۔ اب وہ اُس کے اشارے پر عمل کرنے پر مجبور ہے۔''

میں نے انکا کی بات سن کر حالات کے دُور رس نتائج پر نگاہ ڈالی۔ مجھے یقین تھا کہ انکا مجھ سے دروغ گوئی نہیں کر سکتی۔ میرا ذاتی مشاہدہ بھی یہی تھا کہ مغربی تہذیب کی پروردہ عورتوں کی عمریں موت سے پہلے نہیں ڈھلتیں، وہ زندگی کا ایک ایک لمحہ انجوائے (ENJOY) کرنے کے فن سے بخوبی واقف ہوتی ہیں۔ ان کے نزدیک رشتے ناتوں یا شرم و حیا کے

الفاظ صرف کتابوں کی حد تک محدود ہوتے ہیں۔ عملی زندگی میں انہیں ہر قسم کی شخصی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ ان پر کسی بندش کا اطلاق نہیں ہوتا، انہیں اپنے کردار کو بنانے یا بگاڑنے کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے، کسی باز پرس کا خوف نہیں ہوتا۔

''کس سوچ میں گم ہو گئے جمیل؟'' انکا نے میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا جین کو حالات کا اندازہ نہیں ہے.....؟'' میں نے یونہی سرسری طور پر پوچھ لیا۔ میں نے جین کو بہت قریب سے برتا تھا۔ وہ سیکرٹ سروس سے وابستہ ہونے کے باوجود بہت معصوم اور سیدھی سادھی لڑکی تھی۔ لیکن کردار کے معاملے میں بڑی ٹھوس واقع ہوئی تھی۔ اگر جیکب کے ماضی یا حال کی بھنک بھی اُسے ملی ہوتی تو شاید وہ اُسے ایک پل کے لئے بھی برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوتی۔ انکا نے بھی وہی جواب دیا جو میرے دل کی آرزو تھی۔

''جمیل۔ تم اگر اجازت دو تو میں ایسے حالات پیدا کر سکتی ہوں کہ جیکب از خود کسی قریبی پولیس اسٹیشن جا کر اپنی بیوی کو قتل کرنے کا الزام قبول کر لے، اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی محفوظ رہے گی۔''

''نہیں..... فی الحال تم میرے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھاؤ گی۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا، پھر گفتگو کا رُخ بدلتے ہوئے بولا۔ ''پریتم لال نے مجھے ہسپتال میں بتایا تھا کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ لایا ہے، تمہاری اُس کی ملاقات کہاں ہوئی تھی؟''

''میں تمہارے پاس آنے کی خاطر بے چین تھی جب وہ مہان پجاری ایک دن خود بخود میرے سامنے آ گیا۔ ان دنوں میں ایک حسینہ کو اپنے جال میں پھانسنے کی تاک میں تھی۔ تم جانتے ہو کہ انسانی خون میری غذا ہے لیکن میں کسی کو قتل کرنے کی طاقت سے محروم ہوں۔ چنانچہ میں اُس لڑکی کو ورغلا کر اُس علاقے میں لے گئی جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ وہیں میں نے دو بہکے ہوئے شرابیوں کو لڑکی کے سلسلے میں اس طرح لڑوایا کہ اُن میں سے ایک نے لڑکی کو مارنے کی ٹھان لی۔ لیکن پریتم لال کے آ جانے سے بات نہیں بن سکی۔'' انکا نے کہا۔ ''میں اُس مہان پجاری کو دیکھ کر فرار کے لئے راستہ تلاش کر رہی تھی کہ اُس نے مجھے اپنے سر پر آنے کا حکم دیا، میں ڈری سہمی اُس کے سر پر چلی گئی۔ اُس کی

نگاہوں میں ایسا سحر تھا کہ دونوں شرابی، لڑکی کو چھوڑ کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ لڑکی بھی جان بچا کر بھاگ نکلی۔ مجھے خدشہ تھا کہ پریتم لال مجھے آڑے ہاتھوں لے گا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ میں تین چار روز اُس کے سر پر رہی، اس عرصے میں اُس مہان پجاری نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر اُس نے لندن پہنچ کر ہی یہ راز افشا کیا کہ وہ مجھے تمہارے سر پر چھوڑنے کی خاطر لایا ہے۔ اُس کی بات سن کر مجھے ایسا لگا جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ خواب نہیں تھا، خواب ہوتا تو میں اس وقت تمہارے پاس نہ ہوتی۔''

آخری جملہ انکا نے اٹھلا کر بڑی شوخی سے ادا کیا۔

''کیا پریتم لال مرنے کے بعد بھی اپنے اصلی رُوپ میں آنے کی طاقت رکھتا ہے؟''

''دیوی اور دیوتا مہربان ہوں تو سب کچھ ممکن ہے۔''

''کیا کلدیپ بھی مادی شکل میں میرے سامنے آ سکتی ہے؟'' میں نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''مجھے افسوس ہے جمیل۔ میں اس سلسلے میں زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اُس کی آتما آج بھی تمہارے آس پاس بھٹک رہی ہو گی، وہ تمہاری سچی پجارن تھی..... تم سے دُور نہیں رہ سکتی۔''

''لیکن میں اُس کے لئے دیوتا نہ بن سکا۔'' میرے اندر کا کرب زبان پر آ گیا۔ ''اپنے مسائل میں اُلجھا بھٹکتا رہا، مگر حاصل کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔''

''جین کے مستقبل کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟'' انکا نے موضوع بدل دیا۔

''اگر تم پریتم لال کی منظورِ نظر بن کر یہاں تک آئی ہو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ جین میری آخری منزل نہیں ہے۔''

''نہیں، پریتم لال نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''پھر..... تم جین کے بارے میں میری زبان سے کیا سننا چاہتی ہو.....؟''

''میری بات کا غلط مطلب نہ نکالو جمیل۔'' انکا میرے سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی، سنجیدگی سے بولی۔ ''مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ تمہارے دشمن امر لال کا اکلوتا بیٹا چندرا اس وقت وندھیا چل کی پہاڑیوں پر بیٹھا تمہارے خلاف اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی کوششوں میں مگن ہے، اُس کے من میں امر لال کے انتقام کی جوالا بھڑک رہی ہے، میں یہ بھی جانتی

ہوں کہ لندن میں تمہارا قیام عارضی ہوگا، ایسی صورت میں تم اور جین دو جان ایک قالب نہیں بن سکتے۔''

''مجھے میرے ارادوں سے کون روک سکتا ہے؟'' میں نے سرد لہجے میں دریافت کیا۔ چندرا کا نام سن کر میرے اندر سوئے ہوئے آتش فشاں میں ہلچل پیدا ہونے لگی۔

''میں جانتی ہوں، تمہیں تمہارے ارادوں سے کوئی نہیں روک سکتا۔'' انکا نے رُوٹھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''طاقت کا نشہ سارے نشوں سے تیز ہوتا ہے، تم نے ان دو مہینوں میں اپنی کھوئی ہوئی پراسرار قوتوں کو دوبارہ حاصل کرلیا ہے۔ مجھے تجربہ ہے جمیل، تمہارے اوپر جب انتقام کا خون سوار ہوتا ہے تو تم میرے مشوروں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہو۔ جوش میں ہوش کا خیال نہ رہے تو دشمن اپنی چال چل جاتا ہے۔ پانسہ ایک بار پلٹ جائے تو خواب کی ساری حسین تعبیریں بکھر کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں اور.....''

''بس کرو انکارانی.....بس کرو۔'' میں اُلجھ گیا۔ ''خاموش ہو جاؤ۔ میرا دل پہلے ہی فگار ہے۔ میں اور تیر و نشتر برداشت نہیں کرسکتا۔'' میں نے بے رُخی سے جھڑکا تو انکا سہم کر خاموش ہوگئی۔

''جو وقت گزر گیا میں اسے بھولنے کی کوشش کر رہا ہوں، تم جلے پر نمک چھڑک رہی ہو۔'' میں نے سہمی ہوئی انکا کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میں لندن اپنی مرضی سے نہیں آیا، کلدیپ کے بعد مجھے زندگی سے کوئی پیار نہیں رہ گیا تھا، میں نے میسور کی پہاڑی پر اسی وقت اپنی کلدیپ کے ساتھ لمبے سفر پر جانے کا ارادہ کرلیا تھا جب کالی کو دیا ہوا وچن اُسے میری بانہوں سے گھسیٹ کر موت کی وادی کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں اُسے کاندھوں پر اُٹھائے زندگی سے منہ موڑ کر کسی بلند چوٹی سے نیچے چھلانگ لگانے کی خاطر قدم بڑھا رہا تھا جب تم نے اپنے نوکیلے اور بے رحم پنجوں کی تیز چبھن سے میرے ہوش و حواس معطل کر دیئے۔ تم درمیان میں مداخلت نہ کرتیں تو جمیل احمد خان کی کہانی اُسی روز انجام کو پہنچ جاتی۔ میری سرگزشت اتنی طویل نہ ہوتی، اتنی فرصت کس کے پاس ہے جو میری الم انگیز آپ بیتی، میری داستانِ عبرت سنتا رہے گا اور میں کہاں تک خود کو بے قصور اور مظلوم ثابت کرتا رہوں گا۔ سب جانتے ہیں کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، دوسرے ہاتھ کی شمولیت شرط ہوتی ہے اور تم یہ کیوں فراموش کر رہی ہو کہ میری اس خونچکاں داستان کی اصل ذمہ دار تم ہو، تم جا

ہو کہ رام دیال کی ماں نے سب سے پہلے مجھے تمہارے حصول کی خاطر سبز باغ دکھا کر اُکسانے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اُس کی پیشکش مسترد کر دی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ تم چھلاوہ بن کر میرے وجود سے چمٹ گئیں۔ پھر میری زندگی کے نئے نئے باب رقم ہونے لگے۔ تم نے اپنی طاقت کے ایسے ایسے ہوشربا کرشمے دکھائے کہ میں بہکتا چلا گیا، تمہارے ہاتھوں کھلونا بن گیا، باگ ڈور تو ہمیشہ تمہارے ہاتھوں میں رہی ہے انکارانی، میں تو صرف کٹھ پتلی تھا، تم اپنی شوخی اور طراری سے میرا دل لبھاتی رہیں، میری کہانی طویل ہوتی رہی، افسانوں میں جوڑ لگتے رہے۔ قصور وار تم تھیں لیکن میں کسی مفرور قیدی کی طرح شہروں شہروں بھاگتا رہا۔ تمہیں انسانی خون کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کے لئے تم نے میرا انتخاب کرلیا۔ میں تمہارے زیر اثر تھا، تمہارے اشارے پر خون فراہم کرتا رہا۔ اس کے عوض تم مجھے عیش کراتی رہیں۔ جب کوئی پنڈت پجاری اپنا جاپ مکمل کر کے تمہیں اپنا محکوم بنا لیتا تھا تو تمہارے عتاب اور ستم کا نشانہ بھی مجھے بننا پڑتا۔'' انکا نے میری دُکھتی رگ کو چھیڑ دیا تھا، میں اُسے اپنے آئینے میں اُس کی شکل دکھاتا رہا اور وہ میرے سر پر بالوں کے درمیان سہمی سمٹی بیٹھی سب کچھ سنتی رہی۔ بڑی خجل خجل سی نظر آرہی تھی۔ میں بولتے بولتے تھک کر خاموش ہوا تو اُس نے بڑی معصومیت سے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''مجھ سے.....اپنی انکارانی سے بہت خفا ہو.....؟''

''فی الحال مجھ سے دُور ہو جاؤ.....'' میں نے لمبی سانس لے کر تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔ ''دل کا غبار چھٹ جائے تو واپس آجانا، تمہیں پریتم لال اپنے ساتھ لایا ہے اس لئے میں تم سے کنارہ کشی اختیار نہیں کروں گا۔''

''ایسا مت کہو جمیل.....'' انکا تڑپ اُٹھی۔ ''جو کچھ تم نے کہا میں نے خاموشی سے سن لیا۔ میں نے تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کیا۔ یہ سچ ہے کہ میں نے ازخود تمہارا انتخاب کیا تھا، میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں نے تمہیں بہت دُکھ پہنچائے ہیں، تم نے زندگی میں پہلا خون میرے ہی اُکسانے پر کیا، میری ہی وجہ سے تمہیں اپنے ایک ہاتھ سے دست بردار ہونا پڑا، اور بھی کئی صدمے برداشت کرنے پڑے۔ لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں آڑے وقتوں میں تمہارے کام بھی آتی رہی ہوں۔ زندگی کے سفر میں ہمارا ساتھ بڑا طویل رہا ہے۔ ہم حالات کے پیش نظر لازم و ملزوم بن گئے۔ پھر مجھے تم سے پیار ہوگیا۔ میری بات کا

اعتبار کرو جمیل۔ میں نے تم کو کلدیپ سے کم نہیں چاہا ہے۔ میری بات کا یقین نہیں تو کبھی پریتم لال مہاراج سے پوچھ لینا، وہ مہان شکتیوں کا مالک ہے، دل کی گہرائیوں اور سمندر کی تہہ در تہہ دیکھنا اُس کے اختیار میں ہے۔ وہ مرنے کے بعد بھی اپنا اصل رُوپ دھارنے پر قادر ہے۔'' انکا نے بسورتے ہوئے کہا۔ ''وہ مجھے تمہارے پاس واپس لایا ہے تو اُس نے بھی ضرور محسوس کیا ہوگا کہ تم سے دُور ہو جانے کے بعد میری ساری شوخیاں اور طراریاں ختم ہوگئی تھیں، میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ شاید اسی کارن اُسے میرے حال پر دیا آ گئی۔''

''مجھے کچھ دیر کے لئے تنہا چھوڑ دو انکارانی..... پلیز۔'' میں نے دوبارہ اصرار کیا تو انکا نے مجھے بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھا، پھر سر جھکائے ہونٹ کاٹتی نیچے اُتر گئی۔

اُسی رات کھانے کی میز پر جب میں نے جین کی بوڑھی ماں کو دیکھا تو میری آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ بظاہر وہ بڑی مظلوم نظر آ رہی تھی لیکن اُس کے دل و دماغ میں میرے خلاف نفرت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ مجھے جین کے راستے سے ہٹانے کی خاطر سازشوں کے تانے بانے بُن رہی تھی، جیکب کو مجھے قتل کر دینے پر آمادہ کر چکی تھی۔ شاید اُس نے مجھے ایک عام آدمی سمجھ رکھا تھا جسے وہ کسی بے زبان جانور کی طرح ذبح کر سکتی تھی۔ غالباً جین نے اُس بڑھیا سے میرا تفصیلی ذکر نہیں کیا ہوگا۔ کیا ہوتا تو میری سمت آنکھ اُٹھاتے وقت بھی اُسے کئی بار سوچنا پڑتا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ جمیل احمد خان کون ہے؟ اگر اُسے میری ماضی کی داستان کا ایک مختصر حصہ بھی معلوم ہوتا تو شاید وہ مجھے موت کے گھاٹ اُتارنے کی بجائے خود زہر پی کر پُرسکون موت مر جانے کو زیادہ ترجیح دیتی۔

کھانے کی میز پر میرے، جین اور اُس کی مفلوج ماں کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ جین میرے سامنے والی نشست پر بیٹھی حسب معمول مجھے اپنی دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اُس کی ماں وہیل چیئر پر بیٹھی سوپ پینے میں مصروف تھی، وہ خاصی خوش خوراک واقع ہوئی تھی۔ بظاہر وہ مجھ سے بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتی لیکن اس وقت مجھے زہر لگ رہی تھی، میں جین کی باتوں کو بھی توجہ سے سن رہا تھا اور اُس کی ماں کے بارے میں بھی غور کر رہا تھا۔ ممکن ہے انکا بھی کہیں آس پاس موجود رہی ہو، لیکن وہ میرے سر پر واپس نہیں آئی تھی۔

''دولت علی.....'' جین نے بات کرتے کرتے اچانک کھانے سے ہاتھ روک کر مجھے

مخاطب کیا۔ ''آج سارا، جم کو لینے دفتر آئی تھی۔ وہ اس ویک اینڈ (Week end) پر پکنک پر جانے کا پروگرام مرتب کر رہے ہیں۔ سارا نے خاص طور پر تمہیں بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی ہے۔''

''اور جم نے تمہیں ضرور انوائٹ کیا ہوگا.....؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ظاہر ہے.....'' جین نے شوخی سے جواب دیا۔ ''اگر سارا اب بھی تمہیں ساتھ لے جانے کا اصرار کر سکتی ہے تو جم کو بھی مجھے مدعو کرنے کا حق حاصل ہے، اس کے علاوہ ہم ایک ہی دفتر میں ایک ساتھ کام بھی کرتے ہیں۔''

''مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ جم اور سارا ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔'' میں نے بڑے خلوص سے کہا۔

''ایک کامیاب شادی کے لئے عورت اور مرد کے اسٹیٹس میں بیلنس ہونا بہت ضروری ہے۔'' جین کی ماں نے موقع اور موضوع کی مناسبت سے ڈنک مارنے کی کوشش کی۔ ''جہاں توازن نہ ہو وہاں گاڑی زیادہ دنوں نہیں چلتی، بیچ راستے میں کہیں ٹھپ ہو جاتی ہے۔''

''میں نہیں مانتی.....'' جین نے بڑی صاف گوئی سے ماں کی بات کی تردید کی۔ ''میں اسٹیٹس سے زیادہ عورت اور مرد کے درمیان انڈر سٹینڈنگ اور محبت میں اعتقاد رکھتی ہوں۔''

''تمہارا یہی اعتماد ایک بار تمہیں مایوسی سے دوچار کر چکا ہے۔'' بڑھیا نے دوسرا موقع بھی ضائع نہیں جانے دیا۔ ''تفریح کے لئے بغیر سوچے سمجھے کسی گھوڑے پر بازی لگا دینا اور بات ہے لیکن ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لئے لائف پارٹنر کا انتخاب کرتے وقت عورت کو بہت سارے اہم پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔''

''ممی پلیز.....'' جین نے ماں کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے بدستور خوشگوار موڈ میں کہا۔ ''اب میں بچی نہیں ہوں جو ہر مسئلے میں تمہاری اُنگلی تھام کر کوئی فیصلہ کروں۔ جم کل بھی میرا دوست تھا اور آج بھی ہمارے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہے، اگر اُس نے کسی وجہ سے سارا سے شادی کر لی تو ہمیں اُس کی خوبیوں کو یکسر نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے۔ مجھے خوشی ہے کہ اُس نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا، اگر چاہتا تو مجھ سے شادی کرنے کے ایک دو سال بعد بھی سارا کو اپنا سکتا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے دولت علی؟'' جین نے آخری جملہ مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''کیا یہ مناسب ہوگا کہ میں تم ماں بیٹی کے درمیان ثالث کا کردار ادا کروں؟'' میں

نے پہلو تہی مناسب سمجھی۔ مجھے جین کی ماں کی کوئی فکر نہیں تھی۔ لیکن میں کوئی تلخ بات زبان پر لا کر جین کی دل شکنی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''تم نے درست سمت میں قدم اُٹھانے کی دانشمندی کی ہے۔'' جین کی ماں نے مجھے طنزاً سراہتے ہوئے گردن اُونچی کی۔ ''تمہارے اور ہمارے ملک کی تہذیب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہماری رسمیں، ہمارا رہن سہن، ہمارے قوانین، ہمارا کلچر سب کچھ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اور تم اگر برا نہ مانو تو یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ ہمارا معیارِ زندگی ہندوستانیوں کے مقابلے میں.....''

''ممی.....'' جین نے ماں کو ٹوکا۔ ''دولت علی ہمارے مہمان ہیں۔''

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔'' میں نے جین کو نظر انداز کرتے ہوئے براہِ راست اُس کی ماں سے کہا۔ ''انسان آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے جسمانی خدوخال، اپنی رنگت اور اپنے وجود کی اس اصلیت سے انکار نہیں کر سکتا جو اُس کو کھلی آنکھوں سے نظر آ رہی ہو۔ جو اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے وہ خود فریبی کا شکار ہوتے ہیں، میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرا تعلق ایک پسماندہ ملک سے ہے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ ہم سلطنت برطانیہ کے غلام رہ چکے ہیں اور غلام کا صرف ایک ہی اسٹیٹس ہوتا ہے، اپنے آقاؤں کے سامنے ہمیشہ سرنگوں رہے، بلا چون و چرا اُس کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے، اس کے کسی فیصلے میں کوئی عیب نکالنے کی جسارت نہ کرے۔ بلکہ مختصر لفظوں میں یوں بھی کہا اور سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک اعلیٰ نسلی غلام کی خاصیت اُس کتے سے مختلف نہیں ہوتی جو اپنے مالک کے سامنے ہمیشہ اپنی وفاداری کے اعلان کے طور پر خاموش کھڑا دُم ہلاتا رہے..... بھونکنے سے گریز کرے۔''

''میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو تم نے میری ایک سیدھی سادھی اور درست بات کو غلط مطلب پہنانے کی کوشش کی ہے۔'' جین کی ماں نے بیٹی کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر بڑے سیاسی تدبر سے کام لیا۔ ''بہر حال اگر تمہیں میری بات گراں گزری ہو تو.....''

''ہم کیا کوئی اور بات نہیں کر سکتے.....؟'' جین اپنی جھلاہٹ پر قابو نہیں پا سکی۔ وہ اپنی ماں کو بدستور خشمگیں نظروں سے گھور رہی تھی۔

''بزرگوں کی زبان پر اس طرح تالے ڈالنا بھی بے ادبی میں شمار ہوتا ہے۔'' میں نے

جین کو پیار سے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''وقت کی پرواز پہلے کے مقابلے میں بہت تیز ہو گئی ہے۔ سائنس کی ترقی نے انسانی ذہن کو بھی جلا بخشی ہے، کل تک جو لوگ پہاڑیوں کی چوٹیاں سر کرنے کو دُشوار گزار مہم تصور کرتے تھے آج وہ تسخیر کائنات میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ بلا شبہ اس شعبے میں بھی مغرب، مشرق سے بازی لے گیا۔ یہ شرف بھی مغربی ماحول کے پروردہ ایک جانور ہی کو حاصل ہے جس نے چاند پر قدم رکھا۔ کیا تم اس حقیقت سے انکار کر سکو گی؟''

جین جانور کے حوالے پر مسکرانے لگی۔ اُس کی جہاندیدہ ماں اپنی وہیل چیئر پر بل کھا کر رہ گئی۔ اُس نے جن نگاہوں سے مجھے دیکھا ان میں حقارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ شدتِ جذبات سے اُس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

''دولت علی'' جین نے مسکرا کر کہا۔ ''تم موضوع سے ہٹ رہے ہو۔''

''نہیں.....'' میں نے بدستور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔ ''میں موضوع سے نہیں بھاگ رہا بلکہ یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ترقی کے اس دور میں بھی شادی کا مسئلہ ہمارے بڑے بوڑھوں کے لئے اتنا ہی پیچیدہ ہے جتنا آج سے سو سال پہلے تھا۔ وہ آج بھی اولاد کی بہتری کے لئے بہت کچھ سوچتے ہیں لیکن آج کی اولاد والدین کے فیصلوں کا احترام نہیں کرتی۔ تم شاید اسے جنریشن گیپ (Generation Gap) کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرو لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ فی زمانہ شادیوں کی ناکامیوں کی بڑھتی ہوئی شرح کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی رائے کو اہمیت نہیں دیتے۔''

''تم اسی رفتار سے بولتے رہے تو بھوکے رہ جاؤ گے۔'' جین نے چاول اور چکن کری کی ڈشیں میری جانب کھسکاتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''بھوکا رہنا انسانی صحت کے لئے نیک علامت نہیں ہوتی..... میں نے تمہاری ہی کتابوں میں کہیں پہلے طعام بعد کلام کے زریں اصول کے بارے میں پڑھا تھا۔''

جین کی ماں کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ وہ مجھے ناپسند کرتی تھی اس لئے جین کا التفات دیکھ کر اُس کا کانٹوں پر لوٹنا قدرتی امر تھا۔ میں نے جین کے اصرار پر دو چار لقمے لئے، پھر لاپرواہی سے بولا۔

''تم نے اس فارم ہاؤس کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

''تمہاری یہی باتیں مجھے اکثر یاد آیا کرتی تھیں۔'' جین نے بڑے والہانہ انداز میں میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''ہنستے بولتے یکلخت سنجیدہ ہو جانا، اچانک کسی شوخ جملے سے محفل کو زعفران زار بنا دینا، کبھی کسی کے دل کا چور پکڑ کر اُسے ششدر کر دینا۔ تم نے جس کے بارے میں جو کہا وہ سچ ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ ترکی بازی گر اسپارٹا اور اُس کا استاد سلیمان بے۔'' جین میرے ہاتھوں اُن دونوں جادوگروں کی دُرگت کا احوال یاد کر کے بے تحاشہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''مجھے آج بھی یاد ہے جب تمہارے ایک اشارے پر اُس دھان پان سی لڑکی سوزی نے اسپارٹا کو فضا میں اُچھال کر ایک اُنگلی پر روک لیا تھا۔ سلیمان بے خاموش کھڑا بے بسی سے تماشہ دیکھتا رہا۔ میرے خدا، وہ کتنا دلچسپ اور عجیب منظر تھا جب سوزی نے اسپارٹا کو ایک اُنگلی پر اُٹھائے اُٹھائے پورے ہال کا چکر لگایا تھا۔ سلیمان بے حیرت سے کھڑا آنکھیں پٹ پٹاتا رہا۔ اُن دونوں کی ساری شعبدہ بازی دھری کی دھری رہ گئی۔ آخر میں جب تم نے سلیمان کو مرغا بنوایا تو پورا ہال کھڑا ہو کر تالیاں بجا رہا تھا۔ تم کیا چیز ہو دولت علی؟ میں تمہیں آج تک پوری طرح نہیں سمجھ سکی۔'' جین نے اپنی ہنسی پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی ممی شادی کے موضوع پر اسٹیٹس کی بات کر رہی تھیں، تم نے سائنس کی ترقی کے حوالے سے چاند پر جانے والے جانور کا ذکر چھیڑ دیا اور اب تم مجھ سے سوال کر رہے ہو کہ میں نے اس فارم ہاؤس کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ تمہاری ہر بات بڑی دلچسپ اور معنی خیز ہوتی ہے۔''

جین اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں میرے سلسلے میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتی رہی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اُس کی ماں وہیل چیئر پر بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ چھری کانٹا اُس کے ہاتھ میں موجود تھا لیکن وہ کھانا بھول کر یقیناً میرے بارے میں سوچ رہی تھی۔ شاید اُس نے جین سے کسی سرپھرے ہندوستانی کے بارے کچھ ناقابل یقین کہانیاں سن رکھی تھیں جن کے بارے میں کچھ نہ کچھ رائے بھی ضرور اخذ کی ہوگی۔ لیکن اس نے خواب میں بھی یہ نہ سوچا ہوگا کہ کبھی وہی حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک اُس کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا کھانا بھی کھا رہا ہوگا۔ وہ بے چینی سے بار بار کبھی جین اور کبھی میری سمت دیکھنے لگتی، پھر کسی سوچ میں غرق ہو جاتی۔ مجھے خوشی تھی کہ جین نے اُسے مضطرب کر دیا تھا، ایک لمحہ پہلے وہ برتری کے احساس میں مبتلا تھی، اب بے حد فکرمند نظر آ رہی تھی۔ میں دُور

بیٹھا اُس کے وجود میں ہونے والی کھد بد محسوس کر رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ میں نے فارم ہاؤس کے بارے میں تم سے کوئی غیر سنجیدہ بات نہیں دریافت کی۔'' میں نے سنجیدگی برقرار رکھی۔ ''تمہیں اپنی والدہ کے قیمتی مشورے کے بعد اب اپنا گھر بسا لینا چاہئے۔''

''کیا اس فارم ہاؤس کے اندر گھر نہیں بسایا جا سکتا؟'' جین نے شوخی سے پوچھا۔

''بات پھر وہی اسٹیٹس کی آ جاتی ہے۔'' میں نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ ''تم جس عہدے پر فائز ہو اس کے مقابلے میں یہ فارم ہاؤس تمہارے شایانِ شان نہیں ہے۔''

''تم نے سارا اور جم کے ساتھ پکنک پر چلنے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' جین نے گفتگو کا رُخ بدلنے کی کوشش کی۔ اسٹیٹس کے حوالے پر اُس کی ماں کے چہرے پر میرے خلاف زلزلے کے جو تاثرات اُبھرے تھے شاید وہ اسے دیکھ چکی تھی۔

''اگر زندہ رہا تو ضرور چلوں گا۔'' میں نے کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے ایسے لہجے میں جواب دیا کہ جین کا متفکر ہونا قدرتی بات تھی۔

''اب کیا تم مجھے اپنی بے سروپا باتوں سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟'' اُس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔

''ضروری نہیں ہے کہ انسان کی زبان سے جو نکلے وہ سچ ہی ہو۔ لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کچھ خطرے میرے اِردگرد ضرور منڈلا رہے ہیں۔'' میں نے کنکھیوں سے جین کی ماں کو دیکھتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ ''تم اسے میری چھٹی حس کی طرف سے ایک سگنل بھی تصور کر سکتی ہو۔ کل کیا ہونے والا ہے؟ کون یقین سے کہہ سکتا ہے؟''

''یہ تم کہہ رہے ہو دولت علی.....؟'' جین نے مجھے پُرتجسّس نظروں سے گھورا۔ ''مجھے سارا نے بتایا تھا کہ تم نے اُس کے باپ کے قتل کی سازش کا معمہ اس طرح حل کیا تھا کہ سارے تفتیشی افسر دنگ رہ گئے تھے۔ کیا یہ غلط ہے کہ تم نے انکل لارڈ سمتھ کی رُوح کو طلب کر کے اُس سے تمام تفصیلات دریافت کی تھیں، اس کے بعد ہی رابرٹ کی جیب سے زہر کی وہ شیشی برآمد کر لی گئی جو موت کا سبب بنی تھی اور لزی نامی ملازمہ کے سوٹ کیس سے دو سو پونڈ کی وہ رقم بھی دستیاب ہو گئی جس کے عوض اُس نے دُودھ میں زہر ملایا تھا؟ جو شخص دوسروں کے بارے میں اپنی رُوحانی قوت استعمال کر سکتا ہو کیا وہ اپنے بارے میں پیش

آنے والے خطروں کا کھوج نہیں لگا سکتا؟''

جین کی ماں کے چہرے پر نظر آنے والا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اُس نے جیکب کے ساتھ مل کر میرے خلاف جو بھی سازش مرتب کی تھی، اس وقت اُس کے ذہن میں اس کے بارے میں وسوسے ضرور پیدا ہو رہے ہوں گے۔ وہ خاصی بے چین نظر آ رہی تھی۔ میں چاہتا تو سارا کھیل چند لمحوں میں ختم کر دیتا، جین کی ماں اور جیکب کے درمیان جو ناجائز تعلقات تھے وہ خود باری باری اپنی زبان سے اس کا اعتراف کر لیتے۔ میرا ایک اشارہ ہوتا وہ ریکارڈ کی طرح بجنا شروع کر دیتے۔ لیکن میں جین کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، میں نے کچھ سوچ کر بڑی افسردگی سے کہا۔

''تم میری جن رُوحانی قوتوں کا ذکر کر رہی ہو وہ مجھ سے چھن گئی ہیں۔''

''یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو دولت علی؟'' جین کو میرا جواب سن کر ایک جھٹکا سا لگا۔

''حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔'' میں نے دیدہ دانستہ بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''ہندوستان میں میرے اُوپر کیا گزری، اس کی داستان بڑی طویل اور الم انگیز ہے۔ تم نے خود اپنی آنکھوں سے میری حالت دیکھی ہے، کچھ دن اور تم نے غفلت سے کام لیا ہوتا تو پھر شاید میں تمہیں نہ ملتا۔ میری بجائے میری لاش ہی ملتی۔''

''ایسی دردناک باتیں مت کرو، پلیز۔'' جین تڑپ اُٹھی۔ ''ممی سے پوچھو، جب تم چلے گئے تو میرے اُوپر کیا بیتی تھی۔ تمہارے بغیر میں نے زندگی کے دن کس عذاب میں گزارے ہیں یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ کسی کام میں جی نہیں لگتا تھا، وقت جیسے تھم کر رہ گیا ہو۔ جم اور سارا شادی کے بعد ہنی مون منانے چلے گئے تو میں اور بھی تنہا ہو گئی۔ وقت کاٹے نہیں کٹتا تھا۔ تم تھے تو رات اور دن گزرنے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایک دن میں نے تمہیں تلاش کرنے کی ٹھان لی۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم مجھے مل گئے، تمہاری تلاش میں زیادہ دربدر نہیں ہونا پڑا۔ تمہیں اس حالت میں دیکھ کر میں گنگ سی رہ گئی تھی، ایک لمحے کو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کھلی آنکھوں سے کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہوں۔ تمہیں پہچان لینے کے بعد مجھے اپنا ہوش نہیں رہا۔'' جین اپنے ماضی کی داستان سناتی رہی۔ میں جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے اس کا ایک ایک حرف صداقت پر مبنی ہے، اس کی پرورش بھی اسی آزاد ماحول میں ہوئی تھی لیکن وہ دوسروں سے بڑی مختلف تھی۔ بالکل الگ تھلگ۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں، جین کے ساتھ ڈرائنگ رُوم میں آ گیا جس کی ایک بڑی کھڑکی باہر لان کی سمت کھلتی تھی۔ کھڑکی پر شیشے اور جالیوں کے فریم لگے تھے۔ شیشے کی دوسری جانب ملگجی اندھیرا پھیلا تھا۔ سڑک کے اُس پار دوسرے مکانوں کے بلب ٹمٹماتے نظر آ رہے تھے۔ جین میرے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ اُس کی ماں اپنی خوابگاہ میں چلی گئی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کہیں قریب چھپی ہماری باتوں کی سن گن لے رہی ہو، میں چاہتا بھی یہی تھا کہ اُسے میری قوت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکے۔ اُس مفلوج عورت سے مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جیکب کے لئے انکا ہی بہت تھی۔ میں اُن دونوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتا تھا لیکن جیکب کی ماں کے سلسلے میں کسی جلد بازی کا مظاہرہ کر کے جین کے دل کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

جین اپنی رُوداد سناتی رہی، میں اپنے بارے میں سوچتا رہا۔ پریتم لال نے مجھ سے وچن لیا تھا کہ میں شادی سے گریز کروں گا، مجھے بھی احساس تھا کہ اگر میں نے اپنی دلبستگی کی خاطر جین کا ہاتھ تھام لیا تو کلدیپ کی رُوح تڑپ اُٹھے گی۔ آپ اسے ایک جذباتی لگاؤ بھی کہہ سکتے ہیں ورنہ سچ یہی ہے کہ مرنے والے کا دنیا سے سارا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا سائنسدان بھی ابھی تک کوئی ایسا پیمانہ ایجاد نہیں کر سکا جو کسی مرنے والے کی رُوح کے احساسات کو ریکارڈ کر سکے۔ موت، زندگی کے خوابوں کی ایک تلخ اور بھیانک تعبیر ہے۔ ڈوبنے والے کی طرح مرنے والا بھی زندگی برقرار رکھنے کی خاطر پوری شد و مد سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے لیکن پھر منکر نکیر کے ہاتھوں اپنی شکست تسلیم کر لیتا ہے۔ ساری شان و شوکت، تمام ٹھاٹھ باٹھ، عالیشان و حسین محلات، بینک کے کھاتوں میں جمع شدہ گیارہ بارہ ہندسوں پر مشتمل بڑی بڑی رقمیں، سب دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے، تمام قریبی، خونی اور جذباتی رشتے پلک جھپکتے میں بلبلوں کی مانند ٹوٹ جاتے ہیں۔ پھر ایک نئے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ اس نئے سفر میں انسان کے اپنے اعمال کے علاوہ کچھ اور کام نہیں آتا، خالق کائنات کے نظام میں کہیں کوئی جھول، کوئی لچک، کوئی جھری، کوئی دراڑ نہیں ہوتی۔ اس کا انصاف بڑا صاف و شفاف ہوتا ہے۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کر دیتا ہے۔

میں کلدیپ کے خیال میں گم ہو کر کسی اور دنیا کی سیر کر رہا تھا جب جین نے میرا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔ ''دولت علی۔ یہ بیٹھے بیٹھے تم کہاں گم ہو گئے ہو.....؟''

''تمہاری میٹھی میٹھی باتیں سن رہا تھا۔'' میں نے ہوش میں آتے ہی منافقت اور دروغ گوئی کو پھر اپنا شعار بنا لیا۔ پیار بھری نظروں سے جین کو دیکھا تو اُسے یقین آ گیا کہ میں اُسی کے خیالوں میں گم تھا۔ ''مجھے تم سے ایک شکایت ہے جین۔'' میں نے اُسے ہاتھوں کے حصار میں لیا تو وہ بڑی مطمئن نظر آنے لگی۔ ''تم نے پہلے کبھی اپنی ممی کا ذکر نہیں کیا۔''

''ممی مجھ سے علیحدہ رہتی تھیں اس لئے میں نے ان کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی۔'' جین نے بھولپن سے جواب دیا، پھر ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ ''میرے پاپا کے انتقال کے صرف ایک سال بعد ممی نے دوسری شادی کر لی تھی، اُس وقت میری عمر گیارہ سال تھی۔ ممی کی شادی کے بعد میں مشکل سے دو تین مہینے ان کے ساتھ رہ سکی، پھر میری پرورش کی ذمہ داری میری ایک مالدار بیوہ پھوپھی نے سنبھال لی۔ وہاں میں بڑے سکون سے تھی، مجھے ہر قسم کا تحفظ حاصل تھا۔ لیکن پھوپھی کے انتقال کے بعد مجھے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا پڑا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں تعلیم مکمل کر چکی تھی، ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے کی خاطر مجھے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے۔ میں لندن آ گئی۔ انگلستان میں لندن ہی ایک ایسا شہر ہے جو ہر طبقۂ فکر کے لوگوں کو اپنے دامن میں سمو لیتا ہے۔ فکرِ معاش میں بھٹکنے والے بھی اسی شہر کا رُخ اختیار کرتے ہیں۔ یہاں جرائم بھی ہوتے ہیں لیکن اس کی نوعیت عام انسانوں کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے لندن آ کر زیادہ دنوں بھٹکنا نہیں پڑا۔ میں نے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ملازمت اختیار کر لی۔ ہوٹل کا مالک میری اس کلاس فیلو کا واقف کار تھا جس نے مجھے عارضی طور پر اپنے اپارٹمنٹ میں پناہ دی تھی۔ ہوٹل کا ماحول بظاہر صاف ستھرا تھا لیکن مجھ جیسی تنہا اور بے سہارا لڑکیوں کے لئے مناسب نہیں تھا۔ ہوٹل کا مالک مہربان نہ ہوتا تو شاید مجھے بھی اپنے جیسی دوسری لڑکیوں کی طرح یا تو کسی پب میں بہکے ہوئے شرابیوں کے درمیان زندگی گزاننی پڑتی یا پھر جسم فروشی پر مجبور ہونا پڑتا۔ ہوٹل کے مالک نے میرے کام سے متاثر ہو کر ایک سرونٹ کوارٹر میں جگہ دے دی جہاں ایک ادھیڑ عمر کی بیوہ پہلے سے رہتی تھی۔ وہ میری بہترین رفیق بن گئی۔ زمانے کی اُونچ نیچ سے باخبر رکھنے کے علاوہ ہر طرح سے میری نگہداشت کرتی تھی۔ میں نے ڈیڑھ سال اس ہوٹل میں ملازمت کی، جم سے میری ملاقات بھی اُسی ہوٹل میں ہوئی تھی۔ وہ اکثر وہاں آیا کرتا تھا۔ جم میں کوئی خاص بات ضرور تھی جو میں اُس سے بہت جلد متاثر ہو گئی۔ مجھے یہ بات بعد

میں معلوم ہوئی کہ وہ محکمہ سراغرسانی سے وابستہ ہے۔ جم سے بے تکلفی کے بعد ہماری ملاقاتیں ہوٹل سے باہر بھی ہونے لگیں۔ پھر جب جم کو میری تعلیم کے بارے میں علم ہوا تو اُس نے ہاتھ پاؤں مار کر مجھے بھی اپنے محکمے میں ملازمت دلا دی۔ یہ جم کا میری ذات پر بہت بڑا احسان تھا۔ اُس نے میرے لئے ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ کا بندوبست بھی کر دیا جہاں وہ مجھ سے ملنے کی خاطر بلا ناغہ آیا کرتا تھا..... ہم رات گئے تک باتوں میں مصروف رہتے۔ مجھے کچھ کچھ اندازہ تھا کہ جم میری ذات میں دلچسپی لے رہا ہے۔ لیکن اس بات کی اُمید نہیں تھی کہ وہ مجھے اپنی زندگی کا ہمسفر بنانے پر آمادہ ہو جائے گا جس دن اُس نے مجھے پروپوز کیا اُس دن مجھے اپنی قوتِ سماعت اور خوش بختی پر یقین ہی نہیں آیا۔ زندگی ایک سیدھے راستے پر بڑے سکون سے گزر رہی تھی جب تم سے ملاقات ہو گئی۔ جم تمہارے کھیل تماشے دیکھ چکا تھا، لارڈ اسمتھ کی موت کی سازش بے نقاب ہونے کے بعد وہ تمہارا مداح ہو گیا تھا۔ اُنہی دنوں جم کو جرمن سائنسدان کو اغواء کرنے کی اہم ذمہ داری سونپی گئی، جم اس مشن سے اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا، وہ اگر ناکام ہو جاتا تو محکمہ میں اُس کی ساری کی ساری ساکھ مٹی میں مل جاتی۔ جم نے بڑے غور و خوض کے بعد تمہارا انتخاب کیا۔ مجھے بھی یقین تھا کہ تم اپنی رُوحانی قوتوں سے جم کی مشکل آسان کر سکتے ہو۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے وہ تمہارے علم میں ہیں۔''

''اس مہم میں، میں نے تمہیں جم سے چھین لیا تھا۔'' میں نے بالوں کی ایک آوارہ لٹ جین کے چہرے سے ہٹا کر اُس کے لب چوم لئے، اُس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

''تمہارے لندن سے جانے کے بعد ممی کو دوسری بار شوہر کی جدائی کا غم برداشت کرنا پڑا۔'' جین نے طویل سانس لے کر کہنا شروع کیا۔ ''اس بار وہ اپنی بیوگی کا غم برداشت نہ کر سکیں۔ مجھے اُن کی پریشانیوں کی اطلاع ملتی رہی۔ پھر جب یہ بات میرے علم میں آئی کہ ممی پر فالج کا حملہ ہوا ہے تو میں اُنہیں منا کر اپنے ساتھ لندن لے آئی۔ تب سے وہ میرے ساتھ اسی فارم ہاؤس میں ہیں جو تمہاری مہربانی اور محکمہ کی عنایت سے میرے حصے میں آیا ہے۔''

''ایک بات کہوں اگر تم برا نہ مانو.....''

''میں جانتی ہوں تم کیا کہو گے.....؟'' جین مجھ سے علیحدہ ہو کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ ''ممی اس بات کے حق میں نہیں ہیں کہ میں تمہارے ساتھ شادی

کروں۔ اسٹیٹس کا بھوت اُن کے دماغ پر اس لئے سوار رہتا ہے کہ وہ اپنی محرومیوں کے سبب ازدواجی زندگی کے تلخ حقائق سے دوبار حالات کا شکار ہو چکی ہیں۔"

"اگر میں سنجیدگی سے مشورہ دُوں کہ تم اپنی ممی کے تجربات سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کرو تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟"

جین نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا۔ اُس کا خیال تھا کہ میں نے محض اُسے چھیڑنے کی خاطر وہ بات کہی ہوگی۔ لیکن جب میری سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آیا تو وہ کسی خونخوار بلی کی طرح ایک لمحہ مجھے گھورتی رہی، پھر جھپٹ کر مجھے پوری شدت سے اپنی حسین اور گداز بانہوں میں جکڑ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مجھے اُسے منانے میں خاصا وقت لگا۔ وہ اس وعدے پر اپنی خواب گاہ میں گئی تھی کہ میں پھر کبھی مذاق میں بھی اُسے ماں کا فیصلہ تسلیم کرنے کا مشورہ نہیں دُوں گا.....!

میں خواب خرگوش میں بھی جین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُس کی محبت جنون کا رنگ اختیار کرنے لگی تھی۔ رات میں نے اُسے بڑی مشکل سے اُس کی خواب گاہ تک پہنچایا تھا۔ وہ ڈرائنگ رُوم میں صوفے پر ہی میرے ساتھ سونے پر مُصر تھی۔ آگ اور پٹرول کا ساتھ مناسب نہیں تھا، اُس کا جوان اور گداز قرب میرے اندر چھپے وحشی انسان کو بار بار اُکسا رہا تھا۔ پہلے بھی مجھے برلن میں بے شمار ایسے مواقع ملے تھے کہ میں اُس کی سرکش جوانی کو تسخیر کر سکتا تھا لیکن میں نے اس سے گریز کیا۔ وہ لندن کی عام لڑکیوں سے مختلف تھی۔ مجھے یاد ہے ایک بار اُس کے ہونٹوں کی چاشنی میرے جسم میں گھلی تو میں بے خود ہو گیا تھا۔ وہ بھی طوفان کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھا رہی تھی۔ میں لنگر کھول دیتا تو شرم و حیا کے سارے تقاضے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ میرے ساتھ جین بھی موجوں کے زیر و بم پر بہتی بیچ منجدھار میں چلی گئی ہوتی۔ لیکن اُس نے اپنے پاؤں رپٹنے سے پہلے بہکی بہکی آواز میں کہا تھا۔

"دولت علی..... میں تمہاری امانت ہوں۔ لیکن وقت سے پہلے اس امانت میں خیانت مت کرو۔"

"جین۔ میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔" میں نے بکھری بکھری سانسوں کے درمیان درخواست کی۔ "تم مجھ سے دُور چلی جاؤ، ورنہ پانی کا دوسرا ریلا میرے قدم اُکھاڑ دے گا۔"

جین مجھ سے دُور ہو گئی۔ اُس وقت جین میرے رحم و کرم پر تھی، میں چاہتا تو وہ ہنستی مسکراتی میری آغوش میں ڈھیر ہو جاتی۔ اب بات بہت آگے نکل چکی تھی۔ میں یہ کہوں کہ جین میری محسنہ تھی تو غلط نہ ہوگا۔ وہ مجھے بمبئی جیسے دُور دراز سفر کے بعد موت کے چنگل سے نکال کر لندن لے آئی تھی۔ اُس نے میرے علاج معالجے میں بے دریغ دولت لٹائی۔ میرے کٹے ہوئے ہاتھ کی جگہ مصنوعی ہاتھ لگوا دیا، مجھے اپنے ساتھ اپنی چھت کے نیچے لے آئی۔ اُس نے مجھے زندگی کی نوید دی، جینے کا سہارا دیا، رہنے کا ٹھکانا فراہم کیا۔ میں اُس

کے اعتماد پر شب خون مار دیتا تو خود اپنی نگاہوں میں گر جاتا۔ پریتم لال کو دیا ہوا عہد ٹوٹ جاتا، کلدیپ کی رُوح بھی تڑپ اُٹھتی۔ میں نے اپنی ذات کو رُسوا نہیں ہونے دیا، سمجھا بجھا کر جین کو اُس کی خوابگاہ تک پہنچا دیا۔ وہ مچل رہی تھی۔ بار بار میرے کشادہ سینے میں سر چھپا کر سسکنے لگتی۔ اُسے میری کسی بات سے یہ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ میں اُس کے ساتھ زندگی کے سفر پر بہت دُور تک نہ جا سکوں گا، راستے میں کسی پڑاؤ پر اُسے تنہا چھوڑ کر آگے نکل جاؤں گا۔ اُس کا اندیشہ غلط بھی نہیں تھا۔ میں کھل کر اُسے مجبوریوں کا احساس دلانے سے قاصر تھا۔ وہ بڑے نازک احساسات کی مالک تھی۔ ایک ذرا سی ٹھیس لگتی تو اُس کا شیشۂ دل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا، وہ بکھر جاتی، اُسے سمیٹنا مشکل ہو جاتا۔

''ہوش سے کام لو جین۔'' میں نے اُسے دلاسا دیا۔ ''تم اب ایک ذمہ دار آفیسر ہو، اتنی جلدی ہمت ہار دو گی تو ترقی کی راہیں کس طرح طے کرو گی؟ ابھی تو تمہارے سامنے پوری زندگی پڑی ہے۔''

''نہیں دولت علی، نہیں۔'' وہ میری بانہوں میں مچلنے لگی۔ ''میں حالات سے بڑی خوفزدہ رہتی ہوں، تم ایک بار مجھے واپس آنے کا یقین دلا کر چلے گئے تھے، میں تمہاری یاد میں ایک ایک دن کا شمار کرتی رہی۔ میں نے وہ دن بڑے کرب میں گزارے تھے۔ اب تم واپس آ گئے ہو تو پھر جینے اور مرنے کی باتیں کرنے لگے۔ مجھے ممی کے مشوروں پر عمل کرنے پر اُکسا رہے ہو، تمہارے دل میں کیا ہے؟ مجھے ایک بار کھل کر صاف صاف بتا دو۔''

''بچوں جیسی باتیں مت کرو جین۔'' میں نے اپنی مجبوری کو خوبصورت انداز میں بیان کیا۔ ''میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔ اگر بھاگنا ہوتا تو تمہارے ساتھ آتا ہی کیوں؟ عقل سے کام لینے کی کوشش کرو۔''

''مجھ سے ایک وعدہ کرو۔'' اُس نے مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ ''تم بہت جلد مجھے اپنا بنا لو گے، میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔ ممی کی فکر مت کرو، میں اُنہیں بھی تمہارے سلسلے میں آمادہ کر لوں گی۔''

''مجھے تھوڑا وقت دو جین۔'' میں نے اُس کے کپکپاتے ہونٹوں کی سرخی چراتے ہوئے نیا بہانہ تراشا۔ ''میں اپنی کھوئی ہوئی قوتیں دوبارہ حاصل کرنے کی خاطر کچھ مشق اور ریاضتیں کر رہا ہوں۔ مجھے کامیاب ہو لینے دو۔ اس کے بعد میں تمہاری ہر خواہش کے آگے

سرِ تسلیم خم کر دُوں گا۔''

''سچ.....؟'' اُس کی حسین آنکھوں میں کہکشاں جگمگانے لگی۔ ''میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟''

میں اُسے سمجھا بجھا کر اُس کی خوابگاہ میں چھوڑ آیا تھا۔ اب اُس کا تصور مجھے خواب میں پریشان کر رہا تھا جب اچانک میرے سر پر شدید چبھن ہوئی..... وہی مانوس چبھن جو انکا کے وجود کا احساس دلاتی تھی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

انکا کی نگاہوں میں نفرت اور انتقام کے جذبے اُمنڈ رہے تھے۔ اُس کا چہرہ خون کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اُس کے پاس میرے لئے بری خبر رہی ہو گی۔ میں نے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔

''کیا بات ہے؟ اس قدر غضبناک اور بھیانک کیوں نظر آ رہی ہو.....؟''

''مجھے اجازت دو جمیل۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں اُس کے گندے خون سے اپنے وجود کو سیراب نہیں کروں گی۔ لیکن اُسے ایسی عبرتناک موت ماروں گی کہ اُس کی آتما کو بھی کبھی چین نصیب نہیں ہو گا۔''

''کس کی بات کر رہی ہو انکا رانی؟'' میں نے انکا کو اس بار پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ اُس کا اشارہ کس کی جانب تھا، میں سمجھ رہا تھا۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔

''میں اُس حرامزادے جیکب کی بات کر رہی ہوں جو اب حد سے گزر جانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔'' انکا غصے میں ہاتھ مسلتے ہوئے بولی۔

''کوئی تازہ خبر.....؟''

''ہاں'' انکا تلملا کر بولی۔ ''وہ اس وقت جین کی ماں کی خوابگاہ میں ننگ دھڑنگ کھڑا تمہاری موت کے منصوبے بنا رہا ہے۔''

''تمہیں کس بات پر غصہ ہے؟'' میں نے انکا کو چھیڑنے کی خاطر مسکرا کر پوچھا۔ ''جیکب کے ننگ دھڑنگ ہونے پر یا اس منصوبے پر جو میرے خلاف طے پا رہا ہے؟''

''مذاق میں مت ٹالو جمیل۔'' انکا پیچ و تاب کھانے لگی۔ ''پانی اب سر سے اُونچا ہونے لگا ہے۔ جین کا خیال نہ ہوتا تو میں اُس بدبخت کو اب تک بڑی اذیتناک موت سے ہمکنار کر چکی ہوتی۔''

''جین کے ساتھ ساتھ تمہیں اُس کی ماں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔'' میں نے شوخی سے جواب دیا۔ ''جیکب مر گیا تو اُس بڑھیا کے ارمان بھی اُسی کے ساتھ دفن ہو جائیں گے۔''

جواب میں انکا نے مجھے خشمگیں نظروں سے گھورا۔ ''میں تمہیں ایک اہم بات اور بتانا چاہتی ہوں، پریتم لال مہاراج نے مجھے تمہارے پاس لاتے وقت بتایا تھا کہ اب میں صرف اس کے دائرہ اختیار میں ہوں۔ جب تک اس کی پوتر آتما میرے حق سے دستبردار نہیں ہو جاتی، دھرتی کا کوئی پنڈت یا پجاری مجھے اپنے قبضے میں کرنے کا سپنا بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

''اوہ، گویا تم اب پریتم لال کی طرف سے میرے لئے ایک تحفہ ہو؟''

''ایسا نہیں ہے.....'' انکا نے انکساری سے کہا۔ ''مہاراج کے انوسار میں اب بھی اسی طرح تمہارے تابع ہوں جیسے پہلے تھی، میں تمہارے کسی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ لیکن مہاراج نے ایک اور بات بھی کہی تھی۔''

''وہ کیا.....؟''

''مجھے ہر حال میں تمہاری حفاظت کا خیال رکھنا ہوگا.....'' انکا نے خلاء میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا کہنا چاہ رہی ہو انکارانی.....؟'' میں نے انکا کو تیکھی نظروں سے گھورا۔

''بات سمجھنے کی کوشش کرو جمیل صاحب.....'' انکا نے میرے سوال کی وضاحت کرنے کی بجائے مچل کر کہا۔ ''جین کی ماں کو کل رات تک اس بات کا علم نہیں تھا کہ تم وہی ہو جس نے اسپارٹا اور سلیمان بے جیسے عظیم جادوگروں اور شعبدہ بازوں کو ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں ننگی کا ناچ نچا دیا تھا، جین نے کھانے کے دوران تمہارے ماضی کے کارناموں کو کرید کر اُس بڑھیا کے کان کھڑے کر دیئے ہیں۔ اُسے مفلوج بھی نہ سمجھو، وہ بڑی حرفوں کی بنی ہوئی ہے۔ ایک معمولی مرض کو اُس نے ڈاکٹروں سے مل کر فالج کا رنگ اس لئے دے دیا کہ جین کی پوری پوری ہمدردی حاصل کر سکے۔ بے حد چالاک اور خرانٹ واقع ہوئی ہے۔ اُسے تمہارے بیان پر بھی شبہ ہے کہ تم اپنی رُوحانی قوتیں کھو چکے ہو۔ اُس کا خیال ہے کہ تم نے وہ بات صرف اُسے سنانے کے لئے کہی ہوگی۔ وہ اب تمہاری طرف سے پوری طرح محتاط ہوگئی ہے۔ اپنے خطرناک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر اس وقت بھی بڑی بے غیرتی سے جیکب کو نواز رہی ہے۔ اُس نے جیکب کو ایک بڑے انعام کا لالچ

دے کر اس بات پر ہموار کر لیا ہے کہ وہ پہلی فرصت میں جین کے راستے سے تمہارا کانٹا ہمیشہ کے لئے نکال پھینکے گا۔''

انکا کی بات سن کر مجھے سنجیدگی اختیار کرنی پڑی۔ جیکب کوئی مسئلہ نہیں تھا، میرے ایک اشارے کی دیر تھی، انکا اُس کو جہنم میں چھلانگ لگانے پر بھی مجبور کر دیتی۔ مجھے صرف جین کا خیال تھا، وہ ایک ذمہ دار آفیسر تھی۔ جس مضافاتی علاقے میں رہتی تھی وہاں کے لوگ اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جیکب کی موت اُس کے لئے پریشانی کا سبب بن سکتی تھی۔ انکا کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق جیکب پولیس کو مطلوب ایک مفرور مجرم تھا۔ یہ بات کھلتی تو ہر طرف چرچے شروع ہو جاتے۔

''کیا سوچ رہے ہو جمیل.....؟''

''میرا خیال ہے کہ جیکب کا فوری طور پر چھٹی لے کر یہاں سے کہیں دُور چلا جانا زیادہ مناسب ہوگا۔'' میں نے کافی غور و خوض کے بعد سنجیدگی سے کہا۔ ''پولیس اُسے ہفتہ دس دن بعد کسی دوسرے جرم کی پاداش میں بھی گرفتار کر سکتی ہے۔ جو صورت بھی ہو، لیکن جین کا نام کسی حوالے سے درمیان میں نہیں آنا چاہئے۔''

''یہی بات تم مجھے سر سے اُتر جانے کا نادر شاہی حکم دینے سے پیشتر بھی کہہ سکتے تھے۔'' انکا نے اٹھلا کر کہا۔ ''میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب تمہاری نگاہوں میں میری کوئی وقعت نہیں رہی۔''

''میں نے کبھی تم سے ایک درخواست کی تھی مگر تم نے اس پر عمل نہیں کیا۔'' میں نے لمبی سانس لے کر انکا کو شکایتی نظروں سے گھورا۔

''ہو سکتا ہے اُس وقت تمہاری انکارانی کسی دوسرے کے قبضے میں ہو۔ ورنہ تم کوئی حکم دو اور میں انکار کر دُوں؟'' انکا کے لہجے میں لگاوٹ تھی۔ وہ میرے بالوں کے درمیان آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی، گنگناتے لہجے میں کہا۔ ''تم اپنی انکا کو سمجھ ہی نہیں سکے جمیل۔ ورنہ ایسی بات کبھی نہ کہتے۔ اب آزما کر دیکھ لو، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔''

''سوچ لو..... کہیں بعد میں کوئی ملال نہ ہو۔''

''تمہارے ہاتھوں مجھے موت بھی گوارا ہے۔'' انکا نے بہکے بہکے لہجے میں سرگوشی کی، پھر دل پر ہاتھ مار کر مستی کے عالم میں بولی۔ ''چلو، آج یہ فیصلہ ہو جائے کہ ہم دونوں میں

سے کون ایک دوسرے کو زیادہ چاہتا ہے۔''

''زبان دے رہی ہو؟''

''میں دل ہار چکی ہوں، تم زبان کی بات کر رہے ہو.....'' انکا نے توبہ شکن انگڑائی لے کر شرابی لہجے میں جواب دیا۔ اُس کی شوخ نظروں میں جام و مینا گلے مل رہے تھے۔

''رات جین کے قرب نے دل پر نشتر چلائے تھے، اب تمہاری ادائیں چھریاں چلا رہی ہیں۔'' میں نے انکا کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے حسرت بھرے انداز میں مخاطب کیا۔ ''میں نے پہلے بھی درخواست کی تھی انکارانی۔ آج پھر اسی خواہش کا اعادہ کر رہا ہوں، صرف ایک بار اپنی بھرپور جوانی، حسن کی تمام تر حشر سامانیوں کے گداز کو اپنے دراز قد میں سمو کر میرے پہلو میں آجاؤ، میری بانہوں میں سما جاؤ۔ پھر تمہیں کبھی مجھ سے شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ وعدہ رہا، میں تمہاری جنم جنم کی پیاس بجھانے میں کسی بخل سے کام نہیں لوں گا۔''

''کاش..... کاش تمہاری خواہش کا احترام میرے اختیار کی بات ہوتی۔'' انکا نے جذباتی نظروں سے مجھے گھورا، میرے بالوں کے بستر پر ٹانگیں پسار کر لیٹ گئی، ہیجانی انداز میں لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ وہ مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے موڈ میں تھی۔ میں نے کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر جین کی ماں بڑی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ ماریا بڑی مستعدی سے اپنے کاموں میں مصروف تھی، جین دفتر جانے کے لئے تیاری کر رہی تھی۔ ناشتے کی میز پر جین کی والدہ، ماریا اور میرے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ میں نے ماریا کو غور سے دیکھا، پھر مورگن کے بارے میں سوچنے لگا جو اس نوخیز کلی کو شادی کے صرف سات ماہ بعد چھوڑ کر کہیں گم ہو گیا تھا۔ ماریا کو یقین تھا کہ وہ ملک چھوڑ کر کہیں باہر چلا گیا ہوگا۔ تین سال گزر جانے کے بعد بھی وہ اُسی کی راہ تک رہی تھی۔ ماریا نہ صرف قبول صورت بلکہ مورگن سے وفادار بھی تھی۔ نہ ہوتی تو کسی دوسرے کا ہاتھ تھام لیتی۔ اُس کے سراپا میں وہ تمام خوبیاں، دلکشی اور مقناطیسی کشش موجود تھی جو جنس مخالف کو اپنا گرویدہ بنا سکتی تھی۔ میں نے اُسے اپنے کام سے کام رکھتے دیکھا تھا۔ وہ زیادہ باتیں کرنے کی عادی نہیں تھی۔ جب سے میں جین کے ساتھ فارم ہاؤس میں آیا تھا وہ صرف دو تین ہی موقعوں پر مجھ سے ہمکلام ہوئی تھی۔ وہ بھی اُس وقت جب میں نے کسی کام کی غرض سے اُسے مخاطب کیا۔

''کیا بات ہے جمیل.....؟'' انکا نے میرے سر پر کسمساتے ہوئے شوخی سے سوال کیا۔

''یہ آج تم ماریا کو اتنے غور سے کیوں گھور رہے ہو؟''

''کیوں؟ کیا حسین و جمیل چہرے دیکھنا گناہ ہے؟''

''ہرگز نہیں.....'' انکا نے پہلو بدلا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ تم آہستہ آہستہ دوبارہ زندگی کی رنگینیوں کی طرف واپس قدم اُٹھا رہے ہو۔ کبھی وہ زمانہ تھا جب تم بڑے بڑے خاندانوں کی شوخ و شنگ، الہڑ حسیناؤں کی بھیڑ میں گھرے رہتے تھے۔ اُنہیں لباس کی طرح بدلنے کے عادی تھے، تمہاری بھوک کے ساتھ ساتھ میری پیاس بھی مٹ جاتی تھی۔''

''میں سمجھ رہا ہوں انکارانی۔ کہ تم اس وقت کیوں چہک رہی ہو۔'' میں انکا کا مفہوم بھانپ کر سنجیدہ ہو گیا۔ ''ماریا کا خیال دل سے نکال دو۔ یہ بھی مت بھولو کہ یہ جین کی رہائش گاہ ہے۔ میں اس چھت کے نیچے تمہاری خواہش کی تکمیل سے قاصر ہوں۔''

''ان کھیت اور باغوں کے بارے میں کیا خیال ہے جہاں موسمی پھلوں کی بھینی بھینی خوشبو میں زرخیز زمین کی سوندھی سوندھی مہک بھی رچی بسی رہتی ہے؟'' انکا سر سے پھدک کر میرے شانوں پر آ گئی۔ دونوں پاؤں ہلاتے ہوئے بڑی رازداری سے بولی۔ ''ان لہلہاتے کھیتوں کے اندر کیا کچھ نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی تو میں بھی شرم سے آنکھیں بند کر لیتی ہوں۔ گوری چٹی لڑکیوں کی جسارت دیکھو گے تو تم بھی پانی پانی ہو جاؤ گے۔''

''تم شاید مجھے اُکسانے کی کوشش کر رہی ہو؟''

''یہ تمہارا وہم ہے۔'' انکا نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ تم نے ابھی تک جین کے بارے میں سنجیدگی سے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''

''کیا مطلب.....؟'' میں نے انکا کو گھورا۔

''رقابت کی آگ کی حدّت سیسے کو بھی پگھلا دیتی ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''پریتم لال مہاراج کو دیئے ہوئے وچن کے مطابق تم کسی کو زندگی کا ہمسفر نہیں بنا سکتے، جین کو جھوٹے وعدوں کی الگنی پر کب تک لٹکائے رہو گے جمیل؟ اُسے اپنے آپ سے متنفر کرنے کی خاطر تمہیں کہیں نہ کہیں تو دل لگانا پڑے گا، کوئی ایسا ڈرامہ ترتیب دینا ہوگا جسے دیکھ کر جین محسوس کر سکے کہ تم بھی جم کی طرح کسی وقت اپنی منزل کا رُخ بدل سکتے ہو..... تمہیں کلدیپ کی آتما کو شانت رکھنے کی خاطر کوئی نہ کوئی ایسا راستہ ضرور اختیار کرنا ہوگا جو جین کے دل میں

تمہاری محبت کو نفرت کے رُوپ میں تبدیل کر دے.....''

''جین بڑی حساس، بڑے نازک دل کی مالک ہے۔ میں نے بے وفائی کا اظہار کیا تو اُس کا دل ٹوٹ جائے گا، ہوسکتا ہے وہ کوئی انتہائی قدم اُٹھالے۔'' میں نے پُر خیال انداز میں کہا۔ ''تم میرے حالات سے واقف ہو، اس وقت میں بے سہارا ہوگیا تھا جب کلدیپ کالی کو دیئے ہوئے عہد کو پورا کرنے کی خاطر میرا ساتھ چھوڑ گئی تھی، میری دنیا اندھیر ہوگئی، مجھے کچھ نہیں سجھائی دیتا تھا، میں دیوانہ ہوگیا۔ میں نے سیّد مجذوب کو بھی ناراض کر دیا۔ میں نے موت کی تمنا کی لیکن موت بھی میری زندگی کا مذاق اُڑانے پر تلی ہوئی تھی، وہ جمیل احمد خان جس نے اپنے بدترین دشمن بدری نرائن کو کالی کے مہمان سیوک امر لال کی موجودگی میں کتوں جیسی موت مارا تھا۔ کالی کے بڑے مندر میں میرے جانے سے کھلبلی مچ جاتی تھی، پتھر کے بتوں کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ جاتی تھیں۔ بڑے بڑے پنڈت، پجاری اور سادھو میرا نام سن کر لرزنے لگتے تھے۔ تم گواہ ہو انکارانی جب تم تربینی کے سر پر تھیں اُس وقت بھی میرے جنون میں کوئی نمایاں کمی نہیں آئی۔ تمہاری بات اور ہے، تم لازوال قوتوں کی مالک ہو لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا جب میں نے تمہارے ہونے نہ ہونے کی پرواہ بھی نہیں کی۔ جو بھی میری راہ میں آیا اُسے خس و خاشاک کی طرح پیروں تلے روندتا چلا گیا، کلدیپ میری زندگی کا آخری سرمایہ تھی۔ جب اُس نے بھی منہ موڑ لیا تو میں نے صرف موت کی تمنا کی تھی۔ سیّد مجذوب کی متبرک لاٹھی کے سوا میں نے تمام ہتھیار ڈال دیئے، اپنے دل پر جبر کر کے تمہیں بھی اپنے وجود سے علیحدہ کر دیا۔ بمبئی کی فٹ پاتھ پر موت کی تلاش میں بھٹکتا رہا، حقیر کیڑوں جیسے چھوٹے موٹے افراد بھی مجھے دیکھ کر قہقہے لگاتے تھے۔ میں زبان کھول دیتا تو پوری بمبئی میں بھونچال آجاتا، ہر شے تہس نہس ہو جاتی۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا، مجھے موت کی آرزو تھی۔ رات دن پتھریلی فٹ پاتھ پر ایڑیاں رگڑتے رگڑتے میرے زخموں نے ناسور کی شکل اختیار کر لی۔ میرے وجود سے اُبھرنے والا تعفن راہ گیروں کو میرے قریب آنے سے روکنے لگا، وہ ناک پر رُومال رکھ کر مجھ سے کترا کر گزر جاتے تھے۔ ایسے میں جین ہزاروں میل کا سفر طے کر کے مجھے تلاش کرتی ہوئی ہندوستان آ گئی، اُس نے جمیل احمد خان کو ایک نیم وحشی اور دیوانے کے رُوپ میں اذیت ناک حالات سے دوچار دیکھا تو اُس کی غزالی آنکھوں میں نفرت کا احساس نہیں جاگا۔ وہ اپنے جوان

مہکتے جسم اور حسن کی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ دوڑ کر دیوانہ وار مجھ سے لپٹ گئی، اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا، اپنے سینے کی کشادگی میں چھپا کر وہ مجھے ہندوستان سے لندن لے آئی۔ میں جو اُس کا محبوب تھا، جس کی خاطر اُس نے دنیا جہان کی خوشیاں حرام کر لی تھیں۔ میں اُس کی قربانیوں کو اتنی آسانی سے کیسے فراموش کر دُوں؟ اُس نے میری بے وفائی کے غم میں موت کو گلے لگا لیا تو میں اپنے آپ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟''

''میں تمہاری مجبوری سمجھ رہی ہوں جمیل۔'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر کچھ توقف سے دبی زبان میں بولی۔ ''تم جم کو کیوں فراموش کر رہے ہو.....؟''

''میں سمجھا نہیں.....؟'' میں نے انکا کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''جم بھی کبھی جین کا دم بھرتا تھا۔ اُس وقت تم درمیان میں آ گئے۔ جرمنی کی مہم میں جین کے حسین اور جوان قرب نے تمہیں ریشہ خطمی بنا دیا۔ میں نے تمہاری خاطر جم کی محبت کا رُخ سارا کی جانب پھیر دیا۔ آج وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمیں جین کے سلسلے میں بھی ایسا ہی کوئی منصوبہ بنانا پڑے گا۔ اس کی جذباتی محبت کے تیز بہاؤ کا رُخ کسی مناسب نوجوان کی طرف موڑنا ہوگا۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا۔ ورنہ جیسے جیسے وقت اور دن گزرتے جائیں گے، اُس کے دل میں تمہاری محبت کا پودا تناور درخت کی شکل اختیار کرتا جائے گا۔''

''تم.....تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میں نے مضمحل آواز میں انکا کے مشورے کی تائید کی۔

''مجھ پر اعتماد کرو جمیل۔'' انکا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''میں کوئی مناسب وقت اور موقع دیکھ کر ایسا قدم اُٹھاؤں گی کہ تمہاری جین کی زندگی بھی محفوظ رہے اور اُس کا گھر بھی آباد ہو جائے۔''

جین تیار ہو کر آئی تو ناشتہ شروع ہوگیا۔ وہ بظاہر ناشتہ کر رہی تھی مگر اُس کی نظریں بار بار میری جانب اُٹھ رہی تھیں۔ ان مخمور نگاہوں میں رات کا نشہ ابھی تک چھلک رہا تھا، مستقبل کے ارمان مچل رہے تھے۔ انکا ہم دونوں کو دلچسپ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے چونک کر خلاء میں دیکھا اور تیزی سے رینگ کر میرے سر سے اُتر گئی۔

''پکنک کے سلسلے میں سارا کو تمہارا کیا جواب دُوں؟'' جین نے مجھے چھیڑنے کی خاطر معنی خیز نظروں سے گھورا۔

''اُس نے اگر مدعو کیا ہے تو میں سر کے بل چلوں گا۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''تمہارا آج کا کیا پروگرام ہے؟''

''میں جو مشقیں کر رہا ہوں ابھی اس میں تھوڑا وقت اور لگے گا۔'' میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا، پھر ماریا کی سمت دیکھ کر بولا۔ ''کیا مورگن کی ابھی تک کوئی خیر خبر نہیں ملی؟''

''جی نہیں.....'' ماریا نے دبی زبان میں جواب دیا۔ جین کی ماں نے مجھے تیز نظروں سے گھورا، شاید اُسے اس وقت میرا ماریا سے مورگن کے سلسلے میں دریافت کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ جین ناشتے میں مصروف رہی۔ میں نے مفلوج بڑھیا کو نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ ماریا کو مخاطب کیا۔ ''تم نے کبھی مورگن کے گھر والوں سے اُس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی.....؟''

''وہ ہماری شادی کے خلاف تھے اس لئے میں نے مورگن کے بعد اُن سے ملنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔'' ماریا کے لہجے میں کسک شامل تھی۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ تین سال بعد بھی کسی روز اچانک.....''

''مسٹر دولت علی.....'' جین کی ماں نے مجھے بڑے رُوکھے انداز میں ٹوکا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہمیں ماریا اور مورگن کے سلسلے میں زیادہ چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ان دونوں کا ذاتی معاملہ ہے۔''

''آپ نے درست فرمایا۔'' میں نے سنبھل کر جوابی حملہ کیا۔ ''مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔ کبھی جیکب نے اگر میرے اور جین کے معاملے میں دخل اندازی کی حماقت کی تو مجھے بھی یقیناً اُس کی مداخلت ناگوار گزرے گی۔''

جین کی ماں جیکب کے حوالے پر میرا جملہ سن کر اس طرح چونکی جیسے نقب زنی کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ جین نے جلدی سے ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کی خاطر مجھے مخاطب کیا۔

''میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم نے برلن میں کس قدر ناقابل یقین اور حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا تھا۔ مجھے یاد ہے جب تم نے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے آنکھ بند کر کے کہا تھا کہ ہمارا مطلوبہ سائنسدان اپنی مرضی سے اس جہاز میں جا کر بیٹھ گیا ہے جس میں اُسے

اغواء کیا جانا تھا۔'' جین کا چہرہ تمتمانے لگا۔ ''میں سمجھی تھی کہ تم مذاق کر رہے ہو۔ لیکن جب جم نے فون پر تمہاری بات کی تصدیق کی تو میں حیرت سے اُچھل پڑی۔ وہ سب کچھ بڑا حیرت انگیز تھا۔ میں ششدر رہ گئی تھی۔ آج وہ ساری باتیں مجھے خواب لگتی ہیں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جین کے بیان پر اُس کی ماں کے چہرے پر اضطراب کی کیفیتیں اور نمایاں ہو گئیں۔ ماریا نے پہلی بار مجھے بہت غور سے دیکھا، وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔

''دولت علی'' جین روانی میں بولتی چلی گئی۔ ''مجھے یقین ہے کہ تم نے اس وقت مورگن کا ذکر بلاوجہ نہیں چھیڑا ہوگا۔ مجھے یہ محسوس کر کے خوشی ہو رہی ہے کہ تمہاری حالت پہلے سے بہت بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ کیا تم مورگن کے سلسلے میں بھی کوئی حیرت انگیز انکشاف کرنے والے ہو.....؟ اگر ایسا ہوا تو کم از کم مجھے کوئی تعجب نہیں ہوگا۔ البتہ ماریا خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔''

اسی وقت انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ وہ بڑی مطمئن نظر آ رہی تھی۔

''سر.....'' ماریا نے جین کی بات سن کر میری سمت ملتجی نظروں سے دیکھا۔ ''کیا آپ مجھے مورگن کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟''

''ایسی احمقانہ باتیں مت کرو۔'' جین کی ماں نے ماریا کو گھورا۔ ''مسٹر دولت علی بتا چکے ہیں کہ ان کی رُوحانی قوتیں کسی وجہ سے چھن چکی ہیں۔''

''بہت خوب.....'' انکا دیدے مٹکانے لگی۔ ''میں ایک منٹ کو سر سے اُتری اور تم نے ماریا سے بھی چکر چلا دیا۔''

''کہاں گئی تھیں؟''

''تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے۔'' انکا نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''جیکب خاموشی سے اپنا سامان لپیٹ کر یہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔ جاتے وقت اُس نے میرے اشارے پر اپنی ایک تحریر بھی جین کے نام چھوڑی ہے۔ اُس نے اقرار کیا ہے کہ خرانٹ بڑھیا نے اُسے تمہارے قتل پر اُکسایا تھا۔ اس لئے وہ باوجوہ۔ دال، فے، عین ہو رہا ہے.....''

''وہ تحریر کسی اور کے ہاتھ لگ گئی تو.....؟'' میں نے ایک ممکنہ خدشے کا اظہار کیا۔

''پریشان مت ہو۔'' انکا بڑے اعتماد سے بولی۔ ''جین دفتر جاتے وقت کسی کام سے

جیکب کے کوارٹر میں جھانکے گی۔ اور وہ تحریر اُس کے ہاتھ آجائے گی۔"

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟" ماریا نے مجھے خاموش دیکھ کر دوبارہ اپنا سوال دُہرایا۔

میں نے جواب دینے کی بجائے آنکھیں بند کرلیں۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے میں اپنی رُوحانی قوتوں کے ذریعے مورگن تک رسائی کی کوششوں میں مصروف ہوں۔ چند لمحے یونہی پیشہ ورانہ انداز میں بیٹھا ہونٹ ہلاتا رہا، پھر انکا سے مورگن کے بارے میں حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں آنکھیں کھول کر ماریا سے کہا۔

"مورگن ملک چھوڑ کر کہیں باہر نہیں گیا..... اس وقت بھی وہ تمہاری دسترس سے زیادہ دُور نہیں ہے۔"

"یہ..... یہ ناممکن ہے سر۔" ماریا ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔ "وہ اگر کہیں قریب ہوتا تو مجھ سے ملنے ضرور آتا۔"

"ایک مجبوری اُس کے پیروں کی زنجیر بن گئی ہے۔" میں نے ماریا کی بے چین آنکھوں میں دُور تک جھانکتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے یہاں آنے پر آمادہ کرسکتا ہوں لیکن ایک شرط پر۔ تمہیں پرانی باتوں کو بھولنا ہوگا، اُس کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا ہوگا۔ خوشگوار زندگی گزارنے کی خاطر ساری کوتاہیوں کو درگزر کرنا ہوگا۔ تم بیتی باتوں کو کبھی دُہرانے کی غلطی نہیں کروگی۔"

"بہت اچھے جارہے ہو جمیل صاحب....." انکا مٹک کر بولی۔ "میری مانو تو دنیا کے سارے کھٹ راگ چھوڑ کر یہی دھندا شروع کردو، میں تمہارے اِردگرد آنکھ کے اندھوں اور گانٹھ کے پوروں کا جم غفیر لگادُوں گی، ویسے بھی یہ سفید چمڑی والے جو اُلّو کو ذہانت اور خوش بختی کی علامت سمجھتے ہیں کسی ہندوستانی سے زیادہ کچے عقیدوں کے مالک اور توہم پرست ہوتے ہیں۔"

"کیا غلطی سرزد ہوگئی ہے مورگن سے.....؟" ماریا پریشان ہوگئی۔ "خدانخواستہ وہ کسی مصیبت میں تو گرفتار نہیں ہوگیا؟"

"تم صرف اُسے معاف کردینے کا وعدہ سچے دل سے کرو، میں اُسے دو روز کے اندر اندر تمہارے پاس واپس بلاسکتا ہوں۔"

"میں تیار ہوں مسٹر دولت علی....." ماریا پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہونے لگی۔

"میں اُسے کچھ نہیں کہوں گی، مجھے اُس سے محبت نہ ہوتی تو تین سال تک اُس کے انتظار میں نہ بیٹھی رہتی۔"

"ٹھیک ہے....." میں نے ٹھوس لہجے میں اُسے یقین دلایا۔ "مورگن دو روز بعد تمہاری نظروں کے سامنے ہوگا۔"

"اگر تم صرف ماریا کو بہلانے کی خاطر ایک سنجیدہ مذاق کررہے ہو تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔" جین کی ماں نے ہونٹ چباتے ہوئے قدرے تلخ لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ "میں نے دنیا دیکھی ہے، بہت سارے غم برداشت کئے ہیں، خوشیوں کی تلاش میں ان پروفیسروں اور روحانی عمل کرنے والوں سے بھی ملی ہوں جو ہر دُکھ کا شرطیہ علاج کرنے کا بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ وہ سب فراڈ ہیں۔ اسٹیج پر اُچھل کود کرنے والے عام مداریوں اور جگلروں کے علاوہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، جو کروں کی ٹوپی سے دس بارہ کبوتر نکال دینا، ایک رنگ کے رُومال کو کئی رنگوں کے رُومالوں میں ظاہر کردینا، یہ سب کچھ شعبدہ بازی ہے، نظر بندی ہے۔ یہ لوگ صرف انسانی نفسیات سے کھیلنے میں مشاق ہوتے ہیں، دوسروں کو اپنی لچھے دار باتوں کے سحر میں اُلجھا کر اتنا مرعوب کردیتے ہیں کہ انسان ان کے آگے بے بس ہوجاتا ہے۔"

"لیکن دولت علی کا شمار ان فراڈ پروفیسروں کی فہرست میں نہیں کیا جاسکتا۔" جین نے ناشتے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے اپنی خفگی کا برملا اظہار کیا۔ "میں نے دولت علی کے حیرت انگیز کمالات اپنی نظروں سے دیکھے ہیں۔ جرمن سائنسدان کا اغواء شعبدہ بازی یا جگلری نہیں تھی، دولت علی نے ہوٹل کے بند کمرے میں بیٹھے بیٹھے اپنی رُوحانی قوتوں کے ذریعے اسے جم کے پاس پہنچادیا تھا۔ اخبار کے وہ تراشے آج بھی میرے پاس بطور سند محفوظ ہیں جس کی حقیقت نے تہلکہ مچادیا تھا، بڑے بڑے ماہر سراغرساں انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔"

جین جذباتی ہونے لگی۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا، وہ میرے سر سے اُتر گئی۔ جین کے چہرے پر خون کی تمازت بتدریج کم ہونے لگی۔ "سوری ممی....." اُس نے اپنی نشست سے اُٹھ کر ماں کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے شرمندگی کا اظہار کیا۔ "میں روانی میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔ لیکن میں نے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں تھا۔"

''اِٹ از آل رائٹ بے بی.....'' جین کی ماں نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

جین مجھے معذرت طلب نظروں سے دیکھتی ہوئی دفتر کے لئے روانہ ہوگئی۔ ماریا ماحول کا رنگ بدلتا دیکھ کر شش و پنج میں گرفتار تھی۔ میں نے چائے کا آخری گھونٹ حلق کے نیچے اُتار کر اُٹھنا چاہا تو جین کی ماں نے روک لیا۔

''دولت علی۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' اُس نے خلاء میں گھورتے ہوئے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔ ''میرا خیال ہے کہ جین نے تمہیں میرے ماضی کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا ہوگا، اُس ضمن میں مجھے تمہاری کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ایک ماں کی حیثیت سے میں نے جین کے مستقبل کے لئے کچھ حسین خواب ضرور دیکھے ہیں۔ مجھے یہ حقیقت تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ ہمارے معاشرے میں ایک خاص عمر کو پہنچ جانے کے بعد ہر فرد واحد کو شخصی آزادی کا حق حاصل ہو جاتا ہے، کوئی کسی پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتا، ہر شخص اپنے عمل، قول و فعل کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ جین اس عمر سے بہت آگے گزر چکی ہے لیکن وہ عام لڑکیوں سے بڑی مختلف ہے۔ کسی بے جان کھلونے سے بھی بے حد متاثر ہو جانا اس کی معصومیت کی دلیل ہے۔ اسے انتہا پسند نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اُس کی کوئی عزیز شے اگر اُس سے چھن جائے تو اس کے دل پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے، وہ خود کو بڑی آسانی سے دوسروں پر اعتماد کر لینے پر آمادہ کر لیتی ہے۔ میں اس عادت کو جین کی زندگی کا منفی پہلو قرار دُوں گی، جم کے سلسلے میں وہ ایک بار پہلے بھی فریب کھا چکی ہے۔ میں اس وقت جین کے پاس نہیں تھی، اُس کے حالات کا علم مجھے ہوتا رہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ایک بار ٹھوکر کھا لینے کے بعد وہ دوبارہ کوئی حماقت نہیں کرے گی۔''

جین کی ماں نے مجھے گہری نظروں سے گھورا، پھر ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

''جب وہ مجھے اپنے پاس یہاں لائی تو اُس نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا، وہ تم سے بہت زیادہ متاثر ہے۔ ایسا ہوتا ہے، کوئی بچہ جب پہلی بار فائر ورک (آتش بازی) دیکھتا ہے تو فضا میں ہلکے ہلکے دھماکوں کے ساتھ بکھرنے والے خوبصورت حسین رنگوں کی آمیزش اور ان سے وجود میں آنے والی مختلف شکلیں اُسے مبہوت کر دیتی ہیں، اُس کے دل پر نقش ہو جاتی ہیں۔ وہ ہر سال اسی موقع کا منتظر رہتا ہے۔ سب کچھ اُسے دُور سے بہت اچھا لگتا ہے لیکن وہ بارود کی اہمیت سے ناواقف ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ بارود کسی

بڑی تباہی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ میں نفسیات کی ماہر نہیں ہوں پھر بھی اتنی سوجھ بوجھ رکھتی ہوں کہ بچوں کو جس کام سے روکا جائے وہ اس کی غرض و غایت کو جاننے کی زیادہ کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ تم اسے انسانی فطرت بھی کہہ سکتے ہو۔''

ماریا جو میری زبانی مورگن کے بارے میں سن لینے کے بعد مزید جاننے کو بڑی مضطرب تھی، جین کی ماں کی پشت پر کھڑی اپنی بے بسی پر ہونٹ چبانے میں مصروف تھی، میں سمجھ رہا تھا کہ جین کی ماں کس بات کی تمہید باندھ رہی تھی، انکا مجھے اس کی اصلیت سے آگاہ کر چکی تھی۔ میں چاہتا تو اُس کی اصلیت بے نقاب کر کے اپنے اشاروں پر بھی نچا سکتا تھا۔ مگر میں نے صبر و تحمل سے کام لیا، مجھے کسی مناسب موقع کی تلاش تھی۔

''کیا تم میرے ایک سوال کا جواب نہیں دو گے؟'' اُس نے کچھ توقف کے بعد سرسراتے لہجے میں کہا۔

''جین میری محسنہ ہے میڈم اور آپ اُس کی ماں ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میں کوشش کروں گا کہ آپ کو یا جین کو میری ذات سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔''

''مجھے اپنے نقصان سے زیادہ جین کا مستقبل عزیز ہے۔''

''میں اس ضمن میں کیا خدمت کر سکتا ہوں.....؟'' میں نے اپنی نشست پر پہلو بدلا۔

''جین تم سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔'' جین کی ماں نے ہاتھ مسلتے ہوئے بڑے ناخوشگوار انداز میں کہا۔ ''وہ تم سے شادی کی خواہشمند ہے۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں.....؟'' میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔

''ہو سکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو لیکن میرا خیال ہے کہ تمہارا اور جین کا جوڑ نامناسب رہے گا۔'' اُس نے الفاظ چباتے ہوئے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''پھر؟.....آپ نے اس کا کیا توڑ مناسب سمجھا ہے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ وہ میرے جملے کی ساخت سے ایک لمحے کو چونکی، پھر خود پر قابو پاتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

''صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو میں جین کی دنیا سے دُور چلی جاؤں یا پھر تم شادی سے انکار کر دو۔''

میں نے ایک لمحے کو ماریا کے چہرے پر نظر ڈالی، وہ جین کی ماں کا جملہ سن کر سٹپٹا گئی تھی،

اُس کی غزالی آنکھوں میں اُبھرنے والا تاثر اس بات کی ترجمانی کر رہا تھا کہ وہ جین کی ماں کی باتوں سے متفق نہیں تھی۔ میں نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر بڑے غور وخوض کے بعد کہا۔

''میڈم۔ میں جین کے جذبات و احساسات سے پوری طرح واقف ہوں، وہ مجھے جنون کی حد تک چاہتی ہے، نہ چاہتی تو مجھے تلاش کرنے کی خاطر ہندوستان کے شہروں اور گلی کوچوں کو کبھی نہ کھنگالتی۔ میں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کروں گا کہ مالی اعتبار سے میں جین کے قدموں کی دُھول بھی نہیں ہوں۔ میں ایک تنہا اور لاوارث شخص ہوں جس کا ماضی بھی خطروں سے پُر تھا اور مستقبل بھی اندیشوں کی لپیٹ میں ہے، مجھے زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہ گیا تھا، میں مرجانا چاہتا تھا جب جین نے اچانک سامنے آ کر مجھے سہارا دیا۔ میں اُس کی خواہش کو رد نہ کر سکا، اُس کے ساتھ لندن آ گیا لیکن.....'' میں نے دیدہ و دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''لیکن کیا دولت علی؟ تم کچھ کہتے کہتے رُک کیوں گئے؟'' وہ مکار بڑھیا میری سچ بیانی کو میری کمزوری سمجھ کر منہ زور ہونے لگی۔ ''اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اس اسٹیٹس کے مالک نہیں ہو جو جین کے مستقبل کو زندگی کی بہترین نعمتیں، خوشیاں اور تحفظ فراہم کر سکے تو تمہاری بڑائی اسی میں ہے کہ تم خاموشی سے اس کے راستے سے علیحدہ ہو جاؤ.....''

''میں نے اس بارے میں ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا، لیکن اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ آپ جین کے بارے میں جو کچھ سوچ رہی ہیں وہ غلط نہیں ہے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری باتوں کا برا نہیں مانا۔'' میرے جواب سے اُس کا چہرہ فاتحانہ انداز میں تمتمانے لگا۔ ''یہ بڑی بات ہے کہ تم مثبت انداز میں مسائل کی تحلیل نفسی کرنے کے قائل ہو۔''

میری نگاہیں پھر ماریا کی سمت اُٹھ گئیں۔ میں جلد بازی میں جین کی ماں کو آئینے میں اُس کی شکل نہیں دکھانا چاہتا تھا، میری نظریں ماریا سے ٹکرائیں تو اُس کی نظریں بول اُٹھیں۔

''نہیں سر..... کسی چاہنے والے کا دل توڑ دینا نیک عمل نہیں ہو سکتا، میں جانتی ہوں کہ چھوٹی میڈم آپ کو ٹوٹ کر پیار کرتی ہیں۔ اُنہوں نے آپ کو اپنے دل کے اندر سجا رکھا ہے، آپ نے بڑی میڈم کی بات مانی تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ میں بھی عورت ہوں۔ عورت، عورت کے دُکھ درد کو سمجھتی ہے۔ میری مثال آپ کے سامنے ہے۔ تین سال کچھ کم

نہیں ہوتے، میری صورت شکل کچھ ایسی بری بھی نہیں کہ مجھے اپنی زندگی کے لئے کسی نئے ہمسفر کی تلاش میں کوئی دُشواری پیش آتی لیکن مورگن میرا محبوب ہے۔ میں نے اُسے چاہا ہے، پھر اُس کی یاد کو کھرچ کر دل سے کس طرح دُور کر سکتی ہوں؟ کسی کی دل شکنی بڑا عظیم گناہ ہے سر۔ آپ بڑی میڈم کی بات ماننے سے انکار کر دیں۔''

''ماریا.....'' مکار بڑھیا نے مجھے ماریا کی طرف متوجہ پا کر اُسے سرد آواز میں حکم دیا۔ ''تم ناشتے کے برتن اُٹھا کر کچن میں جاؤ۔'' ماریا خاموشی سے ناشتے کے برتن سمیٹنے لگی۔ جین کی ماں آہستہ آہستہ مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہی تھی، میں درگزر سے کام لے رہا تھا۔ وہ اُسے میری مجبوری اور بے بسی سے تعبیر دے رہی تھی۔

''دولت علی۔'' ماریا کے چلے جانے کے بعد اُس نے وہیل چیئر پر کچھ اور آگے کی جانب جھکتے ہوئے بڑے پیار سے مجھے چارہ ڈالا۔ ''میں نے اتنے دنوں میں محسوس کر لیا ہے کہ تم مضبوط قوتِ ارادی کے مالک ہو، تم نے کہا تھا کہ وقتی طور پر تمہاری رُوحانی قوتیں تم سے چھن چکی ہیں لیکن اس کی تھوڑی بہت رمق اب بھی تمہارے وجود کی گہرائیوں میں کہیں ضرور سلگ رہی ہے، شاید اسی لئے تم نے مورگن کے سلسلے میں بڑے اعتماد سے پیشینگوئی کی ہے، میں تمہاری صلاحیتوں کی قدر کرتی ہوں، تم ایک دُور اندیش اور معاملہ فہم انسان ہو..... مجھے یقین ہے کہ تم جین کے سلسلے میں میری باتوں پر مفاہمتی انداز میں غور کرو گے، میں تم سے ایک درخواست اور کروں گی..... اس وقت میرے اور تمہارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس کا علم جین کو نہیں ہونا چاہئے۔''

''ماریا کی ذمہ داری کون لے گا؟'' میں اُس کی حماقت پر دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔

''وہ بھی ہماری گفتگو سن چکی ہے۔''

''تم ماریا کی فکر مت کرو۔'' اُس نے وہیل چیئر کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بڑے اعتماد اور یقین سے کہا۔ ''میں ملازموں سے ایک محدود فاصلہ رکھنے کی قائل ہوں۔ ماریا میرے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں کرے گی، اُس کی کچھ کمزوریاں میری مٹھی میں ہیں۔'' آخری جملہ ادا کرتے وقت اُس کی آنکھوں میں شیطانی مسکراہٹ اُبھر کر پھیلتی چلی گئی۔ میں کوئی معقول جواب کے بارے میں سوچ رہا تھا جب میرے کمرے سے فون کی گھنٹی کی آواز اُبھری۔ جین نے خاص طور پر فون کا ایک علیحدہ کنکشن میرے لئے حاصل کیا

تھا تا کہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کوئی تیسرا شخص نہ سن سکے۔ میں کسی خیال سے چونکا، پھر لپکتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ فون پر حسب توقع دوسری جانب سے جین ہی کی آواز اُبھری۔

''ابھی تو تم گھر سے گئی ہو، اتنی جلدی کیا کام پیش آ گیا؟'' میں نے جین کی اُلجھی ہوئی آواز سے اندازہ لگا لیا کہ اُسے جیکب کا خط مل چکا ہے، انکا بھی شاید اُسی کے سر پر تھی جو ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔

''ممی کہاں ہیں.....؟'' جین نے پوچھا۔

''ابھی میرے ساتھ ناشتے کی میز پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔'' میں نے جین کے لب و لہجے سے اُس کی قلبی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تم اُن سے بات کرنا چاہتی ہو.....؟''

''نہیں، مم..... میں تمہیں صرف ایک مشورہ دینا چاہتی ہوں۔'' اُس نے جذباتی انداز اختیار کیا۔ ''جب تک میں واپس نہ آؤں تم محتاط رہنا۔ میرا مطلب ہے کہ اگر اپنے کمرے تک محدود رہو تو زیادہ مناسب ہوگا، یہ بھی ممکن ہے کہ مجھے واپسی میں کچھ دیر بھی ہو جائے۔''

''کیا بات ہے جین.....؟'' میں نے سنجیدگی اختیار کی۔ ''تمہاری آواز بتا رہی ہے کہ تم کچھ گھبرائی ہوئی ہو۔''

''ہاں..... ایک دُشواری پیش آ گئی جس نے وقتی طور پر مجھے اُلجھا دیا ہے۔'' جین نے دبی زبان میں اعتراف کیا۔

''کیا میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں.....؟''

''نہیں۔'' اُس نے تیزی سے جواب دیا۔ ''اب میں اس قابل ہو گئی ہوں کہ چھوٹے موٹے معاملات کو خود ہی نمٹا سکوں۔ واپسی پر تم سے تفصیلی بات ہوگی۔''

''ون منٹ.....'' میں نے کہا۔ ''تم نے مجھے صرف کمرے تک محدود رہنے کا مشورہ کیوں دیا ہے؟ کیا مجھے کوئی خطرہ لاحق ہے؟''

''آئی ایم سوری دولت علی میں فون پر زیادہ گفتگو نہیں کر سکتی۔''

''میرا خیال ہے کہ تم کوئی اہم بات مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔'' میں نے جان بوجھ کر شکوہ کیا۔

''اپنی جین پر اعتماد رکھو.....'' دوسری طرف سے ریسیور چومنے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ہی جین کی آواز سنائی دی۔ ''تمہاری خاطر میں کبھی کسی قربانی سے گریز نہیں کروں گی۔''

''لیکن.....''

''میں بہت جلدی میں ہوں۔ واپسی پر اطمینان سے بات کروں گی۔'' جین نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

میں نے جھانک کر باہر کی جانب دیکھا، ماریا اور جین کی ماں ناشتے کی میز پر نہیں تھیں۔ میں اپنے کمرے میں ٹہلنے لگا، مجھے جین کی فکر لاحق تھی۔ جیکب کی تحریر دیکھنے کے بعد اُس کا ردِعمل کیا ہوا ہوگا؟ فون پر اُس نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اُسے کوئی دُشواری پیش آ گئی ہے۔ وہ دُشواری جیکب کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی؟ اُس نے مجھے اپنے کمرے تک محدود رہنے کا مشورہ دیا تھا جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اُسے اس بات کا خدشہ پہلے سے تھا کہ میرے سلسلے میں اُس کی مفلوج ماں کوئی بھی خطرناک قدم اُٹھانے سے گریز نہیں کرے گی، محض جیکب کی تحریر اُس کی تشویش کا سبب نہیں ہو سکتی تھی۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ جب وہ جین کی ماں کے منصوبے کا بھانڈا پھوڑ کر راستے سے علیحدہ ہو گیا تھا۔

فون پر جین کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ انکا، جین کے سر پر تھی اس لئے مجھے کوئی تشویش نہیں تھی۔ وہ اپنی پراسرار قوتوں سے حالات کا منہ موڑ سکتی تھی۔ اُسے علم تھا کہ میں جین کے سلسلے میں اُس کی کسی حماقت کو برداشت نہیں کروں گا۔ میرے حوالے سے وہ جین کی حفاظت کرنے کی پابند تھی۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ وہ جیکب کے سلسلے میں کسی سنگدلی کا مظاہرہ کر بیٹھتی۔ وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ میرے ذہن میں اُبھرنے والے وسوسوں کی پرواز وقت کے مقابلے میں زیادہ تند و تیز تھی۔ انکا نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں جین کی محبت کا رُخ کسی اور جانب موڑ دُوں۔ انکا میرے لئے یہ خدمت پہلے بھی انجام دے چکی تھی۔ انکا کے لئے جین کی توجہ کسی دوسری سمت تبدیل کرنا بھی مشکل نہیں تھا، پریتم لال نے چندرا کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا میں اُن کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس مہان پجاری نے مجھے بتایا تھا کہ بدری نرائن کے کچھ سر پھرے چیلے مجھے گھیرنے کی خاطر سر جوڑے منصوبے بنا رہے ہیں۔ ان احمقوں نے کالی کے چرنوں میں ڈنڈوت کر کے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک میرے وجود کو ختم

نہیں کر دیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ میں اگر ان پنڈت پجاریوں سے منہ چھپائے لندن میں بیٹھا رہتا تو یہ کلدیپ کے سارے جیون کی تپسیا کی توہین ہوتی۔ اُس نے میری خاطر اپنی زندگی بھینٹ دی تھی، میں اُس کی رُوح کو سکون پہنچانے کی خاطر پورے ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کو تہس نہس کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ پریتم لال نے کہا تھا کہ کچھ دنوں موج میلہ کرلو، پھر کلدیپ کے چھوڑے ہوئے ادھورے کام کی تکمیل کرنی ہوگی۔ چندرا کے لئے میں نے کچھ اور ہی سوچا تھا۔ وہ میرے دشمن اور کالی کے مہان سیوک امر لال کا اکلوتا لڑکا تھا، مجھے امر لال کی قوت اور اُس کے عتاب سے بچانے کی خاطر کلدیپ نے جیون بلیدان کیا تھا۔ میں چندرا کو انتقاماً سسکا سسکا کر مارنے کے منصوبے بناتا رہا۔ انکا کا مشورہ غلط نہیں تھا، لندن چھوڑنے سے پیشتر مجھے جین کے مستقبل کے تحفظ کی خاطر کسی پائیدار جیون ساتھی کا بندوبست کرنا شرط تھا۔ میں اُسے بیچ منجدھار میں بے سہارا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

دوپہر کھانے کی میز پر جین کی والدہ کے چہرے پر فکر و پریشانی کے ڈونگرے برس رہے تھے۔ شاید اُسے جیکب کے اچانک چلے جانے کی اطلاع مل چکی تھی، وہ یقیناً اس کی وجہ جاننے کے لئے مضطرب ہوگی۔ ماریا بھی کچھ اُلجھی اُلجھی نظر آ رہی تھی۔ وہ مجھ سے مورگن کے سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی خاطر بے چین تھی۔ میرے ذہن میں جین کا مستقبل کلبلا رہا تھا۔ میں سر جھکائے کھانے میں مصروف تھا جب جین کی ماں نے مجھے مخاطب کیا۔

''دولت علی۔ کیا تمہیں علم ہے کہ جیکب اچانک اپنا ساز و سامان سمیٹ کر چلا گیا ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''ناشتے کے بعد سے میں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔''

''تم نے مورگن کے بارے میں بڑے یقین سے کہا تھا کہ وہ دو دن بعد ہمارے درمیان ہوگا۔''

''ہاں.....'' میں نے شانے اچکا کر جواب دیا۔ ''میرا علم یہی کہتا ہے کہ وہ ضرور واپس آئے گا۔''

میرا جواب سن کر ماریا کے چہرے کے تاثرات کچھ اور گہرے ہو گئے۔ جین کی ماں اپنی

وہیل چہرے پر کسمسا کر بولی۔

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ جیکب نے کسی سے کچھ کہے بغیر چوری چھپے چلے جانے کی حماقت کیوں کی؟''

''ممکن ہے اُسے کوئی بہتر کام مل گیا ہو۔''

''ہاں، ہو سکتا ہے کہ کسی نے اُسے زیادہ پیسوں کا لالچ دے کر اُس کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی ہو۔ پیسوں کے معاملے میں وہ خاصا لالچی واقع ہوا تھا لیکن.....'' وہ کچھ کہتے کہتے یکلخت خاموش ہو کر ہونٹ چبانے لگی۔

''میں نہیں سمجھتا کہ جیکب کے چلے جانے سے جین کو کوئی نقصان پہنچے گا۔'' میں نے لاپرواہی سے کہا۔ ''مورگن بھی واپسی کے بعد اُس کی جگہ لے سکتا ہے، بشرطیکہ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو.....'' آخری جملہ میں نے چبھتے ہوئے انداز میں ادا کیا۔ اُس نے چونک کر مجھے تیز نظروں سے گھورا۔

''مجھے کیا اعتراض ہوگا؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں کام چوری کی عادت کو برداشت نہیں کرتی۔''

''میرا بھی یہی مطلب تھا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں بات کو اور واضح کرنے کی کوشش کی۔ ''ہو سکتا ہے کہ مورگن وہ خدمات انجام نہ دے سکے جو جیکب دیا کرتا تھا..... انسان انسان میں تھوڑا بہت فرق تو ہوتا ہے۔''

''تم..... تم کیا کہنا چاہ رہے ہو.....؟'' جین کی ماں کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اُس کے دل میں چور تھا اس لئے میرے جملے پر چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

''تمہارا کیا خیال ہے ماریا؟.....'' میں نے مسکراتی نظروں سے تذبذب کے عالم سے دوچار ماریا کی سمت دیکھا۔ ''کیا مورگن وہ سارے کام انجام دینے پر آمادہ ہو جائے گا جو جیکب خوشی خوشی کیا کرتا تھا؟''

''دولت علی.....'' ماریا کے جواب دینے سے پیشتر جین کی ماں نے قدرے خفگی سے مجھے مخاطب کیا۔ ''میں سیدھی سادھی باتوں میں گھماؤ پھراؤ کو پسند نہیں کرتی۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ جب ملازم موجود ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں مورگن اور جیکب کے ٹاپک کو یہیں ختم کر دینا چاہئے۔''

میں نے بڑی سعادت مندی اور فرمانبرداری سے شانے اچکا کر خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ لنچ ختم ہونے تک وہ بدکردار بڑھیا کھانے کی بجائے پیچ و تاب ہی کھاتی رہی، اُس کی دزدیدہ نظریں بار بار ٹوہ لینے کے انداز میں میری طرف اُٹھ رہی تھیں۔ میں کھانے سے فارغ ہو کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ انکا ابھی تک میرے سر پر واپس نہیں آئی تھی، مجھے یقین تھا کہ جین کی واپسی پر وہ رات خاصی ہنگامہ خیز ثابت ہو گی اس لئے میں نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں، انکا کی موجودگی میں مجھے جین کی ذات کو کوئی خطرہ لاحق ہونے کی اُمید نہیں تھی، البتہ جین کا ایک جملہ رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہا تھا، اُس نے مجھے محتاط رہنے اور کمرے تک محدود ہونے کا مشورہ کیوں دیا تھا.....؟

دوپہر کو سونا میرے معمولات میں کبھی شامل نہیں رہا۔ لیکن لندن کے کسی مضافاتی علاقے میں رہنے والے بخوبی واقف ہوں گے کہ وہاں کی زندگی کس قدر سادہ ہوتی ہے۔ وہ رونقیں، ہنگامے اور رنگینیاں جو کسی شہر میں عام شاہراہوں پر بھی دلوں میں ہلچل پیدا کر دیتی ہیں دیہاتی علاقوں میں کشادہ شاہراہوں پر بھی ان کا فقدان پایا جاتا ہے۔ بہرحال جین کے بارے میں سوچتے سوچتے میں شاید کچھ دیر کے لئے غنودگی کی کیفیت سے دوچار ہو گیا تھا جب کوئی آہٹ پا کر میرا ذہن بیدار ہو گیا۔ میری خوابگاہ میں ملگجے اندھیرے کا راج تھا۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو اس کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ باہر آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ میں نے فوری طور پر کوئی حرکت کرنے کی حماقت نہیں کی۔ مجھے بظاہر کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا لیکن جین کی خبیث ماں جو جیکب کے اچانک چلے جانے سے خاصی کبیدہ خاطر اور اُلجھی اُلجھی تھی اُس کی طرف سے کسی حماقت انگیز اور جذباتی دیوانگی کا ارتکاب خالی از امکان بھی نہیں تھا۔ دوپہر کے کھانے کے دوران میرے چبھتے ہوئے جملوں سے اُسے دو اور دو چار کرنے میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی ہو گی۔ جیکب کی طرف سے مایوس ہو کر اور میرے جملوں کی گہرائی پا لینے کے بعد وہ کوئی انتہائی قدم اُٹھانے کا فیصلہ کر سکتی تھی۔ میں دم سادھے پڑا رہا، ممکن ہے بارش کے شور سے ہونے والی کسی آواز کو میں خطرے کی بو سمجھ کر بیدار ہو گیا ہوں، اس خیال کے پیش نظر میں اپنی پوزیشن میں ایسی تبدیلی لانے پر غور کر رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ میرے سامنے آ جائے۔ مگر اس کی ضرورت نہیں پیش آئی۔

''مسٹر دولت علی.....'' ماریا کی سرگوشی کے انداز میں اُبھرنے والی نہایت مدھم آواز میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی۔ ''کیا آپ سو رہے ہیں؟''

''نہیں.....'' ماریا کی آواز سن کر میں آہستہ سے اُٹھ بیٹھا۔ اُس کی نگاہوں میں مچلنے والے تجسّس کو دیکھ کر کہا۔ ''میں اس وقت تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔''

''میرا انتظار.....؟'' وہ کچھ گھبرا سی گئی۔

''ہاں.....'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم موقع ملتے ہی پہلی فرصت میں مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش ضرور کرو گی۔''

''آپ کا خیال درست ہے سر۔'' اُس نے بڑی معصومیت سے میری بات کی تائید کی۔ ''میں مورگن کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہوں۔''

میں نے جواب میں ماریا کے سراپا کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ وہ بہت زیادہ حسین نہیں تھی لیکن اُس کے جسم کے مناسب اور دلکش نشیب و فراز، نظروں میں مچلنے والا شوخ ہرنیوں جیسا تجسّس، اُس کے مخروطی ہونٹوں کا گداز، چہرے کے تیکھے نقوش، جلد کی کھلتی ہوئی سفیدی مائل گندمی رنگت، سینے کا زیر و بم، سانسوں کی خوشگوار مہک، سہے سہے بدن کا حسین امتزاج سب کچھ بڑا دلنواز تھا۔ مرد کی تنہائی میں پسینے میں ڈوبی کسی سیاہ فام دوشیزہ کا وجود بھی بڑا ہیجان خیز ہوتا ہے۔ ماریا تو پھر ایک اُبھرتا ہوا تناور درخت تھی، مورگن کے چلے جانے سے اُس کی فصلِ جوانی کی مناسب آبیاری نہیں ہو سکی تھی لیکن اُس نے اپنی تراش خراش کا مناسب خیال رکھا تھا، خودرو جھاڑیوں کی طرح بدنما نہیں ہونے دیا تھا۔ اُس کا ایک ایک انداز زندگی کی سرمستیوں سے معمور تھا، وہ چاہے جانے کے قابل تھی، بھیگے موسم میں اس قرب کو محسوس کر کے میرے اندر اتھل پتھل شروع ہو گئی۔

''اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں سر.....؟'' وہ میری نگاہوں کی تپش سے پگھلنے لگی۔ محجوب انداز میں بولی۔ ''میں مورگن کے سلسلے میں بہت بے چین ہوں۔ کیا وہ دو دن بعد آ جائے گا؟''

''میں چاہوں تو وہ آ بھی سکتا ہے.....'' میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر کہا۔

''اُسے بلا لیجئے سر۔'' وہ مضطرب ہو گئی۔ ''تین سال کا انتظار بہت ہوتا ہے۔''

''جیکب کے بارے میں تم کیا جانتی ہو؟'' میں نے موضوع بدلا تو وہ سٹپٹا کر بولی۔

''آپ کیا جاننا چاہتے ہیں.....؟''

''وہ سب کچھ جو تمہارے علم میں ہو.....'' میں نے اُسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''جیکب اچھا اور محنتی آدمی تھا سر۔ اپنے کام سے کام رکھتا تھا لیکن شاید وہ اپنے ماضی سے کچھ خائف بھی تھا۔'' ماریا نے تھم تھم کر کہا۔ ''ہر انسان کی اپنی کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں۔ شاید اُس کی کوئی کمزوری بڑی میڈم کے ہاتھ آ گئی تھی جو وہ اُن کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور تھا۔''

''اُس کے اچانک چلے جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟'' میں نے سرسری انداز میں دریافت کیا۔

''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی سر۔ لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ ادھر کچھ دنوں سے...''

''اُس کی بیشتر راتیں تمہاری بڑی میڈم کی خوابگاہ میں گزر رہی تھیں۔'' میں نے اُسے ہچکچاتا دیکھ کر بات مکمل کی تو وہ خوفزدہ ہو گئی۔

''آپ کو سب کچھ معلوم ہے تو پھر مجھ سے.....'' وہ اس بار بھی اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔ شرم کے بوجھ سے لچک کر رہ گئی۔

''تم تین سالوں سے مورگن کی راہ دیکھ رہی ہو، اُس کی واپسی کی خاطر کیا قربانی دے سکتی ہو.....؟'' میرے اندر بارش کی ٹپ ٹپ کی آواز گونجنے لگی۔

''آپ جو کہیں سر.....'' اُس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ وہ جمیل احمد خاں کے ماضی سے ناواقف تھی جو بغیر سوچے سمجھے اقرار کر بیٹھی۔

''تمہیں مورگن کو معاف کرنا ہوگا۔'' میں نے کسی منجھے ہوئے کھلاڑی کی طرح اُس کے اور قریب ہو کر کہا۔ ''تم اُس کے کل کے بارے میں کوئی استفسار نہیں کرو گی۔''

''مجھے منظور ہے۔''

''وہ بھی تم سے گزرے دنوں کا کوئی حساب نہیں طلب کرے گا۔'' میں نے ماریا کو یقین دلایا۔ ''یہ میرا وعدہ ہے۔''

''وہ آتو جائے گا نا سر؟'' ماریا نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''آپ نے جب سے مورگن کے سلسلے میں باتیں شروع کی ہیں، میرے اندر ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہونے لگی ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟''

''میرے اوپر اعتبار نہیں ہے؟'' میں نے اُس کی دراز زلفوں کو شرارت سے چھیڑا تو وہ

کسمسانے لگی۔ شاید اُس نے میری آنکھوں میں کروٹ لیتے ہوئے طوفان کی اُبھرتی ہوئی شدتوں کو محسوس کر لیا تھا۔

''سر.....آپ.....'' اُس نے احتجاجی کلمات ادا کرنے چاہے۔

''تمہاری بڑی میڈم بتا رہی تھی کہ جیکب کی طرح تمہاری بھی کوئی کمزوری اُس کی مٹھی میں ہے۔'' میں نے اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''وہ.....وہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔'' ماریا سہم گئی۔ ''میں حالات کے آگے مجبور و بے بس ہو گئی تھی۔ وہ مورگن کا جگری دوست تھا اس لئے میں اُسے قابل اعتماد سمجھتی تھی لیکن.....''

''زندگی انہی بھول بھلیوں کا نام ہے ماریا۔ انسان کو ایک غلطی چھپانے کی خاطر دوسری غلطی کرنی پڑتی ہے۔ ایک جھوٹ نبھانے کی خاطر بار بار جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے، مگر تم مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو۔ تمہارا راز ہمیشہ میرے کشادہ سینے میں دفن رہے گا۔'' میں نے ماریا کی کلائی پر گرفت مضبوط کی۔ وہ شش و پنج میں گرفتار تھی۔ میں نے اُسے سنبھلنے یا سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ اُس کے مقابلے میں میرا تجربہ کئی گنا زیادہ تھا۔ باہر بارش زور پکڑتی جا رہی تھی، اندر پیاس کی شدت مجھے کسی زہریلے بچھو کی طرح ڈنک مارنے لگی، ماریا کی مزاحمت میرے تجربوں کے آگے کمزور پڑتی گئی..... پریتم لال نے مجھے موج میلہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی، سرکش جوانیوں سے کھیلنا میری سرشت میں داخل تھا، انکا اس وقت میرے سر پر ہوتی تو مجھے ماضی کی رنگینیوں کی طرف واپس پلٹتا دیکھ کر خوشی سے دیوانی ہو جاتی.....!!

❁

جین کی واپسی سورج غروب ہونے کے بعد ہوئی۔ میں شام کی چائے پی کر باہر لان میں آ کر ہلکی ہلکی خنکی سے لطف اندوز ہو رہا تھا جب جین کی کار فارم ہاؤس میں داخل ہوئی۔ اُس نے مجھے دیکھ لیا تھا اس لئے کار سے اُتر کر سیدھی میری طرف آ رہی تھی۔ اُس کے قریب آنے سے پیشتر انکا میرے سر پر آ گئی، وہ خاصی مطمئن نظر آ رہی تھی۔

''اس وقت جین کو زیادہ کریدنے کی کوشش نہ کرنا۔'' انکا نے سرگوشی کی۔ ''وہ جیکب سے زیادہ تمہاری طرف سے پریشان ہے۔''

''جیکب کا کیا بنا؟'' میں نے دریافت کیا۔

''وہ اس علاقے سے جا چکا ہے، اب واپسی کی حماقت نہیں کرے گا۔ ایک ہفتے بعد تم

اُس کی موت کی خبر بھی سن لو گے۔''

جین میرے قریب آ کر بے اختیار میرے سینے سے چمٹ گئی، وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ میں اُس کی پریشانی کا سبب جانتا تھا پھر بھی میں نے پوچھ ہی لیا۔ ''کیا بات ہے جین؟ تمہارا فون ملنے کے بعد میں صبح سے تمہاری خاطر اُلجھ رہا ہوں، مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری خاطر کیا کر سکتا ہوں؟'' میں نے انجان بن کر سوال کیا۔ ''کیا تمہاری پریشانی کا سبب جیکب تو نہیں؟ تمہاری ماں بھی اُس کے چلے جانے سے خاصی فکرمند نظر آ رہی ہے۔''

''دولت علی۔ مجھ سے وعدہ کرو، تم اپنی جین پر شک نہیں کرو گے۔'' جین نے ڈبڈبائی نظروں سے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''آج میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ لو.....'' اُس نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ ''خود اپنی نظروں سے پڑھ کر دیکھ لو کہ میری پریشانی بلاوجہ نہیں تھی، میں نے تمہیں محتاط رہنے کا مشورہ کیوں دیا تھا؟''

انکا مجھے جیکب کی تحریر کے بارے میں بتا چکی تھی پھر بھی میں نے سرسری نظروں سے اس مختصر تحریر کو پڑھا اس کے بعد مسکرا کر لاپرواہی سے بولا۔ ''جیکب اگر یہ تحریر چھوڑے بغیر خاموشی سے چلا جاتا تو شاید تمہیں اس سازش کے بارے میں کوئی علم نہ ہوتا۔''

''کیا مطلب.....؟'' جین نے مجھے چونک کر حیرت بھری نظروں سے گھورا۔ ''کیا تم.....؟''

''ہاں.....'' میں نے سنجیدگی سے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''مجھے جیکب اور تمہاری مفلوج ماں کی اس سازش کا علم پہلے سے تھا۔''

''اور تم نے مجھے.....''

''میں نے ضروری نہیں سمجھا۔'' میں نے جین کو دلاسا دیا۔ ''میں جانتا تھا کہ جیکب اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہیں کرے گا۔ رہا تمہاری ماں کا سوال تو تم اس کی طرف سے بھی مطمئن رہو۔ ایک ماں کی حیثیت سے اُس نے تمہارے مستقبل کے لئے جو خواب دیکھے ہیں وہ اُس کا حق ہے۔ جیکب کے چلے جانے کے بعد اب وہ دوبارہ میرے خلاف کوئی نیا منصوبہ بنانے کی غلطی نہیں کرے گی۔''

''تم یہ بات اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو؟'' جین نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ ماریا آ گئی، وہ مجھ سے نظریں ملاتے

ہوئے کترا رہی تھی۔ وہ غروبِ آفتاب کے بعد واپس جانے کی عادی تھی۔ شاید اُسے جین کے آنے کی خبر ہو گئی تھی۔

''میڈم۔'' اُس نے قریب آ کر جین کو مخاطب کیا۔ ''میں نے اپنے سارے کام مکمل کر لئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، تم اب جا سکتی ہو۔'' جین نے اُسے جانے کی اجازت دے دی۔

''سر.....'' جاتے جاتے ماریا نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ ''کیا میں یقین کر لوں کہ آپ نے مورگن کے سلسلے میں جو کہا تھا وہ.....''

''فکر مت کرو۔'' میں نے اُس کی نظروں کی بے چینی کا مفہوم سمجھ کر مطمئن کرنے کی خاطر کہا۔ ''تم مجھ پر اتنا ہی اعتماد کر سکتی ہو جتنا تمہیں جین پر ہے۔''

ماریا نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا، پھر خاموشی سے پلٹ کر تیز تیز قدم اُٹھاتی چلی گئی۔ ماریا کے جانے کے بعد جین اپنی ماں کی طرف سے میرے اطمینان کی وجہ معلوم کرنے کے لئے مضطرب تھی۔

''پریشان مت ہو۔'' میں نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر فارم ہاؤس کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تم نہا دھو کر تازہ دم ہو لو پھر میں تمہیں کچھ چونکا دینے والے کرتب دکھاؤں گا۔''

''میں تمہاری طرف سے بہت زیادہ فکرمند ہوں اور تم کرتب دکھانے کی بات کر رہے ہو۔'' جین اُلجھ گئی۔ لیکن میں نے اُسے اس بات پر رضامند کر لیا کہ پہلے وہ تازہ دم ہو کر لباس تبدیل کر لے پھر میں اُس کی ساری پریشانیاں دُور کر دُوں گا۔ انکا میرے سر پر بیٹھی بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ کسی حساس جنگلی جانور کی طرح چہرہ آسمان کی طرف اُٹھا کر ناک سے اس طرح شوں شوں کی آواز نکالنے لگتی تھی جیسے کسی خطرے کی بو سونگھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ انکا کا یہ انداز میرے لئے نیا تھا۔

''یہ تمہارے اندر جنگلی جانوروں کی خوبی کب سے پیدا ہو گئی ہے؟'' میں نے انکا کو چھیڑنے کی خاطر پوچھا۔

''پریتم لال مہاراج کی دیا سے کچھ نئی قوتیں مجھے بھی حاصل ہو گئی ہیں۔'' انکا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا پھر میرے سر پر اوندھی لیٹ کر دونوں پیر ہوا میں آگے پیچھے ہلاتی

ہوئی بڑی شوخی سے بولی۔ ''تم آج اپنی جین کو کرتب دکھالو، اس کے بعد میں بھی تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں گی۔''

''مجھے تمہارے لب و لہجے سے کسی خطرناک شرارت کی مہک آرہی ہے۔'' میں نے انکا کو ٹٹولنے کی خاطر مسکرا کر کہا۔

''مہک تو مجھے بھی تمہاری رگ رگ سے پھوٹتی محسوس ہورہی ہے۔'' وہ تیزی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے توبہ شکن انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔ ''کہو تو یہ بھی بتا دُوں کہ یہ کس کے حسین بدن کی مہک ہے؟''

''اوہ.....'' میں نے انکا کی بات پر صرف مسکرانے پر اکتفا کی۔

''مجھے خوشی ہے جمیل کہ تم زندگی کی سمت واپس لوٹ رہے ہو۔ لیکن ایک شکوہ بھی ہے۔'' انکا اٹھلا کر بولی۔ ''اپنی پیاس تو بجھا لیتے ہو لیکن اب تمہیں اپنی انکا رانی کی تشنگی کا خیال نہیں رہتا۔''

ہمارے درمیان اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔ انکا میرے سر پر ٹھک ٹھک کر کبھی میرے ماضی کے قصے دُہرانے لگتی، کبھی کسی رُوٹھی ہوئی محبوبہ کے انداز میں گلے شکوے شروع کر دیتی۔ ایک طویل عرصے کے بعد میں اور میری انکا رانی دونوں ترنگ میں آئے تھے۔ جب جین کمرے میں داخل ہوئی بھیگے بالوں کو جوڑے کے انداز میں تولیہ میں لپیٹے، گہرے سرخ رنگ کے گاؤن میں وہ کسی معصوم بیر بہوٹی جیسے انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی میری طرف آرہی تھی۔ اُس کی جگہ کوئی دوسری حسینہ اس ہیجان انگیز انداز میں لہراتی، بل کھاتی، حسن کا جادو جگاتی میری نگاہوں کے سامنے آتی تو شاید میں بے قابو ہو جاتا۔ انکا جین کو دیکھ کر کسمسانے لگی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ نہانے دھونے کے بعد جین بڑی ہلکی پھلکی محسوس ہورہی تھی۔ اُس کے اندر وہ اضطرابی کیفیت بھی نہیں تھی جو میں نے کچھ دیر پہلے محسوس کی تھی۔ میرے برابر بیٹھنے کے بعد اُس نے مجھے شوخ نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''دولت علی۔ میرا خیال ہے کہ اب تم اپنی جین سے بھی کچھ باتیں چھپانے لگے ہو۔''

''میں سمجھا نہیں.....'' میں یکلخت محتاط ہوگیا۔

''تم نے کہا تھا کہ تمہاری رُوحانی قوتیں تم سے چھن چکی ہیں اور آج تم نے مجھے کوئی

کرتب دکھانے کا وعدہ کیا ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ تم محکمہ سراغ رسانی سے وابستہ ہونے کے بعد بھی مصلحتوں اور دُور اندیشیوں کے تقاضوں سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔'' مجھے بروقت سوجھ گئی۔ ''رُوحانی قوتیں چھن جانے والی بات میں نے تمہاری ماں کو اندھیرے میں رکھنے کی خاطر کہی تھی، دوسری شکل میں عین ممکن تھا کہ وہ اور جیکب عجلت میں کوئی وار کر بیٹھتے اور میں.....''

''اڑنے کی کوشش مت کرو.....'' جین نے مجھے قاتلانہ نظروں سے گھورا۔ ''تم نے روحانی قوتوں والی بات مجھ سے اکیلے میں بھی کہی تھی۔''

''ہوسکتا ہے کہ تمہیں تنہائی میں دیکھ کر میں تمہارے حسن جہاں سوز کی رنگینیوں میں اتنا گم ہوگیا ہوں کہ وقت کے تقاضوں کا خیال رکھنا.....''

''تم اس وقت بھی بہک رہے ہو۔'' جین نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اتنی معصومیت سے کہا کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکا۔ میں نے اُسے گھسیٹ کر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ انکا نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر جما لئے لیکن اُنگلیوں کے درمیان جھری کئے وہ ہماری ایک ایک حرکت دیکھ رہی تھی۔

جین نے کچھ دیر بعد پھر سنجیدگی سے جیکب اور اپنی ماں کی سازش کا ذکر چھیڑ دیا، وہ بار بار مجھ سے ''کرتب'' دکھانے کا تقاضہ کررہی تھی۔ میں اُسے ٹالتا رہا۔ پھر رات کے کھانے پر مجھے اس کا موقع مل گیا۔ ڈنر ٹیبل پر ہم تینوں کے چہروں پر تناؤ کی کیفیت محسوس تھی، جین کی ماں جیکب کے بارے میں فکرمند تھی، جین میرے خلاف ہونے والی سازش کے سبب ماں سے کھنچی کھنچی نظر آرہی تھی اور میں کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ اس خبیث بڑھیا کو جین کے سامنے بے نقاب کرسکوں۔

''جین.....'' مہر سکوت کو جین کی ماں نے توڑا۔ ''کیا تمہیں علم ہے کہ جیکب اچانک کسی سے کچھ کہے سنے بغیر چوروں کی طرح کہیں غائب ہوگیا ہے؟''

''ہاں.....'' جین نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''ماریا نے جاتے جاتے مجھ سے ذکر کیا تھا۔ لیکن اس میں فکر کی کیا بات ہے؟'' جین نے ماں کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ ''ہم جیکب کی جگہ کوئی دوسرا محنتی، جفاکش اور نمک حلال ملازم رکھ لیں گے۔''

''آں..... ہاں۔'' جین کی ماں نے نمک حلال کے حوالے پر چونکتے ہوئے کہا، پھر

بڑی تیزی سے خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ''تم نے ٹھیک کہا۔ اب ہم ٹھونک بجا کر کسی ایسے شخص کا انتخاب کریں گے جو چوروں کی طرح منہ چھپا کر بھاگنے کا عادی نہ ہو۔''

''دولت علی کا کہنا ہے کہ مورگن دو روز بعد واپس آ جائے گا۔'' جین نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ ''اُس کے آنے کے بعد ہی میں کوئی فیصلہ کروں گی۔ وہ اگر کام کرنے پر آمادہ ہو گیا تو زیادہ مناسب رہے گا، ماریا کو بھی ہمارے فیصلے سے دلی مسرت ہوگی۔''

میں نے انکا کو اشارہ کیا، وہ میرے سر سے اُتر کر جین کی ماں کے سر پر چلی گئی۔

''ماریا کو بھی اب روزمرہ کے کام یاد نہیں رہتے۔'' جین کی ماں کچھ توقف سے بولی۔ ''آج وہ اتنی جلدی میں گئی کہ مجھے کھانے سے پہلے وہ گولیاں کھلانا بھول گئی ڈاکٹر نے جنہیں پابندی سے کھانے کی تاکید کی تھی۔''

''کیا آپ نے وہ گولیاں ابھی تک نہیں کھائیں؟'' میں نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر پوچھا۔

''نہیں.....'' خبیث بڑھیا نے مجھے تیز اور ناپسندیدہ نظروں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ شاید اس وقت میری مداخلت اُسے پسند نہیں آئی تھی۔

''اگر وہ دوا ضروری ہے تو اب جا کر کھا لیں۔'' میں نے جین کو مرعوب کرنے کی خاطر ٹھوس اور تحکمانہ انداز میں کہا اور اس وقت جین کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں جب اُس نے اپنی ماں کو وہیل چیئر سے اُتر کر اپنے قدموں سے خوابگاہ کی طرف جاتے دیکھا۔

''یہ..... یہ سب کیا ہے دولت علی؟'' جین نے حیرت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''یہ کرتب یا جگری نہیں ہے جین۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تمہاری ماں اس وقت میری رُوحانی قوتوں کے زیر اثر ضرور ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ مفلوج نہیں ہے، مفلوج ہونے کا ڈھونگ اُس نے محض تمہاری ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے رچایا ہے، تم چاہو تو میں اس ڈاکٹر کو بھی بے نقاب کر سکتا ہوں جس نے بھاری معاوضے کے تحت جھوٹا سرٹیفکیٹ اور جھوٹی رپورٹ تیار کی تھی۔''

''اب جبکہ حقیقت میری نظروں کے سامنے ہے، مجھے کسی مزید ثبوت کی بھلا کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ لیکن..... لیکن۔'' جین نے ہونٹ چباتے ہوئے جذباتی انداز میں

کہا۔ ''یہ سراسر فراڈ ہے، خونی رشتوں کے درمیان اس قسم کی بددیانتی زیب نہیں دیتی۔''

''میں تمہاری تائید کرتا ہوں، لیکن میری درخواست ہے کہ تمہیں اپنی زبان بند رکھنی ہو گی۔'' میں نے بات جاری رکھی۔ ''مورگن کو آ لینے دو، جیکب کا قصہ تمام ہو جائے پھر.....''

''جیکب کا قصہ ختم ہونے سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' جین سمجھدار تھی اُس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''جیکب ایک مفرور قاتل تھا، پولیس اُسے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ یہ بات تمہاری ماں کو معلوم تھی۔ اُس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی ٹھان لی۔'' میں نے جین کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''میرے مرنے کے بعد جیکب بھی نہیں بچ سکتا تھا، رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا اور.....''

''اور تم نے یہ تمام باتیں مجھ سے پوشیدہ رکھیں۔'' جین نے شکوہ کیا۔ ''اگر میرے محکمے کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میں نے اپنی چھت کے نیچے ایک مفرور قاتل کو ملازم کی حیثیت سے پناہ دے رکھی ہے تو..... مائی گاڈ، میری بنی بنائی ریپوٹیشن خاک میں مل جاتی، تفتیش ہونے کے بعد اصلیت بے نقاب ہوتی تو مجھے ملازمت سے سبکدوش کر دیا جاتا اور..... شاید یہ فارم ہاؤس بھی چھین لیا جاتا۔''

''میرے ہوتے ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے جین کو یقین دلایا۔ ''میری بات غور سے سنو۔ جیکب کی اصلیت کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد ہی میں نے اُسے پوری طرح بے بس کر رکھا تھا۔ یہ بھی میری رُوحانی قوتوں کا کرشمہ ہے کہ وہ اپنا سب کچھ سمیٹ کر نو دو گیارہ ہو گیا اور اب ہفتہ دس دن بعد وہ کسی دُور دراز علاقے سے گرفتار کر لیا جائے گا۔''

''اور تفتیش کے دوران جب وہ میرے فارم ہاؤس پر کام کرنے کا اقرار کرے گا تو.....''

''وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔'' میں ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''میں نے اُس کے ذہن سے درمیان کا وہ حصہ حذف کر دیا ہے جو اُس نے تمہارے پاس گزارا تھا۔''

جین نے مجھے تشکرانہ نظروں سے دیکھا پھر اُس کی توجہ اپنی ماں کی سمت مبذول ہو گئی جو اپنے پاؤں سے چلتی ہوئی واپس آ کر وہیل چیئر پر بیٹھی تھی۔ وہ جو حماقت کر چکی تھی اُسے اس کا مطلق احساس نہیں تھا، انکا نے اُس کے سر پر تسلط جما رکھا تھا۔ وہیل چیئر پر بیٹھ کر وہ دوبارہ کھانے میں مشغول ہو گئی۔

''تم.....تم واقعی بہت بڑے جادوگر ہو.....'' جین نے دبی زبان میں کہا۔

''دولت علی۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ تین سال سے لاپتا مورگن دو روز کے اندر واپس آ جائے گا؟'' جین کی ماں نے مجھے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی ہاں۔ میرے دعوے کو تسلیم کرنے کی خاطر صرف دو روز کی زحمت اور اُٹھانی ہو گی۔ میں آپ کو تیسرے روز کی زحمت نہیں دُوں گا۔'' میں نے ایسے انداز میں جواب دیا کہ جین بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اُس کی ماں نے اُسے غور سے گھورا، پھر کھانے میں مشغول ہوگئی۔ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔

''جمیل.....'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اب اگر تمہاری اجازت ہو تو میں ماریا کو بلا کر اس بات کی تصدیق بھی کرا دُوں کہ تم کتنے پہنچے ہوئے بزرگ ہو.....اور آج فارم ہاؤس میں کیسا ہیجان انگیز کھیل کھیلا گیا ہے۔''

''مجھے بلیک میل کر رہی ہو انکارانی.....؟'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

''اتنے کٹھور دل مت بنو جمیل۔'' انکا نے ملتجی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''تم جانتے ہو کہ انسانی خون میری غذا ہے، میں بہت دنوں سے ہوا اور پانی پر گزارا کر رہی ہوں، تمہیں تمہاری ماریا اور جین کا واسطہ میری پیاس بھی بجھا دو۔''

''پیاس بجھا دو'' کہنے کے بعد وہ اس انداز میں شرما کر اپنے وجود میں سمٹنے لگی جیسے پہلی رات کی دُلہن کی زبان سے غلطی سے وہ بات پھسل گئی ہو۔ مجھے اُس کی وہ ادا بھا گئی۔ میں نے اُس کی غذا فراہم کرنے کا وعدہ کیا تو وہ میرے سر پر کھڑی ہو کر دیوانہ وار خٹک ڈانس کا مظاہرہ کرنے لگی۔ جین کی ماں اور جین دونوں اپنے اپنے خیالوں میں مستغرق تھیں۔ میں انکارانی کے ٹھمکوں سے لطف اندوز ہوتا رہا.....اُس کی مسرت دیدنی تھی.....!

نصف رات گئے تک جین میرے ساتھ کسی جونک کی طرح چمٹی رہی۔ اس بات کا یقین کر لینے کے بعد کہ میری رُوحانی قوتیں میرے پاس ہیں اس شوخ ادا حسینہ کی تمام پریشانیاں ختم ہوگئی تھیں۔ کچھ دیر وہ اپنی ماں کی باتیں کرتی رہی۔ اُس کا خیال تھا کہ مفلوج ہونے کا ناٹک رچا کر ماں نے بد دیانتی کا ثبوت دیا تھا۔ وہ ایسا نہ کرتی تو بھی جین اُسے حالات کی ستم ظریفیوں کے حوالے نہ کرتی۔ لیکن اب وہ مجھ سے مشورہ کر رہی تھی کہ کیوں نہ اپنی ماں کو اولڈ ہاؤس میں داخل کرا دے جہاں ایک دو نہیں ہزاروں اور لاکھوں بوڑھے اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ اولڈ ہاؤس میں انہیں کسی کام کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا..... ہر قسم کا آرام و آسائش مہیا کی جاتی ہے۔ لیکن یہ تصور ہی ان کے لئے بڑا کربناک ہوتا ہے کہ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بھی وہ اپنی اولادوں سے نہیں مل سکتے۔ البتہ ان کے رشتے دار ہفتے عشرے میں تھوڑا سا وقت نکال کر سرسری طور پر اُن کی خیریت دریافت کرنے آجاتے ہیں۔

مغربی تہذیب کی یہی ریت ہے کہ جب بچوں کو والدین کی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے اس عمر میں ان کا کمرہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ جوافراد آیا یا گورنس افورڈ کر سکتے ہیں ان کے بچوں کی تربیت نسبتاً بہتر ہو جاتی ہے لیکن جہاں تنگ دستی آڑے آتی ہے وہاں دور اور وقت کا ماحول ان کی تربیت کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مغربی ممالک میں چھوٹے بڑوں کے درمیان کوئی شرم و لحاظ نہیں ہوتا۔ جوان بیٹی اپنے والدین کی موجودگی میں بھی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ بوس و کنار کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ شراب اور شباب کی محفلوں میں بھی وہ قدم ملا کر اپنا اپنا وقت اپنی اپنی مرضی سے گزارتے ہیں، وہاں کے دانشور اسے شخصی آزادی کے نام سے بڑے فخر سے منسوب کرتے ہیں۔ انہی خطوط پر سوچتے ہوئے جین بھی اپنی ماں کو کسی اولڈ ہاؤس میں داخل کرانا چاہتی تھی لیکن میں نے مخالفت کی تو وہ مان گئی، کوئی بحث

نہیں کی۔

میں نے خاصی رات گئے نیند کا بہانہ کر کے جین کو بمشکل اُس کی خوابگاہ میں جانے پر آمادہ کیا، پھر تھکے تھکے انداز میں اپنے بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ ''جمیل، یہ لڑکی تو تمہارے گلے کا ہار بنتی جا رہی ہے۔'' جین کے جانے کے بعد انکا نے اپنا چہرہ کہنی پر ٹکاتے ہوئے پُر خیال انداز میں کہا۔ وہ سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی کسی سوچ میں غرق تھی۔ ''کیا سوچا ہے تم نے اس کے بارے میں؟''

''اتنی رات گئے سوچنا نیند کو بھگانے کے مترادف ہوگا۔'' میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ ''تم بھی سونے کی کوشش کرو۔''

''میرا مشورہ مانو تو اب یہاں سے اپنا بوریا بستر باندھنے کی فکر کرو۔'' انکا نے میرے بالوں کے بستر پر پاؤں پسار کر لیٹتے ہوئے جواب دیا۔ ''لندن میں تمہارا قیام زیادہ طویل نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں ہندوستان واپس چل کر اپنے اُن دشمنوں کی بھی خبر لینی ہے جو ہمیں غافل سمجھ کر گھیرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔''

انکا کو ٹالنے کی خاطر میں نے ہلکے ہلکے خراٹے لینے شروع کر دیئے۔ وہ مجھے توجہ سے کچھ دیر دیکھتی رہی، پھر بالوں میں سر چھپا کر کسی معصوم بچے کی طرح اوندھ گئی۔ میں دن بھر کا تھکا ماندہ تھا، ماریا کے جوان جسم کا خمار بھی کم نہیں ہوا تھا اس لئے جلد ہی نیند کی آغوش میں ڈبکیاں لگانے لگا۔ انکا کا مشورہ غلط نہیں تھا۔ خود میں نے بھی طے کر رکھا تھا کہ کوئی خوبصورت سا بہانہ بنا کر جتنی جلدی ممکن ہوگا جین کے فارم ہاؤس کو خیر باد کہہ کر شہر کے کسی شاندار ہوٹل یا ہوسٹل میں منتقل ہو جاؤں گا۔ ہاتھ کی سرجری ہو جانے کے بعد میرے وجود کی بدنمائی دُور ہو گئی تھی۔ انکا کی موجودگی میں مجھے روپے پیسے کی کمی کا احساس بھی کبھی نہیں ہوا۔ پریتم لال کے آنے کے بعد میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ جین کو اپنے پیروں کی زنجیر نہیں بناؤں گا۔ لیکن یہ پروگرام بھی طے تھا کہ لندن سے واپسی سے قبل میں جین کو کسی مضبوط اور محفوظ ہاتھوں میں سونپنے کے بعد ہی کوچ کا ارادہ کروں گا۔

میں نیند کی وادیوں میں گم تھا جب مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی میرے سرہانے بیٹھا اپنی نازک اُنگلیاں آہستہ آہستہ میرے بالوں پر پھیر رہا ہو۔ شاید وہ جین تھی جو کسی خیال سے دوبارہ میری خوابگاہ میں آ گئی تھی، مجھے سوتا دیکھ کر میرے سرہانے بیٹھ کر میرا سر سہلانے

لگی تھی۔ یہ بھی محبت کے اظہار کا ایک انداز ہوتا ہے۔ میں نے کوئی حرکت نہیں کی، آنکھیں بند کئے اسی کروٹ لیٹا رہا، پھر اچانک خوشبو کا ایک مانوس جھونکا میری قوت شامہ سے ٹکرایا تو میرے وجود میں کھلبلی مچ گئی..... میں نے پلکوں کے درمیان جھری پیدا کی، وہ میری کلدیپ ہی تھی..... میں اُس کے وجود کی مہک کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ کلدیپ کے قرب محسوس کر کے میرے ذہن پر نشہ سا طاری ہونے لگا، وہ کلدیپ نہیں بلکہ اُس کی بے چین رُوح تھی جو اپنے سراپا میں میرے سرہانے بیٹھی مجھ سے اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ اُس کی نرگسی آنکھوں میں وہی روایتی شوخی اور لبوں کے گداز پر سحر انگیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی، اُس کے انداز میں دلربائی تھی، اپنی تمام تر حشر سامانیوں اور جسمانی مقناطیسی کشش کے باوجود وہ اپنے عارضی پیکر میں بھی بڑی پُر وقار اور بردبار نظر آ رہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں اسی طرح آنکھیں بند کئے لیٹا رہوں، کلدیپ والہانہ نظروں سے مجھے دیکھتی رہے، میرے سر پر ہاتھ پھیرتی رہے۔ لیکن کلدیپ مہان شکتی کی مالک تھی، اُسے پریتم لال نے اپنی کٹیا کے لئے منتخب کیا تھا تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ وہ دل کی گہرائیوں میں جھانکنے کی قوت رکھتی تھی، اُس کے لئے فاصلوں کی کوئی قید نہیں تھی، اندھیرے اُس کے راستوں کی رُکاوٹ نہیں بن سکتے تھے، اُس نے میرے دل میں اُبھرنے والی خواہش کا راز بھی پا لیا۔

''جمیل.....'' اُس کے گداز ہونٹوں کو جنبش ہوئی تو میرے وجود میں مندر کی نقرئی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا، انکا میرے سر پر موجود نہیں تھی۔ کلدیپ کو دیکھ کر شاید وہ خاموشی سے اُتر گئی تھی۔ میں کلدیپ کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ اُس کے ہونٹوں کی پنکھڑیوں کو دوبارہ جنبش ہوئی۔ ''میرے پاس سمے کم ہے۔ مہاراج پریتم لال نے تمہیں چندرا اور ہندوستان کے سر پھرے پنڈت پجاریوں کے بارے میں بتا دیا ہوگا، میں تم سے کیول اتنا کہنے آئی ہوں کہ اس بار جلد بازی میں فیصلے مت کرنا، سوچ وچار کے بعد ہی کوئی قدم اُٹھانا۔ تمہاری انکا رانی تمہارے پاس ہے، وہ مہاراج کی طرف سے تمہارے لئے ایک انمول تحفہ ہے، امر لال کا جوان سپوت چندرا، وندھیا چل کی گپھاؤں میں آسن جمائے بیٹھا کالی کے نام پر جنتر منتر کر رہا ہے، بدری کے چیلے تمہارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ کل میں کیا ہونے والا

ہے۔"

"کلدیپ....." میں نے دل کی گہرائیوں سے اُسے یقین دلایا۔ "میں اپنی جان کی بازی لگا کر بھی وہ کام ضرور پورے کروں گا جو تم ادھورے چھوڑ گئی ہو، لیکن پریتم لال نے کچھ باتیں اشاروں کنایوں میں بھی کی تھیں۔ مہاراج نے کہا تھا کہ میں جل کے اُوپر ہی اُوپر تیرتا رہوں گا، جل کے اندر غوطہ نہیں لگا سکوں گا۔ مجھے بڑا کشٹ بھوگنا پڑے گا، میں ان باتوں کی گہرائی نہیں سمجھ سکا۔"

"نراش مت ہو۔" کلدیپ نے مجھے دلاسا دیا۔ "تمہارے پاس انکا ہے، سیّد مجذوب کی کراماتی لاٹھی ہے، نندا کی دان کی ہوئی شکتیاں ہیں اور.... مہاراج کا آشیرواد بھی ہے۔"

"کیا تم میری مدد کو نہیں آؤ گی؟" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں شکوہ کیا تو کلدیپ کی غزالی آنکھیں بھی نمناک ہوگئیں۔

"چنتا مت کرو جمیل۔" اُس نے مسکرا کر میری ہمت افزائی کی۔ "مہاراج کا سایہ تمہارے سر پر ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ تم اوش سپھل ہوگے لیکن..... یدھ اور پریم میں کچھ کٹھنائیاں تو جھیلنی پڑتی ہیں۔"

"جین کے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے.....؟" میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔

"تمہاری انکارانی نے جو مشورہ دیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔" کلدیپ نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یاد ہوگا جمیل۔ انکا جب کوشلیا کا خون پی کر آئی تھی اور تربینی کو پولیس گرفتار کر لے گئی تھی تو تم بہت پریشان تھے، اس وقت انکا نے پہلی بار دبی زبان میں تمہیں بتایا تھا کہ کسی نے اس سے کبھی وہ کام نہیں لیا جو دوسرے نہیں کر سکتے۔ اُس نے غلط نہیں کہا تھا، میں جانتی ہوں کہ انکا ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے۔ ہاں جمیل، میری بات پر وشواس کرو۔ اُس کے ننھے وجود میں مخفی لازوال قوتیں ایسے کارنامے بھی انجام دے سکتی ہیں جو انسانی ذہن خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتا۔ وہ اپنی حدود میں رہ کر بھی بہت کچھ کر سکتی ہے۔ بدری نرائن اور امرلال سے جنگ لڑتے وقت اگر تم نے انکا کا کہا مان لیا ہوتا تو شاید مجھے پریتم لال کا استھان نہ چھوڑنا پڑتا۔ تم منڈل سے باہر نہ نکلتے تو امرلال تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔"

"کلدیپ....." میں نے شرمندگی سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"جو ہو چکا اُسے بھول جاؤ۔" کلدیپ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے محبوبانہ انداز میں کہا۔ "دیوی دیوتاؤں کو جو منظور تھا وہ پورا ہوگیا۔ پرنتو اب دوبارہ ایسی بھول مت کرنا۔ انکا کے مقابلے میں تم نے زیادہ شکتیاں پراپت کر لی ہیں، مجھے خوشی ہے لیکن میری ایک بات گرہ سے باندھ لو..... انکا کی باتوں کو ہمیشہ دھیان سے سننا، سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا۔ وہ بڑی عظیم اور حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے، اگر چاہے تو پہاڑوں کو بھی دھول کی طرح اُڑا سکتی ہے۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی بھی سنبھال کر رکھنا۔ ہوسکتا ہے کبھی وہی تمہارا آخری سہارا ثابت ہو....."

پھر کلدیپ کا کومل وجود میری نظروں سے اوجھل ہوگیا، میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ میرا وہم نہیں حقیقت تھی۔ کلدیپ کے صندلی بدن کی مسحور کن خوشبو ابھی تک خوابگاہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے سر کی طرف دیکھا، انکا واپس نہیں آئی تھی۔ میں نے تھکے ہارے انداز میں دوبارہ بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں، کلدیپ کے ہونٹوں سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ میرے ذہن میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔ پھر کلدیپ کے حسین تصور سے کھیلتا کھیلتا کب میں نیند کی آغوش میں پہنچ کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوا؟ مجھے اس کا کچھ ہوش نہیں رہا۔

دو روز سکون سے گزر گئے۔ جین نے میرے سمجھانے کے بعد بظاہر اپنی ماں سے دو ٹوک بات نہیں کی لیکن اُن کے درمیان سرد جنگ کا سلسلہ جاری رہا فارم ہاؤس کی فضا پر ایک کھنچاؤ کی کیفیت طاری تھی۔ جین کی ماں نے مجھ سے کوئی شکوہ یا شکایت نہیں کی لیکن اُس کی نظروں میں میری ذات بری طرح کھٹک رہی تھی۔ ماریا کی حالت سب سے مختلف تھی۔ جب بھی میرا اُس کا سامنا ہوتا، اُس کی نگاہوں میں ایک ہی سوال بار بار اُبھرتا۔

"دولت علی میں نے تمہیں مورگن کی واپسی کی بہت بھاری قیمت پیشگی ادا کی ہے۔ اگر تمہارا کہا غلط ثابت ہوا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

میں ماریا کے خاموش پیغام کو پڑھ کر اُسے نگاہوں نگاہوں میں جواب دیتا کہ میری پیشینگوئی غلط ثابت نہیں ہوگی۔ پھر تیسرے دن جب مورگن اچانک سامنے آگیا تو ماریا اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی۔ تہذیب اور مصلحتوں کے تمام تقاضوں کو پھلانگ کو دوڑتی ہوئی دیوانہ وار مورگن سے لپٹ گئی۔ جین نے مجھے دیکھ کر صرف مسکرانے پر اکتفا کی لیکن اُس کی

بوڑھی ماں کی پیشانی پر ان گنت شکنیں اُبھر کر آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں۔ وہ بار بار مجھے دزدیدہ نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ اُس کے دل میں یقیناً بہت سارے خیال اُبھرے ہوں گے، وسوسے جاگ رہے ہوں گے۔ ماریا اور مورگن کا جذباتی ملاپ ختم ہوا تو سب سے پہلے جین کی ماں نے اُسے سرد لہجے میں مخاطب کیا۔

''تم تین سال سے بھگوڑوں کی طرح کہاں منہ چھپائے پھر رہے تھے اور اب یہاں کیا لینے آئے ہو؟''

''میں ماریا کو اپنے ساتھ لے جانے کی خاطر آیا ہوں۔'' مورگن نے بڑے مہذب انداز میں صاف گوئی سے کہا۔ ''جو ہو چکا میں اس پر شرمندگی کے اظہار کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا۔''

''ماریا.....'' خرانٹ بڑھیا نے ماریا کو قہر آلود نظروں سے گھورا۔ ''کیا تم ایسے شخص کے ساتھ دوبارہ نباہ کرنے کو تیار ہو جو شادی کے صرف سات ماہ بعد تم سے کچھ کہے سنے بغیر چوروں کی طرح روپوش ہوگیا تھا اور اب تین سال بعد مسکینوں جیسی صورت بنائے.....''

''میڈم.....'' ماریا نے دبی زبان میں احتجاج کیا۔ ''یہ میرا اور مورگن کا نجی معاملہ ہے۔ اس کے علاوہ میں مسٹر دولت علی سے وعدہ کرچکی ہوں کہ مورگن سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کروں گی۔''

''میں بھی تم دونوں کو یہی مشورہ دُوں گی کہ پرانی باتوں کو یکسر فراموش کر کے نئے سرے سے خوشگوار زندگی کی ابتدا کرو۔'' جین نے اپنی ماں کے دوسرے کسی سخت جملے کا انتظار کئے بغیر تیزی سے کہا، پھر مورگن سے بولی۔ ''مجھے خوشی ہے کہ ماریا کی بے لوث محبت تمہیں واپس کھینچ لائی۔ تم اگر ماریا کو لے جانا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن میرا مشورہ ہے کہ اگر تم یہیں ماریا کے ساتھ رہو تو زیادہ مناسب ہوگا۔ میں فیصلہ تمہارے اُوپر چھوڑتی ہوں۔'' پھر جین نے مورگن کو جیکب کی جگہ دینے کی پیشکش کی جسے مورگن نے خوشی خوشی منظور کرلیا۔ ماریا کا معصوم چہرہ تازہ گلاب کی طرح کھل اُٹھا۔ وہ مورگن کو والہانہ نظروں سے دیکھنے لگی، جین کی ماں کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ اُس نے خلاف توقع بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا۔ محض وہیل چیئر پر بل کھا کر رہ گئی۔

میں نے مورگن کو غور سے دیکھا، وہ تیس سال کا خوبرو اور گبرو جوان تھا۔ اُس کی بڑی

بڑی آنکھوں میں اعتماد جھلک رہا تھا۔ اُس کے قویٰ خاصے مضبوط تھے۔ اُس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ مضبوط قوتِ ارادی کا مالک بھی ہے۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری پیشکش رد نہیں کی۔'' جین نے ماریا کی خوشی محسوس کرتے ہوئے مورگن سے کہا۔ ''تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ماریا تمہارا ہاتھ بٹاتی رہے گی اور تمہیں وہ سارے کام سمجھا دے گی جو جیکب سرانجام دیا کرتا تھا۔''

''تم نے سنا جمیل۔ تمہاری جین کیا کہہ رہی ہے؟'' انکا نے شوخی کا مظاہرہ کیا۔ ''گویا اب مورگن پر سر منڈواتے ہی اولے پڑنے والی مثال صادق آنے والی ہے۔ بیچارے کو ایک وقت میں دو کشتیوں پر سواری کرنی پڑے گی۔''

''تمہیں اگر ماریا کی حق تلفی کا خیال ہے تو فکر مت کرو، اُس کا خسارہ میں پورا کرتا رہوں گا۔'' میں نے بائیں آنکھ جھپکا کر سر ہلاتے لہجے میں کہا۔

انکا نے ایک لمحے کے لئے مجھے بڑی رقیبانہ نظروں سے گھورا، پھر یکلخت سنجیدگی سے بولی۔ ''جمیل۔ اب ہمیں اس فارم ہاؤس سے جلدی نکلنے کی کوشش کرنی ہوگی۔''

''کیوں.....؟'' میں چونکا۔ ''کیا تم کوئی خطرہ محسوس کر رہی ہو.....؟''

''بات خطرے کی نہیں، تمہاری جین کے مستقبل کی ہے۔'' انکا نے دُور کی کوڑی لاتے ہوئے کہا۔ ''خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ مورگن کے آجانے کے بعد جین کے دل میں تمہاری محبت کا رنگ اور گہرا ہونے لگے گا۔ میں نے جین کے مسئلے کا ایک حل تلاش کرلیا ہے لیکن اس کے لئے ہمیں پہلی فرصت میں کہیں اور منتقل ہونا پڑے گا۔''

''تمہارے خیال میں جین مجھے آسانی سے جانے کی اجازت دیدے گی؟'' میں نے قدرے ملول لہجے میں سوال کیا۔ جین جن حالات میں مجھے اپنے سینے سے لگا کر موت کے چنگل سے نکال لائی تھی، وہ میری زندگی پر ایک احسان تھا، میں اُسے زندگی کا ہمسفر بنا کر کلدیپ کی رُوح کو بے چین کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے پریتم لال کے کہنے کے مطابق زندگی اور موت کے بہت سارے مرحلوں سے گزرنا تھا۔ میں جتنی جلدی جین کی زندگی سے دُور نکل جاتا اتنا ہی بہتر ہوتا۔ مگر میں اچانک نظریں پھیر کر احسان فراموشی کا مظاہرہ کرنے سے بھی قاصر تھا۔

''مجھ پر بھروسہ رکھو جمیل۔'' انکا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''میں تمہارے دل کی کیفیت

سمجھ رہی ہوں۔ جین کے دل کو دھچکا لگا تو مجھے بھی صدمہ ہوگا۔ تمہاری زندگی بچا کر جین نے تمہاری انکا پر بھی احسان کیا ہے۔ میں ایسے حالات پیدا کر دوں گی کہ جین خوشی خوشی تمہیں جانے کی اجازت دیدے گی..... سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔''

میں نے انکا کی بات سن کر خاموشی اختیار کر لی۔ کلدیپ کی رُوح نے بھی خواب میں آ کر یہی تلقین کی تھی کہ میں انکا کی باتوں کو دھیان سے سنوں، اُس کی کسی بات سے رُوگردانی نہ کروں۔

مورگن کے آ جانے سے ماریا کی زندگی میں گویا بہار آ گئی۔ میں اُس کے جذبات میں نئی نئی کونپلیں پھوٹتی دیکھ رہا تھا۔ پہلے اپنے کام سے کام رکھنے اور سنجیدہ سنجیدہ سی نظروں والی وہ حسینہ اب مست ہرنیوں کی طرح قلانچیں بھرنے لگی تھی۔ جب بھی میری اُس کی نظروں کا تصادم ہوتا اُس کی غزالی نظروں میں احساسِ ممنونیت موجیں مارنے لگتا۔ پھر اُس روز جب ہم لوگ جم اور سارا کے ساتھ پکنک پر جا رہے تھے، حسنِ اتفاق سے مجھے اُس سے تنہائی میں ملنے کا موقع میسر آ گیا۔ ضروری سامان گاڑیوں میں بار کرنے کے بعد ہم لوگ بھی بیٹھ چکے تھے جب جین کو احساس ہوا کہ وہ اپنا مووی کیمرہ بھول گئی ہے، میں کیمرہ لینے کی خاطر اُس کی خوابگاہ میں گیا، ماریا کمرے میں سامان سلیقے سے رکھنے میں مصروف تھی، میں پنجوں کے بل چلتا اُس کی پشت پر پہنچ گیا۔ وہ قدموں کی آہٹ پا کر پلٹی، مجھے دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی۔ میرے پاس وقت کم تھا۔ میں مغرب کی پروردہ حسیناؤں کی عادات اطوار سے خاصی واقفیت رکھتا تھا۔ ایک بار جس کے سامنے ان کا حجاب ٹوٹ جائے پھر وہ دوبارہ ہچکچانے کا مظاہرہ نہیں کرتیں۔ ماریا ہر چند کہ قدرے مختلف تھی لیکن اُس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ میں جلدی میں تھا اس لئے اُس کے گداز ہونٹوں سے صرف حسن کا خراج وصول کیا اور مووی کیمرہ اُٹھا کر باہر آ گیا۔

پکنک میں جو لوگ شریک تھے اُن کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ زیادہ تر چہرے جانے پہچانے تھے، جو اجنبی تھے اُن سے بھی ہائے، ہیلو کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ سارا اور جین میرے ساتھ ساتھ تھیں۔ جم اپنے ایک دوست ولیم لیونارڈو کے ساتھ گپ شپ لگانے میں مصروف تھا۔ باقی افراد بھی دو دو تین تین کی ٹولیوں میں بے موسم اور ماحول کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سارا اور جین بار بار مجھ سے جادوگری کا کمال دکھانے کی

فرمائش کر رہی تھیں۔ جین کی بوڑھی ماں اپنی وہیل چیئر پر لدی پھندی قریب ہی موجود تھی۔ اُس نے کئی بار مجھے ایسی گہری نظروں سے دیکھا تھا کہ میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ تفریح کے دوران اگر کوئی ناخوشگوار بات انسان کی مرضی کے خلاف ہو جائے تو اُسے اپنا موڈ ٹھیک کرنے میں خاصا وقت لگتا ہے۔ میں بھی اسی کیفیت سے دوچار تھا، دوسری طرف سارا اور جین کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔

''جمیل.....'' انکا نے مجھے تذبذب کی حالت سے دوچار دیکھ کر اپنے نوکیلے پنجوں سے ٹہوکا دیا۔ ''تم دو منٹ کے لئے آنکھیں بند کر لو۔ میں جو تماشہ دکھاؤں گی اسے دیکھ کر تمہارے پیٹ میں بھی بل پڑ جائیں گے۔''

''کوئی ایسی شرارت نہ کرنا کہ سارا اور جم کی موجودگی میں مجھے شرمندہ ہونا پڑے.....''

''فکر مت کرو۔'' انکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میں جو کچھ کرنے جا رہی ہوں ہو سکتا ہے اس میں تمہاری جین کا مستقبل بھی شامل ہو.....''

''کیا مطلب.....؟''

''میرا کہا مان لو جمیل۔ آنکھیں بند کر کے ظاہر کرو کہ تم کسی مشاق جادوگر کی طرح اپنے قبضے میں موجود ارواح کو آواز دے رہے ہو۔ وہی سماں باندھو جو سلیمان بے کو نیچا دکھانے کے لئے اپنایا تھا، باقی کام میرا ہوگا۔''

میں نے انکا کے اصرار پر آلتی پالتی مار کر آنکھیں بند کر لیں، چہرے پر سنجیدگی طاری کر کے اس طرح ہونٹوں کو جنبش دینے لگا جیسے کوئی عمل پڑھ رہا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت متعدد نگاہیں میری حرکات، وسکنات کا جائزہ لے رہی ہوں گی۔ میں بڑی دیر تک اسی پوزیشن میں بیٹھا بدبداتا رہا۔ پھر جب میرے کانوں میں سارا اور جین کے علاوہ ملے جلے قہقہوں کی آوازیں گونجنے لگیں تو میں سمجھ گیا کہ انکا نے اپنی پراسرار حیرت انگیز قوتوں سے پکنک پر آنے والوں کے لئے کوئی نیا شگوفہ چھوڑا ہوگا۔ کھنکتے نقرئی قہقہوں کی آوازیں ہر لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھیں جب میری قوت سماعت میں جین کی بوڑھی ماں کی گھٹی گھٹی چیخ بھی گونجی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں، نظریں اُٹھا کر دیکھا تو مجھے بھی اپنی ہنسی پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ جین کی بوڑھی ماں زمین سے تقریباً دس فٹ اُوپر فضا میں اس طرح معلق نظر آ رہی تھی کہ اُس کے اور وہیل چیئر کے درمیان دو فٹ کا فاصلہ بھی تھا۔ وہ خوفزدہ انداز میں چیخ رہی

تھی اور بار بار نظریں جھکا کر پھٹی پھٹی نظروں سے اپنی وہیل چیئر کو دیکھ رہی تھی۔ پکنک پر آنے والے افراد رفتہ رفتہ اس حیرت انگیز منظر کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے۔ اُن کے چہروں پر گہری سنجیدگی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات مسلط تھے۔

''یور آر گریٹ دولت علی۔'' جین بچوں کی طرح تالیاں بجانے لگی۔ ''یہ خوشگوار لمحے ہماری زندگی میں ہمیشہ ایک یادگار حیثیت سے محفوظ رہیں گے۔''

میں آہستہ سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جم اور ولیم لیونارڈو بھی اُٹھ کر میرے قریب آ گئے۔ سارا اور جین پہلے ہی میرے قریب موجود تھیں۔

''اب میں آپ حضرات کو دو مختلف سمت میں حرکت کرنے والے دائروں کا حیرت انگیز کمال دکھاؤں گا۔'' میں نے پیشہ ور کھیل تماشہ کرنے والے بازیگروں کا انداز اختیار کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ ''میری درخواست ہے کہ کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے، نہ منہ سے کسی قسم کی آواز نکالے۔''

مجمع کو سانپ سونگھ گیا۔ سب کی نظریں جین کی ماں پر تھیں جو چیختے چیختے بے حال ہو رہی تھی۔ میں نے ایک ہاتھ بلند کر کے یونہی اُلٹے سیدھے دائروں کی شکل میں ہلانا شروع کیا۔ ہجوم انگشت بدنداں رہ گیا، انہیں سانپ سونگھ گیا خون ان کی شریانوں میں منجمد ہو گیا۔ وہ بے جان بت کی مانند اپنی اپنی جگہ ایستادہ وہیل چیئر اور جین کی ماں کو مختلف سمتوں میں گردش کرتا دیکھتے رہے۔ خرانٹ بڑھیا کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اُس نے اچانک چیخنا بند کر دیا۔ شاید دہشت کی وجہ سے اُس کے دل نے دھڑکنا بند کر دیا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ سکتے کی کیفیت سے دوچار ہو گئی ہو۔ میں بدستور بلا مقصد ہاتھ کو حرکت دیتا رہا۔ وہیل چیئر اور جین کی ماں دونوں مخالف سمتوں میں دائرے کی شکل میں حرکت کرتی رہیں۔ پھر دونوں دائرے گردش مکمل کرنے کے بعد ایک دوسرے کے نیچے اُوپر آ کر رُک گئے۔ میں نے ہاتھ کو آہستہ آہستہ نیچے کی جانب جھکایا تو جین کی ماں بھی حرکت کرتی ہوئی نیچے اُتر کر وہیل چیئر پر ٹِک گئی۔ پھر جب وہیل چیئر لٹو جیسے انداز میں حرکت کرتی ہوئی سبزے پر آ کر رُکی تو پورا علاقہ تالیوں کی آواز سے گونجنے لگا۔ جین خوشی سے بے حال ہو کر مجھ سے لپٹ گئی۔ پکنک پر موجود دوسرے افراد بھی میرے گرد حلقہ تنگ کرنے لگے۔ بے شمار کیمروں کی فلش سکنیں جاگ اُٹھیں۔ مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ میں ایک بار پہلے بھی لندن کے

اخبارات کی شہ سرخیوں میں جگہ پا چکا تھا، میرے سلسلے میں بڑے بڑے اداریے لکھے گئے، مجھے راتوں رات وہ شہرت ملی کہ میرا آزادی سے گھومنا پھرنا محال ہو گیا۔ میں جہاں جاتا پہچان لیا جاتا۔ لوگ مجھ سے مشرق کے جادوگروں کے بارے میں دریافت کرتے، مغرب کے لوگ ہندوستان سے زیادہ توہم پرست ہوتے ہیں۔ میں اُن سے پیچھا چھڑانے کی خاطر اُلٹی سیدھی حیرت انگیز اور ناقابل یقین کہانیاں سنا کر پیچھا چھڑاتا۔ اس بار میں کسی شہرت سے بچنا چاہتا تھا۔ میں نے انکا کو یاد کیا۔ وہ شوخ اداڈیڑھ بالشت کی کافر ادا حسینہ ہنستی مسکراتی، اِٹھلاتی، بل کھاتی میرے سر پر آ گئی۔ اُس کی رگ رگ سے شوخی پھوٹ رہی تھی۔

''یہ سب کچھ اچھا نہیں ہوا انکا رانی۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اگر ان شعبدہ بازیوں میں گھر گیا تو میری واپسی میں پھر دُشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ تم جانتی ہو کہ مجھے کلدیپ کے ادھورے کام نمٹانے ہیں، اور بھی بہت کچھ کرنا ہے۔''

''میرے لئے کیا حکم ہے میرے آقا؟'' انکا نے الہ دین کے جادوئی چراغ کے جن کے انداز میں کورنش بجالاتے ہوئے دریافت کیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ اخبارات میں میری تصویریں نہ شائع ہوں۔''

''تم اس بات کا اعلان کر دو۔'' انکا نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''وہی ہو گا جو تم چاہو گے۔''

''میرے عزیز دوستو.....'' میں نے بلند آواز میں مجمع کو مخاطب کیا۔ ''میں نے اس وقت کسی کی فرمائش پر جو مظاہرہ کیا وہ میرے کمالِ فن کا ایک ادنیٰ اور حقیر نمونہ تھا۔ میں عنقریب کسی بڑے کلب یا ہوٹل میں باقاعدہ اپنے کمالات کا حیرت انگیز مظاہرہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میری درخواست ہے کہ آپ نے اس وقت جو تصاویر کھینچی ہیں انہیں ضائع کر دیں۔ ورنہ قبل از وقت اگر میری تشہیر غلط انداز میں ہوئی تو میرا آئندہ کا پروگرام بری طرح متاثر ہو سکتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری درخواست کو رد نہیں کریں گے..... شکریہ۔''

میں نے اعلان ختم کیا تو انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ پھر جو کچھ ہوا وہ میرے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔ مجمع میں موجود افراد نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے کیمرے کھول کر نیگیٹوز (NEGATIVES) ضائع کرنے شروع کر دیئے۔ انکا اپنا کام مکمل کر کے دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔

''آپ نے ایسا کیوں کیا مسٹر دولت علی؟'' ولیم لیونارڈو نے جو مجھ سے بہت زیادہ متاثر نظر آ رہا تھا، دبی زبان میں کہا۔ ''یہاں تو شہرت اور پبلسٹی کی خاطر لوگ لاکھوں خرچ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور آپ نے مفت میں ہاتھ آیا ایک سنہری موقع ضائع کر دیا۔''

''میرا خیال ہے کہ جو لوگ شہرت کی بنیاد پر نام کماتے ہیں ان میں خود اعتمادی کا فقدان پایا جاتا ہے۔''

میرے فلسفیانہ جواب نے ولیم لیونارڈو کو لاجواب کر دیا۔ جین نے جو بڑی بے تکلفی سے میری کمر میں ہاتھ ڈالے کھڑی تھی اچانک نظریں گھما کر اُس جانب دیکھا جہاں کچھ افراد اُس کی ماں کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ جین کے ساتھ ساتھ میں بھی اُس طرف لپکا۔ لوگوں کو ہٹاتا ہوا میں آگے پہنچا تو جین کی ماں کی حالت قابل تشویش نظر آئی۔ وہ اپنی وہیل چیئر پر اس طرح ایک طرف ڈھلکی نظر آ رہی تھی جیسے رُوح اس قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہو، جین دوڑ کر ماں سے لپٹ گئی۔

''گھبراؤ مت جمیل۔'' انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ ''یہ صرف بے ہوش ہوئی ہے، اسے جلدی ہی ہوش آ جائے گا۔''

ولیم، سارا اور جم بھی ہمارے قریب آ گئے۔ جین نے ماں کی حالت دیکھ کر سسکنا شروع کر دیا۔ میں اُسے تسلی دینے لگا۔

''ہمیں فوراً کسی قریبی ہسپتال چلنا چاہئے۔'' ولیم نے جذباتی لہجے میں کہا پھر اُس نے تیزی سے آگے بڑھ کر جین کی ماں کو وہیل چیئر سے اُٹھا کر اپنے شانوں پر ڈالا اور گاڑی کی سمت دوڑنے لگا۔ میں نے پہلی بار ولیم لیونارڈو کو تفصیلی نظروں سے دیکھا، وہ ایک صحت مند خوبرو نوجوان تھا۔ اُس کے چہرے پر جھلکنے والی خود اعتمادی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ اپنے اندر ہر قسم کے نامساعد حالات سے نمٹنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں نظر آنے والی چمک بتاتی تھی کہ اُس کے اندر آگے بڑھنے اور اپنی منزل پا لینے کا وہ یقین موجود تھا جو انسان کو دوسروں سے سرفراز رکھتا ہے، مجموعی طور پر وہ ایک باہمت اور پُر اعتماد شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔

ہسپتال پہنچنے کے بیس منٹ بعد جین کی ماں کو ہوش آ گیا لیکن وہ ابھی تک حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس طرح ایک ایک کو دیکھ رہی تھی جیسے اُسے اپنے زندہ بچ جانے کا یقین

نہیں آ رہا تھا۔ سارا اور جم ہسپتال سے واپس چلے گئے، ولیم ہمارے ساتھ فارم ہاؤس تک آیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ جین اُس کی شخصیت سے خاصی متاثر نظر آ رہی تھی۔ جین کے علاوہ میں بھی اُس نوجوان کے پُرخلوص جذبے سے متاثر ہوا۔ لندن اور امریکہ کی مصروف زندگی میں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ رفاحی یا امدادی کاموں میں زیادہ حصہ لے سکے۔ ان کاموں کے لئے علیحدہ ادارے ہوتے ہیں جہاں کل وقتی طور پر ملازم کارندے خدمات انجام دیتے ہیں۔

''تم اب کیسا محسوس کر رہی ہو مام.....؟'' جین نے بڑے پیار سے ماں کی خیریت دریافت کی جو ہسپتال سے واپسی کے بعد اپنی خوابگاہ میں بستر پر لیٹی چھت کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ ابھی تک خود کو ہوا میں معلق محسوس کر رہی ہو۔

ولیم، جین کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ ماریا اور مورگن بھی ایک طرف کھڑے فکرمند نظر آ رہے تھے۔ میں بستر کی دوسری جانب تھا، انکا میرے سر پر پشت پر ہاتھ باندھے اس طرح ٹہل رہی تھی جیسے کوئی گتھی سلجھانے پر غور کر رہی ہو۔

''خدا کا شکر ہے کہ میں زندہ بچ گئی ورنہ.....'' جین کی ماں نے لمبا سانس لے کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر گردن گھما کر میری سمت دیکھتے ہوئے نحیف آواز میں بولی۔ ''دولت علی۔ تم نے جو حیرت انگیز کمال دکھایا وہ میں کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر قبل از وقت مجھے اپنے ارادے سے آگاہ کر دیتے تو شاید میری یہ حالت نہ ہوتی۔''

''میں شرمندہ ہوں۔'' میں نے اعتراف کیا۔ ''مجھے آپ کے علم میں لائے بغیر ایسا کچھ نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ کو اس وقت سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔'' ولیم نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ ایک دو گھنٹے پُرسکون نیند سو لینے کے بعد آپ خود کو پہلے سے بہت بہتر محسوس کریں گی۔''

ولیم کی تجویز معقول تھی۔ جین نے ماں کو ایک مفرّح مشروب قلب پلایا، پھر ہم سب باہر آ گئے۔ ولیم نے جانے کی اجازت طلب کی تو جین نے اُسے روک لیا۔ ولیم کی خاطر مدارات کئے بغیر صرف شکریے پر ٹرخا دینا یقیناً بداخلاقی ہوتی۔ جین ماریا کے ساتھ کچن کی سمت چلی گئی، مورگن باہر جا چکا تھا۔ میں ولیم کے ساتھ لاؤنج میں ہی بیٹھ گیا۔ انکا نے ٹہلنا

بند کر کے ولیم کو سنجیدگی سے گھورنا شروع کر دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق نظر آ رہی تھی۔

''مسٹر دولت علی۔'' میں اسے اپنی خوش سمجھتا ہوں کہ آپ جیسے بڑے فنکار سے ملاقات ہو گئی۔'' ولیم نے انکساری سے کام لیا۔ ''آج کا دن میری زندگی میں ایک یادگار بن کر ہمیشہ آپ کی یاد دلاتا رہے گا، مجھے آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔ جم اور سارا اکثر آپ کے ناقابل یقین کارناموں کا ذکر کیا کرتے تھے، خاص طور پر جم نے متعدد بار اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آپ نے ایک ناممکن کام کو ممکن بنا کر اس کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ میرے اصرار کے باوجود اس نے کسی بات کی وضاحت نہیں کی، کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ وہ کون سا ناممکن کام تھا جسے آپ نے بقول جم چٹکی بجاتے سرانجام دے دیا تھا؟''

''مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی خواہش کا احترام کرنے سے قاصر ہوں۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''وہ ایک حساس نوعیت کا ایسا اہم راز ہے جس کی تشہیر دو حکومتوں کے سفارتی تعلقات کے درمیان دراڑیں بھی پیدا کر سکتی ہے۔''

''شاید اسی لئے جم نے بھی اس سلسلے میں کبھی زبان نہیں کھولی۔''

کچھ دیر بعد جین بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گئی۔ ماریا کے ساتھ مل کر اُس نے ولیم کی تواضع کی خاطر خاصا اہتمام کر ڈالا تھا، ماریا بڑی نفاست سے میزبانی کی خدمات انجام دینے لگی۔ مورگن کی واپسی کو ابھی صرف تین دن گزرے تھے لیکن اس مختصر عرصے میں بھی ماریا کے حسن، اُس کے رکھ رکھاؤ اور صحت پر بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے تھے۔ مجھے اُس کے وجود میں زندگی کی ایک نئی لہر دکھائی دے رہی تھی۔

''جمیل.....'' انکا نے جین اور ولیم کو مصروفِ گفتگو پا کر بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''ولیم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''پہاڑ اور گلہری کا جوڑ ممکن نہیں ہے انکارانی۔'' میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر افسوس کا انداز اختیار کیا۔ ''ولیم کا خیال دل سے نکال دو۔''

''اگر میں جین کی محبت کا رُخ ولیم کی طرف پھیر دُوں تو کیسا رہے گا؟'' انکا نے میرے لطیف مزاح کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بدستور سنجیدگی سے کہا۔

''تم نے اتنی جلدی میں یہ پلان کیوں کر مرتب کر لیا.....؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''میں نے ولیم کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لی ہیں۔'' انکا نے ولیم کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''ولیم کا باپ لیونارڈو ایک کروڑ پتی شخص تھا۔ اُس نے یہ دولت بڑی محنت اور مشقت سے کمائی تھی، بڑا آدمی بننے سے پہلے وہ ایک معمولی موٹر مکینک تھا لیکن اُس کی ایک حیرت انگیز ایجاد نے راتوں رات اُسے کروڑ پتی بنا دیا۔ مگر افسوس کہ جس عورت کی کمپنی میں وہ ملازم تھا اُس نے نہ صرف لیونارڈو کی اُس ایجاد کو اپنے نام سے منسوب کرا لیا بلکہ اُس کی زبان بند رکھنے کی خاطر اُس کے ساتھ شادی کا ڈھونگ رچانے میں بھی جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ لیونارڈو اس مکار عورت کے فریب کو نہ سمجھ سکا۔ وہ بنیادی طور پر ایک سیدھا سادھا شریف، محنتی اور ایماندار شخص تھا، بڑی آسانی سے اُس بیوہ کے جھانسے میں آ گیا جو پہلے ہی اپنے مرحوم شوہر کی جمع جائیداد پر قبضہ جمائے بیٹھی تھی۔ مارٹینا نہایت چالباز اور جہاندیدہ عورت تھی اُس نے ایسا چکر چلایا کہ لیونارڈو نے اُس بدکار عورت کو اپنی خوش نصیبی سمجھ کر قبول کر لیا۔ اُس غریب کو اپنی غلطی کا احساس اس وقت ہوا جب موت اور اُس کی زندگی کے درمیان چند لمحوں کا فاصلہ رہ گیا تھا۔''

''کیا مطلب.....؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے دریافت کیا۔

''اُس دغا باز عورت نے لیونارڈو کے گرد اپنے حسن اور جوانی کا ایسا حسین اور مضبوط جال بُنا کہ وہ اُس کی تھاہ بھی نہ پا سکا۔'' انکا نے بات جاری رکھی۔ ''مارٹینا نے لیونارڈو سے اپنی محبت اور شادی کی خواہش کا اظہار کرنے سے پہلے ہی ایک اچھی خاصی بڑی رقم اُس کے نام سے بینک میں جمع کرا دی۔ لیونارڈو کی نظروں کے سامنے شاندار مستقبل تھا۔ زندگی سنوارنے اور بڑا آدمی بننے کی خواہش کسی بھی شخص کو دیوانہ کر سکتی ہے۔ لیونارڈو کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ مارٹینا کھیلی کودی، تجربہ کار عورت تھی۔ اُس نے شادی کرنے کی غرض سے شہر سے دُور عارضی طور پر ایک شاندار رہائشگاہ کرائے پر حاصل کر لی۔ شادی کے بعد اُس نے لیونارڈو کو مصروف رکھنے کی خاطر اُسے زندگی کی بیش قدر آسائشیں اسی عمارت میں فراہم کر دیں جہاں کئی ضرورت مند، خوبرو اور جوان ملازمائیں بھی اُس کا دل بہلانے کو موجود تھیں۔ لیونارڈو شراب اور شباب کے دلدل میں پھنسا آنے والے خوشگوار مستقبل کے خوابوں میں گم رہا۔ شادی کے ڈیڑھ سال بعد مارٹینا نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا جسے لیونارڈو کی ذات سے منسوب کیا گیا۔

''کیا ولیم مارٹینا اور لیونارڈو کی محبت کا نتیجہ نہیں تھا.....؟'' میں چونکا۔

''مغربی تہذیب میں پچاس فیصد بچوں کو اُن کی ماں کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔'' انکا نے حقارت سے کہا۔ ''شاید مارٹینا بھی مکمل یقین اور اعتماد کے ساتھ نہیں بتا سکتی کہ ولیم کس کا نطفہ ہے۔''

''لیونارڈو کا کیا بنا.....؟'' میں نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

''بڑی طویل داستان ہے جمیل صاحب۔'' انکا نے سرد آہ بھری۔ ''ولیم کی پیدائش کے چار سال بعد غریب لیونارڈو کثرت شراب نوشی کی وجہ سے ایک رات اپنی خوابگاہ میں مُردہ پایا گیا۔ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اُسے سلو پوائزننگ (SLOW POISONING) کے ذریعے راستے سے ہٹایا گیا تھا۔ مرنے سے پیشتر مارٹینا، لیونارڈو سے ایک دو سادہ چیکوں پر دستخط کرا کے بینک میں اُس کے نام پر جمع رقم کا بیشتر حصہ وقتاً فوقتاً کیش کرا کے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا چکی تھی۔ موت کے بعد لیونارڈو کے نام پر محض دو ہزار ڈالر بینک کے کھاتے میں پائے گئے۔ اس کے بعد ولیم کو زیادہ دنوں مارٹینا کی آغوش کی گرمی نصیب نہیں ہوئی، اُس کی پرورش ایک گورنس کے ذمہ کر دی گئی۔ پانچ سال تک وہ فریبی عورت کسی نہ کسی طرح اُس کے وجود کو اپنی چھت کے نیچے برداشت کرتی رہی پھر ولیم کو دُور دراز کے ایک تعلیمی ادارے کے ہوسٹل میں داخل کرا دیا۔ نو دس سال تک ولیم اسی ہوسٹل سے وابستہ رہا۔ پھر اس نے عملی زندگی میں قدم رکھا۔'' انکا نے سانس لیتے ہوئے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ''ہوسٹل سے فارغ ہونے کے بعد وہ مارٹینا کے ساتھ بمشکل دو ماہ گزار سکا پھر اُس کی سرد مہری اور بے اعتنائی سے دلبرداشتہ ہو کر علیحدگی اختیار کر لی۔ اب یہ ایک انشورنس کمپنی میں ملازم ہے، اس کا کردار بے داغ ہے، محنتی اور ایماندار بھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جین کے لئے ولیم ایک بہترین انتخاب ثابت ہوگا.....''

''کیا جین آسانی سے میری محبت سے دستبردار ہو جائے گی؟'' میں نے ولیم کی زندگی کے تمام نشیب و فراز کی تفصیل جاننے کے بعد سوال کیا۔

''جم اور جین کی محبت کو بار بار کیوں فراموش کر دیتے ہو؟'' انکا نے چہکتے ہوئے جواب دیا۔ ''اگر میں ایک بار تمہاری خاطر جین اور جم کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کر کے جم اور سارا کے ستارے ملا سکتی ہوں تو دوسری بار بھی تمہاری مجبوریوں کے پیش نظر جین اور ولیم

کو بھی شیریں فرہاد کے سانچے میں ڈھال سکتی ہوں۔''

''میں بھول گیا تھا انکارانی کہ تم ہر مرض کا علاج ہو۔'' میں نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''اس بات کا خیال بھی رکھنا کہ جین کی ماں کے دماغ میں لڑکے کا انتخاب کرتے وقت اسٹیٹس کا کیڑا ضرور کلبلائے گا۔''

''تم سب کچھ میرے اُوپر چھوڑ دو....'' اُس نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''خاموشی سے دیکھتے رہو کہ تمہاری انکارانی اب کیا کیا گل کھلاتی ہے.....''

میں نے کوئی مزید بات نہیں کی۔ میں انکا کی ذات سے بخوبی واقف تھا، میرا اُس کا برسوں کا ساتھ تھا، میں جانتا تھا کہ وہ جو کہتی ہے اسے کر گزرنے کی طاقت بھی رکھتی ہے۔ کچھ دیر بعد ولیم جانے کے ارادے سے اُٹھا تو انکا میرے سر سے اُتر گئی۔ جین، ولیم کو رخصت کرنے کی خاطر دروازے تک گئی۔ ماریا برتن سمیٹ کر کچن کی سمت جا رہی تھی میں اُس کے سراپا کو دیکھنے لگا۔ پھر میری نظر دروازے کی سمت اُٹھی تو میرے اندر رقابت کا جذبہ بھڑک اُٹھا۔ بیرونی دروازے کے قریب جین بڑے والہانہ انداز میں ولیم کی بانہوں میں سمٹی نظر آئی۔ ولیم اُس کے ہونٹوں کا رس کشید کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ انکا اس وقت جین کے سر پر موجود ہوگی۔ میں نے جلدی سے نظریں پھیر لیں۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو رہی تھی جب جین نے میرے قریب آ کر بڑی معصومیت سے مخاطب کیا۔

''کہاں گم ہو دولت علی.....؟'' اُس کے چہرے کے بھولپن سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ابھی تک انکا کے زیر اثر تھی۔

''میں تمہاری ماں کے بارے میں غور کر رہا تھا۔'' میں نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ ''مجھے شاید اُن کے ساتھ.....''

''جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔'' وہ میرے پہلو میں بیٹھ گئی۔ پھر پکنک کے دوران ہونے والی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مزے لے لے کر دہرانے لگی۔ میں اُس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ کاش میں جین کو بتا سکتا کہ اُسے ولیم کی بانہوں میں مچلتا دیکھ کر میرے دل پر کیا قیامت گزر گئی تھی۔ انکا نے بھی کانٹا بدلنے میں بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔

وہ رات میں نے کانٹوں کے بستر پر کروٹیں بدل بدل کر گزاری۔ انکا نے ولیم اور جین کے ستارے ملا کر مجھے حالات سے رہائی دلانے کی کوشش کی تھی لیکن جین کو کسی دوسرے کی

بانہوں میں دیکھنا مجھے گوارا نہیں تھا۔ میں اُس کے حسن کا دیوانہ تھا، اُس کی خاطر پچھلی بار میں نے لندن میں اپنے قیام کو طول دیا، جم یا اُس کے مشن کی کامیابی یا ناکامی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جین، جم کی دیوانی تھی۔ میں نے کسی سپیرے کی طرح اُسے بین کی دُھن پر جھومنے کا عادی بنانے میں بڑی صبر آزما گھڑیاں گزاری تھیں۔ انکا کے ذریعے میں ایک پل میں اُس کی جوانی کی سرکش اداؤں کو تاراج کر سکتا تھا۔ انکا کو ایک اشارہ بہت ہوتا..... جین خوشی خوشی میری بانہوں میں سمٹنے کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتی۔ سب کچھ ممکن تھا، ہر بات میرے اختیار میں تھی۔ لیکن جین دوسری لڑکیوں سے مختلف تھی۔ میں اُسے کھلونے کی طرح استعمال کر کے توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اپنی تشنگی بجھانے کی خاطر اُس کی رضامندی کا طویل انتظار کیا..... مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل گئی، انکا نے جم کو درمیان سے ہٹا دیا۔ میدان میرے لئے صاف ہو گیا۔ پھر حالات نے جین کو مجھ سے دُور کر دیا، مجھے بڑی عجلت میں لندن کو خیر باد کہنا پڑا۔ وقت گزرتا گیا، میں شاید جین کو بھول گیا تھا؟ نہیں، وہ میرے دل کے نہاں خانوں میں دبکی بیٹھی کسی مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ حالات نے اُسے وہ موقع فراہم کر دیا۔ کلدیپ کی جوان موت نے میری کمر توڑ دی، محرومیوں کا شکار کر دیا۔ پھر عین اُس وقت جب میں موت اور زندگی کے دوراہے پر کھڑا تھا جین نے اچانک سامنے آ کر حیران کر دیا۔ اُس کی لگن سچی تھی، اُس نے مجھے بدترین حالات میں اپنی مہکتی بانہوں کا سہارا دیا، میں ششدر رہ گیا۔

عجیب مذاق تھا، جب میں نے چاہا جین کی آمادگی بھی شرط ہو تو اُس نے مہلت طلب کر لی۔ اب وہ گلے گلے آمادہ تھی تو پریتم لال نے کلدیپ کی آتما کے بے چین ہو جانے کا احساس دلا کر میرے قدموں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ میرے ماضی کی داستان مختلف ذات پات کی خوبرو لڑکیوں کے ساتھ گزرے ہوئے رنگین لمحوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک سے ایک سرکش حسینائیں میری خواہشات کی دہلیز پر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو چکی تھیں۔ میں بے دھڑک اُن کے حسن، اُن کے غرور کو پیروں تلے روندتا، اُن کے جسم کے گاڑھے اور تازہ خون سے انکارانی کے وجود کو سیراب کرتا پھر آگے بڑھ جاتا۔ میرے اُوپر کوئی روک ٹوک، کوئی بندش نہیں تھی.....

پریتم لال نے بھی مجھے موج میلہ کرنے سے منع نہیں کیا تھا، میں جین کے جوان مہکتے

وجود سے بھی اپنی پیاس بجھا سکتا تھا لیکن میں اُس کے ذہن میں تعمیر محبت اور عقیدت کے تاج محل نہیں ڈھانا چاہتا تھا..... وہ میری نظروں کے سامنے کسی دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر بوس و کنار کرے یہ بھی میری برداشت سے باہر تھا۔ انکا پہلے ہی دبی زبان میں اس خطرے کا اعلان کر چکی تھی کہ آگ اور پٹرول کا ساتھ مناسب نہیں ہے۔ میں تکمیل آرزو میں مصلحتوں سے کام لیتا رہا، میں نے دیر کر دی، وقت میرے ہاتھوں سے پھسل گیا.....!

رات میری آنکھ دیر سے لگی۔ دوسرے دن اتوار تھا لیکن میری نیند پوری نہیں ہو سکی۔ کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر بیدار کیا، میں ہڑبڑا کر اُٹھا۔ جین شب خوابی کے باریک لباس میں میرے سامنے موجود تھی۔ اُس کا سیمیں بدن جھلک رہا تھا۔ میرے اندر سویا ہوا طوفان جاگنے لگا، میرے فگار سینے میں سلگتے ارمانوں نے مجھے اُکسانے کی کوشش کی۔

''جمیل احمد خان۔ تمہیں اس سے خوبصورت موقع شاید دوبارہ میسر نہ ہو۔ تمہارا محبوب تم سے ایک قدم کے فاصلے پر ہے، ہاتھ بڑھاؤ۔ لچکتی شاخ کو اپنے بازوؤں میں گھسیٹ لو۔ پکے ہوئے پھل کو توڑنے میں دیر کرنا دانشمندی کے منافی ہے۔ تم نے دیر کی تو کوئی اور اُچک لے جائے گا۔ اپنی پیاس بجھا لو ورنہ ہمیشہ کف افسوس ملتے رہ جاؤ گے۔''

میرے جسم پر چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ باریک گاؤن سے جھلکتے جین کے جسمانی نشیب و فراز بڑے ہیجان انگیز تھے۔ میں نے ہاتھ تھام کر اُسے اپنے پہلو میں گھسیٹ لیا۔ اُس کے بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو مجھے دیوانہ کر رہی تھی جب اُس کی گھبرائی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''دولت علی۔ ابھی کچھ دیر پہلے جم کا فون آیا تھا۔ اُس نے مجھے ایک پریشان کن اطلاع دی ہے۔''

جین میری بانہوں میں کسمسا رہی تھی۔ اُس کی آواز صدا بہ صحرا ہو کر رہ گئی۔ میں نے اس قیامت کو پوری شدومد سے اپنے اندر ضم کرنے کی کوشش کی، جین نے معمولی مزاحمت کرتے ہوئے مجھے دوبارہ مخاطب کیا۔

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو دولت علی۔ جیکب ایک عورت کو قتل کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اب اُس کا پرانا ریکارڈ ضرور کھنگالا جائے گا۔ جم اور سارا دونوں

جانتے ہیں کہ وہ میرے ہاں ملازمت کر چکا ہے۔ کچھ سوچو دولت علی۔ جیکب کے مغرور ملزم ہونے کی بات کھل گئی تو مجھ سے بھی باز پرس ضرور ہوگی۔''

میں نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر مجھ سے دُور ہوگئی۔ جیکب کے کسی عورت کو قتل کر دینے کی اطلاع نے اُسے خاصا پریشان کر دیا تھا، بڑی اُلجھی اُلجھی دکھائی دے رہی تھی۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ انکا کے خراٹوں کی ہلکی ہلکی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ میں نے اُسے عالم تصور میں دیکھا، دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے وہ اس پر سر رکھے بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے اُسے غور سے دیکھا، کل رات تک اُس کا چہرہ زردی مائل تھا لیکن اب قندھاری انار کی مانند سرخ ہو رہا تھا، اُس کے نازک نازک ہونٹوں پر سرخی تیر رہی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنکا، انکا کا اطمینان اور چہرے کی رنگت چغلی کھا رہی تھی کہ وہ کسی کے تازہ خون سے اپنے وجود کو سیراب کرنے کے بعد بے فکری کی نیند سے دوچار ہے۔ 'جو خبر جین نے سنائی تھی اس کی پشت پر انکا کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے۔' میں نے سوچا۔

''دولت علی۔'' جین نے بے چینی سے کہا۔ ''تم نے کہا تھا کہ جیکب کی طرف سے مجھے بے فکر ہو جانا چاہئے۔ لیکن اُس کا سابقہ ریکارڈ.....''

''اپنے آپ کو ہلکان مت کرو۔'' میں نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''تمہارا نام کسی طرح درمیان میں نہیں آنے پائے گا۔''

انکا کو بیدار کرنے کی خاطر میں نے اپنے ہاتھ کی اُنگلیوں کو کنگھی کی طرح بالوں میں پھیرا۔ وہ توبہ شکن انگڑائی لے کر اُٹھ بیٹھی۔ اُس کی نگاہوں سے خمار چھلک رہا تھا۔ جین کو صبح صبح میرے کمرے میں دیکھ کر وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی۔ لیکن بڑے تجاہل عارفانہ سے جماہی لیتے ہوئے بولی۔

''کیا بات ہے جمیل؟ تم دونوں اتنے اُلجھے اُلجھے کیوں نظر آ رہے ہو؟''

''ابھی جم نے فون پر اطلاع دی ہے کہ جیکب نے گزشتہ رات کسی عورت کو قتل کر دیا۔''

میں نے انکا کے چہرے کے تاثرات پر نظر جمائے رکھی۔

''ہاں، جم نے غلط نہیں کہا۔'' انکا نے لاپرواہی سے کہا۔ ''مارٹینا نے جو سلوک ولیم اور اُس کے مرحوم باپ کے ساتھ کیا اس کی سزا تو اُسے ملنی ہی تھی۔''

''کیا مطلب.....'' میں چونکا۔ ''کیا تم نے.....''

''ایک تیر سے تین نشانے لگائے ہیں۔'' انکا دونوں ہاتھ کولہوں پر ٹکا کر سر پر چہل قدمی کرتے بولی۔ ''کرسٹی کی رُوح بھی مائیکل سے اپنی موت کا انتقام لینے کو بے چین تھی۔ مارٹینا کی بدکرداری بھی حد سے تجاوز کرتی جا رہی تھی اور تمہاری انکا رانی کو بھی اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے تازہ خون کی ضرورت تھی، میں نے سارے کام ایک ساتھ نمٹا دیئے، مس کم جہاں پاک۔''

''دولت علی، پلیز۔'' جین کا اضطراب بڑھنے لگا۔ ''کچھ سوچو۔ اگر میرا نام درمیان میں آ گیا تو میں بڑی دُشواریوں میں پڑ جاؤں گی۔''

''جین کو یقین دلا دو جمیل۔'' انکا سر سے اُچھل کر میرے کندھے پر آ گئی۔ ''میں نے کچا کام نہیں کیا۔ پولیس کے فرشتوں کو بھی جیکب یا مائیکل کے بارے میں کوئی پچھلا ریکارڈ دستیاب نہیں ہو سکے گا۔ جم کا دوسرا فون جین کی ساری بے چینی دُور کر دے گا۔''

میں نے انکا کے کہنے پر جین کو مطمئن کرنے کی خاطر دلاسا دیا۔ وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی جب لاؤنج والے فون کی گھنٹی بجی، جین تیزی سے قدم اُٹھاتی کمرے سے نکلی۔ میں بھی اُس کے پیچھے پیچھے لپکا۔ انکا میرے کندھے پر بیٹھی دونوں پاؤں ہلا رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر اطمینان جھلک رہا تھا۔

جین فون پر تین چار منٹ بات کرتی رہی، اُس کے چہرے پر اضطراب کی جگہ حیرت اور استعجاب کے ملے جلے تاثرات اُبھرنے لگے۔ فون بند کرنے کے بعد اُس نے مجھے بڑی جذباتی نظروں سے دیکھا۔

''دولت علی۔ مجھے ایک بار تفصیل سے بتا دو کہ تم کیا چیز ہو؟ میں نے مشرقی جادوگروں اور پنڈت پجاریوں کے سلسلے میں بہت کچھ سن رکھا ہے لیکن تمہاری ماورائی اور رُوحانی قوتوں کا کرشمہ دیکھ کر مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ میں تمہیں کیا سمجھوں؟ کہیں تم کوئی جن یا بھوت تو نہیں جو اتنی آسانی سے ناقابل یقین اور حیرت انگیز کارنامے انجام دے ڈالتے ہو؟''

''جم نے اب کیا اطلاع دی.....؟'' میں نے کنکھیوں سے انکا کی طرف دیکھا۔ اُس کے پتلے پتلے نازک ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

''جم کے علاوہ موقعہ واردات پر موجود ٹیم کے دوسرے افراد بھی حیرت زدہ ہیں۔ اُن کا

خیال ہے کہ قاتل کوئی مافوق الفطرت انسان تھا جس نے پولیس اور قانون کے لئے کوئی سراغ باقی نہیں چھوڑا۔"

میں نے جواب میں صرف مسکرانے پر اکتفا کی۔ جین نے بات جاری رکھی۔

"جم بڑے یقین سے کہہ رہا تھا کہ اُس نے قاتل کو جیکب کی حیثیت سے شناخت کیا تھا، اُسے مقتولہ کی لاش کے قریب ہی کھڑا پایا گیا تھا، حیرت ہے کہ اُس نے واردات کے بعد فرار ہونے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ جم کا بیان ہے کہ قاتل کو ہتھکڑی پہنا کر لے جایا جا رہا تھا جب وہ چکرا کر گرا پھر حیرت انگیز طور پر اُس کے چہرے کے نقوش اور جسم کے تمام اعضاء اپنی ماہیت کھونے لگے۔ جسم کا گوشت اس طرح جھڑنے لگا جیسے کوئی نادیدہ پراسرار قوت اُسے تیزی سے کھا رہی ہو اور اب..... اب پولیس کی تحویل میں ایک استخوانی پنجر کے سوا باقی کچھ نہیں ہے۔ یہ سب کس طرح ممکن ہوا دولت علی؟ محکمہ سراغرسانی میں کھلبلی مچ جائے گی، اخبارات چیخ اُٹھیں گے۔ اس سے پیشتر ایسا کبھی نہیں ہوا۔"

"جین....." میں نے انکا کے اُکسانے پر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "حالات کے پیش نظر اب مجھے کچھ دنوں کے لئے تمہارے فارم ہاؤس سے دُور رہنا ہوگا۔ اگر یہ اقدام فوری طور پر نہ اُٹھایا گیا تو میرے اور تمہارے درمیان فاصلے بڑھ جائیں گے۔ صرف دو تین ماہ کی مجبوری ہے، اس کے بعد میں پھر واپس آجاؤں گا۔"

"نہیں دولت علی....." وہ دیوانی لڑکی بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ اس طرح اپنی مرمریں بانہوں میں سختی سے جکڑ لیا جیسے وہ مجھے کہیں جانے سے روک لے گی۔

"کسی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرنا جمیل صاحب۔ ورنہ ایسا سنہری موقع مشکل سے ہاتھ آئے گا۔" انکا اپنا جملہ مکمل کر کے میرے سر سے اُتر گئی۔ میں سمجھ گیا وہ جین کے سر پر گئی ہوگی۔

"تمہاری خاطر میں جان بھی دے سکتا ہوں مگر....."

"ایسا مت کہو دولت علی۔" جین کی آنکھیں چھلک اُٹھیں۔ میرے سینے پر سر ٹکا کر سسکتے ہوئے بولی۔ "میں تمہیں رُکنے پر مجبور نہیں کروں گی، تمہارے بغیر میرے دن رات کس طرح گزریں گے؟ میں نہیں جانتی۔"

میں اپنے جسم پر جین کے سینے کی دھڑکن محسوس کر رہا تھا، میرے اندر کا آتش فشاں

پھٹ پڑنے کو مچلنے لگا، میں نے ضبط سے کام لیا۔ تا دیر جین کی سسکیاں میرے صبر کو آزماتی رہیں، پھر وہ چہرہ اُٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں بولی۔

"میں دو مہینے تو کیا دو زندگیوں تک تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔"

میں نے جین کو بہلانے کی خاطر اپنے سلگتے ہونٹ اُس کی پیشانی پر رکھ دیئے۔ اُسی شام میں جین کے فارم ہاؤس پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا پوش علاقے کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں منتقل ہوگیا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی میرے ساتھ تھی.....!!

جین کے فارم ہاؤس سے فائیو اسٹار ہوٹل تک کا سفر بڑا تکلیف دہ تھا۔ جین نے میرے جانے کے لئے ایک کیب (CAB) منگوائی تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جب تک فارم ہاؤس نظروں سے اوجھل نہیں ہوگیا میں مشتاق نظروں سے پلٹ پلٹ کر جین کو دیکھتا رہا۔ وہ اپنے لان پر کھڑی ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے وِش کر رہی تھی۔ جین کی جدائی کا ایک ایک لمحہ میرے لئے بڑا تکلیف دہ تھا۔ انکا سر پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ جین نظروں سے اوجھل ہوگئی تو میں نے ایک سرد آہ بھر کر انکا کو مخاطب کیا۔

''جین کے بغیر لندن میں دل نہیں لگے گا۔ ہمیں ہندوستان جانے کی خاطر تیاری کرنی ہوگی۔''

''میں تمہاری اُداسی دیکھ رہی ہوں جمیل۔'' انکا نے ہمدردی ظاہر کی۔ ''لیکن ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس میں تمہاری جین کا ہی فائدہ ہے۔''

''نفع اور نقصان کی بات مت کرو انکا رانی۔'' میں یکلخت تلخ ہوگیا۔ ''میں نے زندگی میں کیا کھویا، کیا پایا تم اس کی شاہد ہو۔ اب زندگی کی تمنا کس کمبخت کو ہے؟''

''ایسی باتیں مت کرو۔'' انکا نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ ''وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔ زندگی میں تغیرات آتے جاتے ہیں۔ وقتی طور پر کسی اپنے سے بچھڑ جانے کی تکلیف ضرور ہوتی ہے، لیکن وقت.....''

''کس وقت کی بات کر رہی ہو؟'' میری بے چینی سوا ہوگئی۔ ماضی میں دفن ڈھیر کو کرید کر انکا نے کچھ پرانے زخم تازہ کر دیئے۔ ''نرگس یاد ہے تمہیں.....؟'' میں نے اُسے خشمگیں نظروں سے دیکھا۔ ''میں نے اُسے دل کی گہرائیوں سے چاہا، اُس کے حصول میں بے شمار دُشواریاں حائل تھیں، تم نے کرم کیا تو ایک ایک کر کے سارے بند ٹوٹ گئے۔ میں نے نرگس کو پالیا۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟''

میرے اندر جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا ہوئی تو انکا پہلو بدلنے لگی۔

''میرے اس مصنوعی ہاتھ کی طرف ایک نظر ڈالو انکا رانی۔'' میں زہر خند سے بولا۔ ''تمہیں تو یاد ہوگا کہ میرا ہاتھ کس طرح کاٹا گیا تھا؟ اُس لمحے کی طرف پلٹ کر دیکھو جب میری مجبور اور بے قصور نرگس کے گلاب بدن کو ایک جنسی جنونی نوچ کھسوٹ رہا تھا۔ کیا قصور تھا نرگس کا؟ وہ غریب تو میری بہتری کے لئے سوچ رہی تھی اور وقت نے اُسے ایسی ہولناک سزا دی کہ میں.....''

''میں شرمندہ ہوں جمیل۔'' انکا کی آواز بھرا گئی۔ ''یہ اُن دنوں کی بات ہے جب ہم نے ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پوری طرح نہیں سمجھا تھا۔ لیکن اب تو ہم لازم وملزوم.....''

''نہیں.....'' میں جھلا گیا۔ ''میں نہیں مانتا، کوئی لازم وملزوم نہیں ہوتا۔ سب دنیا دکھاوا ہے، جھوٹ ہے، مکر ہے، فریب ہے۔ تم نے وقت کی بات چھیڑی تھی، میں تردید نہیں کروں گا۔ وقت ہی وہ بھیانک اور ہولناک عفریت ہے جو انسان کی خوشیوں کو نگل جاتا ہے۔ ہم سب وقت کے سامنے بے بس ہیں۔ تم بھی، میں بھی۔ وقت پر کسی کا بس نہیں چلتا۔ آندھی اور طوفان کا ایک تیز جھکڑ چلتا ہے، بڑے بڑے تناور درخت جڑیں چھوڑ کر زمیں بوس ہو جاتے ہیں۔ سب ٹائیں ٹائیں فش ہو جاتا ہے۔ ہم دل کی تسلی کے لئے ایک دوسرے پر تہمتیں لگانے بیٹھ جاتے ہیں، دل کی بھڑاس نکالنے کی خاطر ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں، اپنی غلطی کون تسلیم کرتا ہے؟''

میں نے انکا کو تیز نظروں سے گھورا۔

''بولو انکا رانی..... جواب دو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں.....'' انکا نے مجھے سہمی سہمی نظروں سے دیکھا۔ ''دنیا کی ریت کو بدلا نہیں جا سکتا۔ میں تمہاری باتوں سے اتفاق کرتی ہوں۔'' انکا نے میرے سامنے سپر ڈال دی تو مجھے ہنسی آگئی۔ شاید اُس نے میری ذہنی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ بحث کر کے زیادہ نہیں اُلجھانا چاہتی تھی۔ میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ بیتے اُدھیڑنے سے حاصل بھی کیا تھا؟ جو گزر چکا تھا واپس نہیں آسکا تھا، جو آنے والا تھا اس کے لئے سوچنا ضروری تھا۔

''اس شہر میں شاید پہلی واری آئے ہوتسی.....؟'' کیب کے سکھ ڈرائیور نے خاموشی سے اُکتا کر مجھے مخاطب کیا۔

''خود نہیں آیا۔'' میں نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ ''حالات لے آئے ہیں۔''

''سچ دس رہے ہو برادر۔ حالات ہی بندے کا کچومر نکال کر کولھو دا بیل بنا دیتے ہیں۔''

''تمہارا نام؟'' میں نے دل بہلانے کی خاطر سوال کیا۔

''ہرنام سنگھ۔'' اُس نے دل برداشتہ انداز میں جواب دیا۔ ''پانچ ورش پہلے اپنی وجنتی کے ساتھ لندن دی سیر واسطے آیا تھا۔ وہ..... ایک چٹی چمڑی والے دے نال نس گئی، میں ٹاپتا رہ گیا۔ اب اُس کی تلاش میں ایسی کم تیسی کراتا پھر رہا ہوں۔''

''وجنتی کو تلاش کر کے کیا کرو گے؟'' میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ''اب وہ مل بھی گئی تو تمہارے کس کام کی؟''

''واہ گرو دی سو.....'' ہرنام سنگھ کی غیرت کو جلال آ گیا۔ ''وہ..... بس اِک واری مجھے مل جائے، میں اُس کے ٹوٹے کر دیاں گا۔ پھر بھلے پھانسی لگ جائے۔''

''بھول جاؤ اُسے۔'' میں نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ ''میری مانو تو تم بھی کسی گوری چٹی میم کو اُچک لو۔ جب تک گاڑی چل سکے اُس سے اپنی وجنتی کا حساب چکتا کرتے رہو..... جب کھٹارا ہو جائے تو اونے پونے کہیں بھیڑ دینا۔''

''ان کڑیوں کو اپنانے دی کی لوڑ ہے؟'' ہرنام سنگھ نفرت سے بولا۔ ''دو پیک ان کے حلق وچ انڈیل دو، جونک کی طرح چمٹ جائیں گی۔''

''تم آدمی دلچسپ ہو ہرنام سنگھ۔ لندن میں میرا قیام زیادہ طویل نہیں ہوگا۔ لیکن ملتے رہنا، شاید میں تمہارے کسی کام آسکوں۔''

انکا خاموش بیٹھی میری اور ہرنام سنگھ کی باتیں سنتی رہی۔ کیب ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے گیٹ کے سامنے پہنچ کر رُکی تو میں نے بڑی فیاضی کا ثبوت دیا۔ جیب میں جتنے بھی کرنسی نوٹ تھے سب نکال کر ہرنام سنگھ کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اُس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ میں نے تیزی سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ انکا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ہوٹل کے بیرونی گیٹ پر تعینات باوردی کارندوں نے مجھے حیرت سے دیکھا، میرے ایک شانے پر مختصر سا بیگ تھا، دوسرے ہاتھ میں، میں نے سیّد کی لاٹھی تھام رکھی تھی۔ لباس بھی اتنا خاص نہیں تھا کہ وہ میری حیثیت سے مرعوب ہوتے۔ چنانچہ میری راہ میں حائل ہو گئے۔ انکا میرے سر سے اُتر گئی۔

''آپ کو کہاں جانا ہے؟'' ایک کارندے نے بظاہر مسکرا کر پوچھا لیکن میں نے اُس کی مسکراہٹ میں چھپے گہرے طنز کو محسوس کر لیا۔

''میں تمہارے اس ہوٹل میں قیام کر کے اس کی شہرت میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

''سوری سر.....'' اُس نے رُوکھے لہجے میں فیصلہ سنا دیا۔ ''آپ اس ڈنڈے کے ساتھ اندر نہیں جا سکیں گے۔''

''کون روکے گا مجھے.....؟'' میں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ نندا کی بخشی ہوئی قوتوں کو آنکھوں میں سمیٹ کر اعتراض کرنے والے کو گھورا تو وہ کسی گرتے ہوئے ستون کی طرح لڑکھڑانے لگا۔ دوسرا کارندہ مجھے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ صدر دروازے کے وسیع و عریض ٹرانسپرنٹ شیشے کی دوسری جانب خاصی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ گیٹ پر لڑکھڑاتے ہوئے ساتھی کو دیکھ کر کچھ دوسرے کارندے بھی لپک کر باہر آ گئے۔ وہ بضد تھے کہ مجھے لاٹھی باہر چھوڑنی پڑے گی۔ میں ایک لمحے کو بھی سیّد کی لاٹھی سے جدا ہونے کو تیار نہیں تھا، بات بڑھتی گئی۔

دروازے پر بھیڑ جمع ہونی شروع ہوئی تو آنے جانے والوں کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔ ایک ہندوستانی کی جسارت اُنہیں پسند نہیں آئی تھی۔ اُن کی نظروں میں حقارت تھی۔ میرا خون کھولنے لگا۔ لیکن اس سے پیشتر کہ میں اُن کے سامنے اپنی طاقت کا کوئی اور کرشمہ پیش کرتا، ہوٹل کا جنرل منیجر لمبے لمبے قدم اُٹھاتا قریب آ گیا۔ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے آدمیوں کو اندر جانے کی ہدایت کی، میں سینہ تانے ڈٹا رہا، ملازموں کے جانے کے بعد جنرل منیجر نے مجھے بڑے مودبانہ انداز میں مخاطب کیا۔

''آئی ایم سوری مسٹر دولت علی۔ ہمیں ابھی ابھی فون پر آپ کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔ آپ ہمارے ہوٹل میں ٹھہریں گے تو یہ ہمارے لئے ایک اعزاز ہوگا.....''

جنرل منیجر کی مداخلت پر مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ میں نے قدم آگے بڑھا دیئے، مجھے ہوٹل کی ساتویں منزل پر واقع ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ سیّد کی لاٹھی میرے ساتھ ہی تھی۔ میں نے گھوم پھر کر تنقیدی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہاں ضرورت کی تمام اشیاء موجود تھیں۔

''سر.....'' جنرل منیجر نے باادب دریافت کیا۔ ''آپ کا سامان کب آئے گا؟''

''میں غیر ضروری باتیں پسند نہیں کرتا۔'' میں نے انگریزوں سے ہندوستانیوں کی ازلی نفرت کے اظہار کا موقع ضائع نہیں کیا۔ ''آپ جا سکتے ہیں۔''

جنرل منیجر کی پیشانی پر بل آتے آتے رہ گیا۔ اُسی لمحے ایک حسین لڑکی قدم اُٹھاتی کمرے میں داخل ہوئی۔ بڑی ہنس مکھ، بے حد اسمارٹ، ہوٹل کے مہمانوں کو خوش رکھنے کے سلسلے میں تمام کیل کانٹوں سے لیس۔ اُس کے جسم کا انگ انگ پیشہ وارانہ انداز میں تھرک رہا تھا۔ مجھے اُسے پہچاننے میں کوئی دُشواری نہیں ہوئی۔ سینے کے اُبھار پر لگی آسمانی نیم پلیٹ پر سفید جلی حروف سے اُس میزبان (ہوسٹس) خاتون کا نام بھی درج تھا۔

''یہ مِس میلبا ہیں۔'' جنرل منیجر نے 'مِس' پر زور دے کر تعارف کرایا۔ ''انہیں آپ کی خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔''

''مجھے دولت علی کہتے ہیں۔'' میں نے بے تکلفی سے میلبا کا ہاتھ تھام لیا۔ مجھے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی، جنرل منیجر میری جسارت پر تلملا کر رہ گیا۔ وہ بل کھاتا چلا گیا تو میں نے میلبا کو تفصیلی نظروں سے دیکھا، وہ درمیانہ قد اور چھریرے بدن کی ایک حسین لڑکی تھی۔ اُس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا، اُس کے لمس میں وہ گرمی کچھ زیادہ ہی تھی جو جنس مخالف کے جذبات برانگیختہ کرنے میں موثر ثابت ہوتی ہے۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی، غیر ممالک کے ہوٹلوں میں ''میزبان خواتین'' کا انتخاب ٹھونک بجا کر کیا جاتا ہے۔ انہیں وہ گر سکھائے جاتے ہیں جو مہمانوں کو زیادہ سے زیادہ قیام پر آمادہ کر سکیں۔ ان میں جھجک نام کی کوئی شے نہیں پائی جاتی، اپنے فرائض کی ادائیگی میں وہ بڑی بے باکی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔

''میرے لئے کوئی حکم.....؟'' میلبا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گنگناتے لہجے میں پوچھا۔ اُس کا انداز دلبرانہ تھا۔ شاید مجھے اناڑی سمجھ کر چارہ ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''فی الحال میں کچھ دیر آرام کروں گا۔'' میں نے دیدہ و دانستہ سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔

''ضرورت ہوئی تو گھنٹی بجا کر تمہیں کوئی زحمت دُوں گا۔''

میلبا چلی گئی۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا، بستر پر لیٹ کر جین کے بارے میں سوچ رہا تھا جب انکا سر پر واپس آ گئی۔ بڑی بجھی بجھی سی نظر آ رہی تھی۔ غالباً میری کھری کھری باتیں ابھی تک اُس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔

''کہاں گم ہوا انکارانی.....؟'' میں نے دوستانہ لہجے میں سوال کیا۔

''تمہیں تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہوں جمیل۔'' انکا کے لہجے میں شکوہ تھا۔ ''میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب تم اپنی انکارانی سے ترش ہونے لگے ہو۔''

''تم نے میری فیاضی دیکھی؟'' میں نے اُسے منانے کی خاطر مسکرا کر بات ٹالنے کی کوشش کی۔ ''میں نے ہرنام سنگھ کے سامنے اپنی جیب خالی کر دی۔''

''مجھے حکم دو جمیل۔'' انکا سنجیدگی سے بولی۔ ''میرے ہوتے تمہیں کسی بات کے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ تم اشارہ کرو۔ میں قارون کا خزانہ بھی تمہارے قدموں میں ڈھیر کر سکتی ہوں۔''

''اگر میں تمہیں خزانہ سمجھ کر اپنی بانہوں میں ڈھیر ہونے کا حکم دُوں تو.....؟'' میں نے شوخی سے کہا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی انکارانی کو معاف کر دیا۔'' وہ سر پر خوشی سے رقص کرنے لگی۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ ''آج مجھ سے ایک وعدہ کرو جمیل۔ تم دوبارہ پچھلی باتوں کو نہیں دہراؤ گے۔''

''کوشش کروں گا۔'' میں نے مفاہمت کا انداز اختیار کیا، پھر موضوع بدل کر بولا۔ ''ولیم کے بارے میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

''میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں۔'' انکا نے خلاء میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ''مارٹینا کا قصہ پاک ہو جانے کے بعد اب اُس کی تمام جائیداد ولیم کو ملنی چاہئے۔ کچھ دُشواریاں پیش آئیں گی، لیکن ہوگا وہی جو میں چاہوں گی۔ اس کام کے لئے ممکن ہے مجھے چار پانچ روز کے لئے تم سے دُور بھی رہنا پڑے۔''

''میں ولیم سے ملنا چاہتا ہوں.....'' میں نے بجھے ہوئے دل سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں آج شام ہی اُسے تمہارے پاس لے آؤں گی، مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ جین کے سلسلے میں ولیم سے گفتگو کرتے وقت تمہارے قدم نہ ڈگمگائیں۔''

میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھایا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا، دوسری جانب سے جین ہی تھی۔ میں جس ہوٹل میں ٹھہرا تھا اس کا مشورہ بھی جین ہی نے دیا تھا۔

''تمہیں ہوٹل میں کسی دُشواری کا سامنا تو نہیں ہوا.....؟'' جین کے لہجے میں پیار تھا، اپنائیت تھی۔

''اُنہیں میری لاٹھی پر اعتراض تھا، لیکن تمہارا فون موصول ہونے کے بعد اُن کے ماتھے کی شکنیں دُور ہوگئیں۔'' میں نے مختصراً رُوداد سنا دی۔

''آئی ایم سوری دولت علی۔'' جین نے معذرت کی۔ ''دوبارہ ایسا نہیں ہوگا۔ اس ہوٹل کی کچھ کمزوریاں ہیں میرے پاس۔ مجھے فون کرنے میں دیر ہوگئی ورنہ ہوٹل کی انتظامیہ ہاتھ باندھے تمہارے انتظار میں کھڑی ہوتی۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں آتے وقت تمہاری ماں سے نہیں مل سکا۔'' میں نے بات بدلی۔ ''ویسے میرا خیال ہے کہ اُنہیں میرے چلے آنے پر کوئی صدمہ یا افسوس نہیں ہوا ہوگا۔''

''مام کی جگہ تم ہوتے تو تمہارے بھی وہی تاثرات ہوتے جو ان کے ہیں۔'' جین نے سیدھی سادھی بات کی، پھر بڑے جذباتی انداز میں بولی۔ ''تمہیں صرف اپنی جین کی محبت سے غرض ہونی چاہئے، دوسرے کیا سوچتے ہیں سوچنے دو.....''

''ولیم کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا.....؟'' میں روانی میں پوچھ بیٹھا۔

''یہ تمہیں اس وقت اچانک ولیم کا خیال کس طرح یاد آ گیا؟'' جین کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جین.....'' میں نے جلدی سے اپنی غلطی نبھانے کی کوشش کی۔ ''کیا تمہیں علم ہے کہ جیکب نے جس عورت کو قتل کیا وہ کون تھی؟''

''فی الحال ہمارے افسران ابھی تک سر جوڑے بیٹھے اس معمے کو حل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں کہ وہ عجیب الخلقت شخص کون ہوسکتا ہے جو گرفتاری کے بعد ہڈیوں کے پنجر میں تبدیل ہوگیا۔''

''کیا جم نے.....؟''

''نہیں.....'' جین نے تیزی سے کہا۔ ''اُس نے میری خاطر جیکب کے نام پر زیادہ زور دینے کی غلطی نہیں کی، ویسے ہوسکتا ہے کہ وہ اس کیس میں بھی تم سے مل کر تمہاری رُوحانی قوتوں سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔''

''پریشان مت ہو۔ میرے کہنے پر اعتماد کرو۔ نہ تمہارا نام درمیان میں آئے گا نہ جیکب

کے سلسلے میں تم سے کوئی باز پرس ہوگی۔''

''تم ابھی مقتولہ کے سلسلے میں کچھ کہہ رہے تھے۔'' جین نے استفسار کیا۔

''وہ ایک بے حد مالدار اور کروڑ پتی بیوہ تھی۔'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''اُس کا ماضی شروع سے ہی داغدار رہا ہے۔''

''دولت علی۔ میرا خیال ہے کہ تم کوئی اہم بات درمیان سے حذف کر رہے ہو۔'' جین نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم نے ابھی ولیم کا نام بھی لیا تھا۔ کیا ولیم اور مقتولہ کے درمیان کوئی تعلق تھا؟''

''ابھی نہیں.....'' میں نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔ ''کچھ دن اور صبر کرلو۔ اس کے بعد میں حیرت انگیز اور چونکا دینے والے انکشاف کروں گا۔''

''تمہاری مرضی.....'' جین نے اصرار کرنے کی بجائے پیار سے پوچھا۔ ''تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟''

''مجھے ایک چیز کی ضرورت ہے۔'' میں نے بڑی مدھم آواز اور رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ''تم ملنے آؤ گی تو تفصیل سے بتاؤں گا۔''

''میں کل سیدھی آفس سے اُٹھ کر تمہاری طرف آؤں گی۔ کہیں غائب نہ ہوجانا۔''

''آج کی رات تمہارے بغیر کیسے گزرے گی؟'' میں پھر جذبات میں بہک گیا۔ اچھا ہوا جو جین نے دوسری طرف سے ''نوٹی مین'' کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

''اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرو جمیل صاحب۔'' انکا نے مجھے سرزنش کی۔ ''اگر اسی طرح بہکتے رہے تو پانی کسی دن سر سے اُونچا بھی ہوسکتا ہے..... باگ ڈور پر گرفت مضبوط رکھو۔ اسی میں تمہاری اور جین کی بہتری ہے۔''

''کوشش کرو انکا رانی کہ جیکب اور مارٹینا کا معاملہ کسی طرح دب جائے۔'' میں نے اُس کی بات نظر انداز کر دی۔ ''میں نہیں چاہتا کہ جیکب کے سلسلے میں کسی طرح بھی جین کا نام درمیان میں آئے۔''

''نہیں آئے گا۔'' انکا نے یقین دلایا، پھر بولی۔ ''میں اب اپنے ضروری مشن پر جا رہی ہوں۔ میرے جانے کے کچھ دیر بعد میلبا تمہارے پاس ایک سفری بیگ لائے گی، تم رقم نکال کر خالی بیگ اُسی کے حوالے کر دینا۔ ولیم سے گفتگو کرتے وقت خود پر قابو رکھنا اور اپنا

خیال رکھنا۔"

انکا سر سے اُتر گئی تو میں نے اُٹھ کر غسل کیا، لباس تبدیل کیا، پھر وقت گزارنے کی خاطر ٹی وی آن کر دیا جس پر حسن اتفاق سے الفرڈ ہچکاک کی ایک شہرہ آفاق فلم چل رہی تھی۔ میں ذہنی طور پر تھکا ہوا تھا اس لئے ایزی چیئر پر بیٹھے ہی بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔ دروازے پر ہونے والی دستک کی آوازوں نے مجھے دوبارہ بیدار کیا۔ میں نے ٹی وی بند کر دیا، گھڑی پر نظر ڈالی تو احساس ہوا کہ شام ہو چکی ہے۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا، سامنے ولیم موجود تھا۔ ولیم کو دیکھ کر ایک لمحے کو میرے اندر رقابت کا جذبہ کلبلایا لیکن میں نے اظہار نہیں ہونے دیا، اس وقت وہ میرا مہمان تھا۔ میں نے اُسے عزت سے خوش آمدید کہا، کوئی بات ضرور تھی جو ولیم اس وقت کچھ گم صم نظر آ رہا تھا۔ میں نے اُسے کچھ تنہائی کا موقع فراہم کر دیا، واش رُوم میں جا کر منہ ہاتھ دھونے سے اعصاب پر طاری کسلمندی قدرے دُور ہو گئی۔ باہر آ کر میں نے میلبا کو طلب کیا۔ اس وقت وہ چست لباس میں ملبوس تھی، شاید مجھے مرعوب کرنے کی خاطر اُس نے اپنے جسمانی خطوط کو اور اُبھارنے کی کوشش کی تھی۔ وہ ایک ادائے خاص سے مسکراتی بل کھاتی کمرے میں داخل ہوئی لیکن ولیم کو دیکھ کر اُس نے خود پر قابو پانے میں حیرت انگیز چابکدستی سے کام لیا۔ میں نے اُسے چائے کے ساتھ کچھ اسنیکس لانے کا حکم دیا تو وہ واپسی کے لئے پلٹی، پھر اچانک رُک کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"سر۔ آپ کی ایک امانت ہے میرے پاس۔ میں نے دو تین بار دستک دی تھی، لیکن پھر آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"میری امانت.....؟" میں نے چونک کر اُسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

"ایک سفری بیگ ہے سر۔ مجھے کاؤنٹر سے ہدایت ملی تھی کہ اسے آپ کے رُوم میں پہنچا دیا جائے۔"

"اوہ....." مجھے انکارانی کی بات یاد آ گئی۔ میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ "وہ بیگ بھی لیتی آنا....."

میلبا اُلٹے قدموں واپس چلی گئی، خودکار دروازہ بند ہو گیا۔ میں نے ولیم کی سمت دیکھا، وہ بدستور کھویا کھویا لگ رہا تھا۔

"کیا بات ہے ولیم؟....." میں نے بڑے دوستانہ انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔ "تم آج خلاف توقع کچھ سنجیدہ نظر آ رہے ہو۔"

"آپ جین کے فارم ہاؤس سے منتقل ہو کر ہوٹل کیوں آ گئے؟" ولیم نے پہلو بدل کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کیا وہاں آپ کو کسی قسم کی....."

"کیا میں تمہارے جواب سے یہی اندازہ قائم کروں کہ تمہاری سنجیدگی کا سبب میرا جین کے فارم ہاؤس سے چلا آنا ہے؟"

"جی نہیں، لیکن....."

"تمہارے دوست جم نے شاید تمہیں بتایا تھا کہ میرے پاس کچھ رُوحانی قوتیں بھی ہیں۔" میں نے ولیم کی بات کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔ "کیا میں جم کی بات درست ثابت کرنے کی خاطر اس کا کوئی نمونہ پیش کروں؟"

"میں پکنک پر آپ کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا اعتراف کر چکا ہوں۔" ولیم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جاگ اُٹھی۔

"میں نے تمہاری سنجیدگی کا سبب دریافت کیا تھا۔" میں نے اپنی بات دہرائی۔

"جس وقت مجھے یہ پیغام ملا کہ آپ نے مجھے بلایا ہے اُس وقت بھی اتفاق سے میں آپ ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" اُس نے پہلو بدلا۔ "اور اب بھی سنجیدگی سے اسی بات پر غور کر رہا ہوں کہ کیا یہ محض اتفاق تھا یا میری خوش نصیبی؟"

"تم میرے بارے میں کیا سوچ رہے تھے.....؟" میں نے اُس کی آنکھوں کے ذریعے دل میں اُترنے کی کوشش کی۔ ارتکاز اور مراقبے کی مشقوں نے مجھے تاریکی میں بھی بہت دُور تک دیکھنے کی قوت عطا کی تھی۔ میں نے ولیم کا بھید پا لیا، مارٹینا کے قتل کی اطلاع نے اُس کا سکون برباد کر دیا تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پکنک پر میری نظروں نے جو ناقابل یقین مظاہرہ دیکھا کیا وہ محض نظر بندی کا کمال تھا؟ یا....."

"تم جو کچھ سوچ رہے ہو وہ غلط ہے۔" میں نے ٹھوس لہجہ اختیار کیا۔ "تم جیسے نوجوان کو اتنی جلدی حوصلہ نہیں ہار دینا چاہئے۔"

"جی....." وہ صوفے پر کسمسایا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

''اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں تو.....؟''

''میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔''

''پھر.....؟'' میں نے اُسے سنبھلنے کا موقع دیا۔ ''لندن سے فرار ہونے کے بارے میں کیوں غور کر رہے ہو.....؟''

ولیم بت بن گیا، پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میری کیفیت بھی اس سے مختلف نہ ہوتی۔ میں نے اُسے جین کے سلسلے میں ٹٹولنے اور ہموار کرنے کی خاطر بلوایا تھا، جین کو اُس کے حوالے کرنے سے پیشتر میں اُسے اچھی طرح چھان پھٹک کر اس بات کا یقین کرنا چاہتا تھا کہ وہ جین کے لئے اہل ہے بھی یا نہیں؟ اپنی زندگی کی آخری پونجی کو میں کسی غیر محفوظ ہاتھوں کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔ ایسا کرتا تو یہ میری خود غرضی ہوتی۔ جین کے ساتھ صریحاً دھوکا ہوتا۔ حقیقت سامنے آنے کے بعد جین مجھے کبھی معاف نہ کرتی۔ میں خود اپنی نظروں میں گر جاتا، میرا ضمیر ہمیشہ کچوکے لگاتا رہتا۔

میں نے فرار ہونے والی بات کہی تو ولیم چونک اُٹھا۔ اُس کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ اُس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے، وہ حقیقت کے اظہار سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ میں نے زیادہ سخت رویہ اختیار کرنے کی ٹھان لی۔

''مارٹینا کے قتل کی اطلاع تمہیں کس طرح ملی؟'' میں نے براہِ راست دُکھتی رگ پر اُنگلی رکھ دی۔

''اُس کی پرسنل سیکرٹری نے مجھے فون کیا تھا.....'' ولیم نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

''قاتل کے بارے میں کیا معلوم ہوا.....؟'' میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔

''محکمہ سراغرسانی ابھی تک قاتل کے سلسلے میں بڑی رازداری سے کام لے رہا ہے، اخباری نمائندے بھی کھوج میں لگے ہیں۔''

''تم نے براہِ راست جم سے بات کی.....؟''

''نہیں.....'' ولیم نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''میں مقتولہ کے سلسلے میں جم سے کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔''

''کیوں.....؟'' میں نے ولیم کی زبان سے حقیقت جاننے کی کوشش کی۔

''مسٹر دولت علی۔'' ولیم نے مجھے پریشان نظروں سے گھورا۔ ''اگر آپ اپنی رُوحانی

قوتوں سے معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں تو میں آپ سے زبان بند رکھنے کی درخواست کروں گا۔''

''جو نوجوان سچ کا سامنا کرنے سے کترائے اُسے بزدل اور ڈرپوک.....''

''نہیں.....'' ولیم نے احتجاج کیا۔ ''میں بزدل یا ڈرپوک نہیں ہوں۔ لیکن اپنے ماضی کو نہیں کریدنا چاہتا۔''

ولیم کے چہرے پر خون کی تمازت اس بات کی غماز تھی کہ وہ اپنے اُجلے دامن پر کسی غلاظت کا دھبہ برداشت کرنے پر آمادہ نہیں تھا، آنکھوں کی سرخی گواہ تھی کہ وہ سر اُٹھا کر چلنے کی خاطر کوئی بھی قیمت ادا کر سکتا تھا۔ اُسے اپنی بدنامی گوارا نہیں تھی۔ مجھے ولیم کا احتجاج پسند آیا۔ اُس کی نظروں میں دولت اور شہرت کے مقابلے میں عزت زیادہ اہم تھی۔

کمرے میں کچھ دیر خاموشی رہی، ولیم نظریں جھکائے بیٹھا ہونٹ کاٹتا رہا۔ میں اُس کے چہرے پر اُبھرنے والے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا، میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر اُسے جین کے لئے منتخب کر لیا۔ وہ ٹھوس ارادوں کا مالک تھا، پہاڑوں سے ٹکرا جانے کا حوصلہ رکھتا تھا، انکارانی نے بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی اس کا انتخاب کیا ہوگا۔

میلبا ٹرالی گھسیٹتی کمرے میں داخل ہوئی۔ ہم دونوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ٹرالی کے نچلے حصے میں براؤن رنگ کا ایک سفری بیگ موجود تھا، میں سمجھ گیا اس بیگ میں انکا نے میرے لئے دولت فراہم کرنے کا بندوبست کیا ہوگا۔ ٹرالی قریب آئی تو میں نے لاپرواہی سے بیگ کو اُٹھا کر ایک طرف ڈال دیا۔ میلبا نے میرا اشارہ پا کر اسنیکس سرو کیا، پھر کافی بنانے میں مصروف ہوگئی۔

''جم سے تمہاری ملاقات کو کتنا عرصہ ہوا.....؟'' میں نے ولیم سے دوستانہ انداز میں دریافت کیا۔

''زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سال۔'' ولیم نے بتایا۔ ''ہماری پہلی ملاقات ایک ٹینس میچ میں ہوئی تھی، میری طرح جم کو بھی ٹینس کھیلنے سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے۔ اتفاق سے اسٹیڈیم میں ہماری نشست ساتھ ساتھ تھی۔ سارا بھی جم کے ہمراہ تھی۔ ان دونوں کے درمیان اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ میچ کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا؟ اتفاق سمجھ لیں کہ میری زبان پر میرے پسندیدہ کھلاڑی کا نام آ گیا۔ جم اُس کے حق میں نہیں تھا۔ مجھ سے ڈنر کی شرط لگا

بیٹھا۔ میرا کھلاڑی جیت گیا۔ اُس روز ہم نے ایک ساتھ ڈنر کیا۔ پھر ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے دوستی میں تبدیل ہوگیا۔'' ولیم مجھے اپنے بارے میں بتاتا رہا، میں سنتا رہا۔ مجھے خوشی تھی کہ اُس کے چہرے سے تناؤ کی کیفیت بتدریج چھٹنے لگی تھی..... میلبا اپنے فرائض انجام دے کر رخصت ہوگئی تو میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

''ولیم۔ کیا تم مجھے یہ حق دو گے کہ میں تم سے تمہارے مستقبل کے بارے میں کچھ دریافت کرسکوں؟''

''ایک شرط پر۔'' اُس نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے پہلو بدلا۔ ''آپ میرے ماضی کے سلسلے میں جم، سارا یا مس جین سے کچھ نہیں کہیں گے۔''

ولیم کی زبان سے جین کا نام سن کر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ مجھے اندازہ تھا کہ ان دونوں کے ستارے ملانے کے لئے انکارانی اپنا کام شروع کرچکی ہے۔ میں نے جواب میں صرف مسکرانے پر اکتفا کی، پھر کافی کا ایک گھونٹ لے کر بولا۔

''جم اور سارا نے تمہیں میرے بارے میں کیا بتا رکھا ہے.....؟'' میں نے مزید وضاحت کی۔ ''خاص طور پر میری نجی زندگی کے بارے میں۔''

''میں نے اسی سوال کے پیش نظر یہ معلوم کرنے کی جسارت کی تھی کہ آپ نے جین سے دُوری کیوں اختیار کر لی؟'' ولیم نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''جم نے ایک بار سرسری طور پر ذکر کیا تھا کہ جرمنی والے مشن کے دوران آپ اور جین ایک دوسرے سے خاصے قریب ہوگئے تھے۔ سارا کو یقین تھا کہ آپ جین کو شریک زندگی بنانے کا فیصلہ کر کے سب کو حیران کر دیں گے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ آپ اچانک ہندوستان واپس چلے گئے، جین تنہا رہ گئی، آپ کی واپسی کی راہ دیکھتی رہی، پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر آپ کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ سب انگشت بدنداں رہ گئے۔ جین..... جس کے ہزاروں اُمیدوار تھے، سب کو مایوس کرگئی۔ سارا اور جم کا خیال تھا کہ وہ آپ سے وابستہ ہوکر لندن کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دے گی لیکن ایسا نہیں ہوا.....''

ولیم میری کتابِ زندگی کے ایک اہم باب کے دریدہ اوراق پلٹتا رہا، میں دل کی دھڑکنوں کو سنبھالے خاموش بیٹھا اپنی قسمت کی محرومیوں پر ماتم کرتا رہا، کانٹوں پر لوٹتا رہا، اندر ہی اندر سلگتا رہا۔ جین اب بھی میرا دم بھرتی تھی، متعدد بار میرے سینے کی کشادگی میں

سٹ چکی تھی۔ میں نے بارہا اُسے بہت قریب سے دیکھا تھا، اتنے قریب سے کہ ہمارے دل کی دھڑکنیں ایک ہو جاتیں، سانسیں آپس میں گھلنے ملنے لگتیں، میں اُس کے جسم کے ایک ایک نشیب و فراز سے واقف تھا، کئی بار اُس کی آنکھوں کی مستی میں ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ قدم رپٹنے لگتے تو کبھی وہ عین وقت پر خود کو سنبھال لیتی، کبھی میں اُس کی پاکیزگی کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر دامن بچا جاتا۔ اُس کی گفتگو کا ترنم اب بھی میرے وجود میں کھنکتا تھا، میں اُس کی دراز زلفوں سے کھیلا تھا، اُس کے لعب دہن کا ذائقہ ابھی تک میری زبان پر محفوظ تھا۔ میں جسم تھا، وہ رُوح تھی اور.....

''مسٹر دولت علی۔ کیا آپ میری بات سن رہے ہیں؟'' ولیم کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو جین کے حسین تخیل کے خواب ٹوٹ کر بکھر گئے، ریزہ ریزہ ہوگئے۔ انکارانی نے جاتے جاتے مجھے محتاط رہنے کی تاکید کی تھی۔ میں جذبات کی طغیانی میں بہتا ہوا دُور تک چلا گیا، غلطی کا احساس ہوا تو میں نے خود کو سنبھالا، ولیم کو اپنی کیفیت سے بے خبر رکھنے کی خاطر مجھے بروقت سوجھ گئی۔

''مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ کافی پی کر کبھی غنودگی کی حالت سے دوچار نہیں ہوتے۔'' میں نے سر جھٹک کر جماہی لی، پھر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ''تم ابھی جین کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔''

''میں یہ معلوم کرنا چاہ رہا تھا کہ جین نے آپ کو روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی.....؟'' ولیم نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔

''مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی اختیار کی۔ ''دوسری وجہ جین کی ماں تھی جو جین کی شادی کے مسئلے پر ہمیشہ لڑ کے کے اسٹیٹس کی بات شروع کر دیتی ہے، تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ تمہارے موجودہ اسٹیٹس سے مطمئن ہو جائے گی؟''

''مم..... میں سمجھا نہیں؟'' ولیم سٹپٹا گیا..... ''میرا ذکر کہاں سے آگیا.....؟''

''کیوں؟'' میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔ ''کیا یہ غلط ہے کہ تم جین کو پسند کرنے لگے ہو؟''

''آپ نے مجھے کس مقصد کے لئے بلایا تھا؟'' دل کا چور پکڑے جانے پر اُس نے موضوع بدلنا چاہا۔

''یہ بتانے کی خاطر کہ جین نے بھی تمہیں پسند کرلیا ہے۔'' میں نے ولیم کو بڑی دروغ

گوئی سے یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''اگر تمہیں میری صلاحیتوں کا اعتراف ہے تو سب کچھ میرے اُوپر چھوڑ دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اور جین کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر سکے گی۔'' میں نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم عنقریب اتنے دولت مند بننے والے ہو کہ وہ مفلوج بوڑھی عورت بھی تمہاری گرویدہ ہو جائے گی۔''

''لیکن جم اور سارا نے تو مجھ سے کچھ اور کہا تھا۔'' ولیم نے کسمساتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

''دوسروں کی بات پر غور مت کرو۔ اُس وقت کا انتظار کرو جو تمہیں آسمان کی بلندیوں تک پہنچانے والا ہے۔'' میرا لب و لہجہ سحر انگیز ہو گیا۔ ''دولت علی کا علم کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ مگر اپنی کامیابی کے لئے تمہیں میری ایک شرط ماننی پڑے گی، مارٹینا کا ہولناک انجام تمہارے لئے قسمت کے دروازے کھول چکا ہے۔ تمہیں خود پر جبر کر کے ان حقائق کا سامنا کرنا ہو گا جو تلخ ہونے کے باوجود تمہارے لئے مستقبل میں کامیابی کے تمام راستے کھول دیں گے۔''

ولیم نے کوئی جواب نہیں دیا، اُس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ مارٹینا کے حوالے سے اپنا ماضی کریدنے کے حق میں نہیں ہے۔ میں اُس کو بغور دیکھتا رہا، دولت انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ دولت کے حصول کی خاطر انسان اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے، بڑے بڑے جان لیوا خطرات میں بے خطر چھلانگ لگا دیتا ہے، ولیم کو تو گھر بیٹھے اُس کا جائز حق مل رہا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو مارٹینا جیسی عورت کی غلاظت سے دُور رکھنے کا خواہشمند تھا، میری نگاہوں میں اُس کی قدر اور بڑھ گئی۔

''تم نہیں چاہتے کہ اپنا جائز حق حاصل کرنے کی خاطر تمہاری عزت پر کوئی حرف آئے؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''آپ کا اندازہ درست ہے۔'' اُس نے مختصراً جواب دیا۔

''بے فکر ہو جاؤ.....'' میں نے ٹھوس لہجہ اختیار کیا۔ ''تمہیں اس ضمن میں کسی کے سامنے نظریں جھکانے کی نوبت پیش نہیں آئے گی۔ لیکن مارٹینا کے قبضے میں موجود ایک ایک ٹکا تمہارا ہے۔ وہ تمہیں مل کر رہے گا۔''

''مگر.....'' ولیم نے اپنے ذہن میں کلبلاتے کسی خدشے کی وضاحت کرنی چاہی۔ میں نے موقع نہیں دیا۔

''اگر تمہیں میری رُوحانی قوتوں پر اعتماد ہے تو سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔'' پھر میں نے موضوع بدل دیا۔ ''میں لندن میں شاید زیادہ دن نہ رہ سکوں۔ ہندوستان جا کر مجھے بہت سارے ضروری کام نمٹانے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میرے جانے سے پہلے تم اور جین ایک ہو جاؤ۔''

''کیا آپ نے صرف یہی کہنے کی خاطر مجھے بلایا تھا؟'' ولیم کے چہرے پر طاری سنجیدگی کے عقب سے خوشیاں جھانکنے لگیں۔

''ہاں.....'' میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔

''ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟''

''پوچھو.....''

''کیا جم نے آپ کے اور جین کے بارے میں جو کہانی سنائی تھی وہ.....''

''جب تم بھی اسے کہانی کے نام سے موسوم کر رہے ہو تو پھر حقیقت کیوں سمجھ رہے ہو؟'' میں نے بڑی خوبصورتی سے اُسے ٹال دیا۔ ''کہانی صرف کہانی ہوتی ہے، لوگ زیب داستان کے لئے کچھ ترمیم اور اضافہ کر کے اسے سچائی کا رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔''

ہمارے درمیان تا دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے ولیم کو مختلف زاویوں سے ٹٹولا، مختلف موضوعات پر اُس سے بحث کی، کھیل و تفریح سے لے کر عالمی سیاست جیسے سنجیدہ ٹاپک پر بھی تبادلۂ خیالات کیا۔ وہ ہر اعتبار سے میری کسوٹی پر پورا اُترا، مجھے انکارانی کے انتخاب کی داد دینی پڑی۔

ولیم کے جانے کے بعد دروازے پر دوبارہ ہلکی سی دستک کی آواز اُبھری۔ میں نے دروازہ کھولا تو میلبا سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''آپ کے مہمان چلے گئے؟'' اُس نے معنی خیز انداز میں اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا اظہار بھنوؤں کی خفیف جنبش سے کیا۔ مدھم سُروں میں بولی۔ ''اجازت ہو تو برتن سمیٹ لوں؟''

میلبا کی ایک ایک ادا کافرانہ تھی۔ اُس کے بولنے کا انداز، آنکھوں میں چھلکنے والی

خواب آور مستی، متناسب جسم کا لوچ، لبھانے کا سلیقہ، اُس کے وجود میں روپوش کسی طاقتور مقناطیس کی کشش، محاوروں اور روزمرہ کے استعمال کی سادگی میں پرکاری، چھریرے بدن کی مہک اور معصومیت میں چھپی دلآویز شوخی، تین مختصر اور لحہ لحہ بھر کے آمنے سامنے کے باوجود اُس نے جس انداز میں اپنی ساحرانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا وہ بڑا ہوش ربا تھا۔ اُس نے برتن سمیٹنے کی اجازت طلب کی تھی، میرا دل چاہا کہ اُسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں لیکن میں نے ضبط کا مظاہرہ کیا۔ جلد بازی سے کام لینے کی غلطی نہیں کی۔ جنرل منیجر نے بڑی انکساری سے مجھے باور کرایا تھا کہ اس حسینہ دلنواز کو میری خدمت پر مامور کیا گیا ہے، میں کسی اور وقت بھی اُس کی خدمات کے معیار کو جی بھر کے پرکھ سکتا تھا۔ میں دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ بل کھاتی اندر داخل ہوئی، میز پر بکھرے سامان کو بڑے سلیقے سے سمیٹ کر ٹرالی پر رکھا، پھر ٹرالی گھسیٹتی میرے قریب سے باہر چلی گئی۔ اُس کے جسم سے اُبھرنے والی کلون کی مہک نے میرے وجد کو دوبارہ گنگنانے پر اُکسایا۔ میں نے دروازہ بند کرلیا.....

شام کو میں یونہی ٹہلتا ہوا باہر چلا گیا۔ سفری بیگ سے میں نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر احتیاطاً جیب میں ڈال لی۔ لندن میں قدیم طرز کی عمارتیں، ہر وقت ماحول پر قبضہ جمائے رکھنے والی طلسمی کہر، دُھند کی اُجلی باریک چادر، کچھ یادگار چیزیں، چند بیش قیمت نوادرات، برٹش میوزیم، رُسوائے زمانہ ہائیڈ پارک، ڈاؤننگ اسٹریٹ، ملکہ برطانیہ کا شاہی محل، مادام تساؤ کا حیرت انگیز طلسم خانہ جہاں دنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں کے مومی مجسموں کو اُن کے مقامی روایتی لباس میں سموکر اس چابکدستی سے میوزیم میں جگہ جگہ رکھا جاتا ہے کہ دھوکے پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ مجسمے کسی لمحہ، کسی پل وہاں گھومنے پھرنے والوں کو اپنی زبان میں مخاطب کر کے حیران کر دیں گے۔ زمین دوز نظام کے تحت رات دن مختلف منزلوں کی سمت دوڑتی بھاگتی تیز رفتار ٹیوب ٹرینیں، دریائے ٹیمز کا خوبصورت نظارہ جس کا ذکر اکثر شعراء نے اپنے کلام میں بھی کیا ہے۔ دُھویں کی کثافتوں میں ڈوبے ہوئے شراب خانے، غلاظتوں میں لتھڑے ہوئے پب (PUB) جہاں لندن کی اپنی تہذیب بھی ''پب'' کے اندر ہونے والی بے باک ہلڑ بازی اور بے شرم حرکتوں سے شرمانے پر مجبور ہو جاتی ہے، بڑے بڑے نائٹ کلب جہاں جوا کھلے عام ہوتا ہے، سڑکوں

پر ''بکنی'' پہن کر گھومنے والی نوجوان حسینائیں جنہیں دیکھنے کی خاطر شرفاء بھی کنکھیوں سے کام لیتے ہیں، پارکوں اور شاہراہوں پر کھلے عام بوس و کنار میں مصروف جوڑے جو دیکھنے والوں کی فکر سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ لندن میں اس کے سوا اور کیا رکھا ہے؟ میں خاص طور پر برائیٹن بیچ (BRIGHTEN BEACH) کے علاقے کا ذکر کروں گا۔ عام سمندری ساحلوں کی طرح یہاں بھی ساحل پر نا کافی لباس میں ملبوس ہر عمر کی خواتین اوندھی سیدھی پڑی نظر آتی ہیں۔ جسم کی برملا نمائش کے لئے اُنہیں کسی اجازت نامے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی علاقے میں واقع ''ننگوں کا کلب'' یہاں کی بے راہ روی اور ''روشن خیالی'' کے ''تابوت میں آخری کیل'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کلب میں صرف ننگے داخل ہوتے ہیں۔ یہاں کے قوانین کو حکومت کا تحفظ بھی حاصل ہے۔ میں اختصار سے کام لوں گا، جس ایک حمام میں سب ننگے ہوں، وہاں تہذیب، شرم وحیا کی حیرت بھی دیدنی ہی ہوگی.....!

ساری چیزیں میری دیکھی بھالی تھیں، میں وقت گزاری کے لئے ایک ''پب'' میں چلا گیا جہاں شراب کی بدبو اور سگار، سگریٹ کے کثیف دُھویں نے ہلکی کہر کی شکل اختیار کر لی تھی۔ تمام میزیں پُر تھیں۔ بار کاؤنٹر کے ساتھ رکھے سٹولوں میں سے ایک دو سٹول خالی نظر آرہے تھے۔ شراب میں بہکے ہوئے شرابیوں کے فلک شگاف قہقہوں اور شکار کی تلاش میں میزوں کے گرد منڈلانے والی تجربہ کار پیشہ ور لڑکیوں کے ہنگاموں سے کان پڑی آواز صاف نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں نے عیاشی کے ان گھٹیا اور بدنام اڈوں کے بارے میں صرف سن رکھا تھا، قریب سے دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ہو رہا تھا۔ میرے لئے وہاں قدم جما کر کھڑا رہنا دُشوار ہو گیا۔ اس ننگے اور بے ہودہ ماحول میں میرا جی متلانے لگا۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ میں نے واپسی کے لئے قدم موڑے تو ایک بے باک خاتون نے میرا راستہ روک لیا۔ وہ شاید تاڑ چکی تھی کہ میں تنہا ہوں۔ اُسے بھی اپنی ڈھلتی عمر کے سبب کوئی دوسرا میسر نہیں آیا تھا۔ اُس کے چہرے پر لتھڑا ہوا میک اپ دیکھ کر میرا جی متلانے لگا۔ نشے میں ہوتا تو شاید میں بھی اُسے پری یا حور سمجھ کر قبول کر لیتا..... میں نے کترا کر گزرنا چاہا، اُس نے بڑی بے تکلفی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ بائیں آنکھ کی پلکوں کو ماہرانہ انداز میں جھپکاتے ہوئے لگاوٹ سے بولی۔

''کدھر جاتا یو انڈین پرنس، ہمارا ساتھ آؤ، ہم تمہارا لونلی نس (LONE LINESS)

دُور کردے گا۔''

وہ میری تنہائی دُور کرنے کی بات کررہی تھی، میرا دم اُس کے قرب سے اور زیادہ گھٹنے لگا۔

''گھبراتا کیوں مین؟'' اُس کی تجربہ کار نظروں نے میری بے چینی بھانپ لی۔ ''پہلی واری سب نروس ہوتا۔'' اُس نے کسی اتالیق کی طرح میری رہنمائی کی۔ ''ایک لمبا پیگ حلق سے نیچے اُتاریں گا تو ایک دم فٹ ہوجائے گا.....''

''تم غلط سمجھ رہی ہو میڈم۔'' میں نے اُسے شستہ انگریزی میں ٹالنے کی کوشش کی۔

''مجھے اپنے ساتھی کی تلاش تھی۔ وہ یہاں نہیں ہے۔''

''بھول جاؤ اُسے.....'' وہ مجھے انگریزی بولتا دیکھ کر اور بے باک ہوگئی۔ ''لائف انجوائے کرو۔ ابھی ٹائم ہے، وقت گزر گیا تو صرف یادیں باقی رہ جائیں گی۔ یادیں گزرے وقت اور ڈھلتی جوانی کو واپس نہیں لاسکتیں۔''

مجھے حیرت ہوئی، وہ جان کیٹس کی کسی مشہور نظم کا ترجمہ سنا رہی تھی۔ میں آنکھیں پھاڑے اُس کی علمی قابلیت اور جنسی بے راہ روی کا موازنہ کرتا رہا۔

''تم غیر ملکی ہو، میں سیاحوں کے ساتھ اُلٹی چھری استعمال نہیں کرتی۔'' اُس نے پھر بازاری عورتوں کی طرح آنکھیں مٹکانا شروع کردیں۔ ''اونلی تھرٹی پاؤنڈ فارفل انجوائمنٹ۔''

''نان سنس.....'' میں برداشت نہ کرسکا تو پینترا بدل کر سختی سے بولا۔ ''گٹ لاسٹ۔''

میرا خیال تھا کہ ''گٹ لاسٹ'' کی تلخی کا زہر پینے کے بعد وہ میرا پیچھا چھوڑ دے گی، ایسا نہیں ہوا۔ اُس کی نگاہوں کی مستی کی جگہ دہشت گردی کا رنگ اُبھر آیا۔ ہاتھ کے اشارے سے اُس نے قریب کھڑے ہوئے ایک ایسے شخص کو آواز دی جو شکل ہی سے کوئی شہرہ پشت بدمعاش نظر آتا تھا، میلی کچیلی جینز کے اُوپر اُس نے کسی قسم کا لباس پہننے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ مقصد شاید اپنے گٹھے ہوئے جسم کی نمائش تھا، سر پر اُس نے گہرے سرخ رنگ کا رُومال باندھ رکھا تھا، وہ قریب آیا تو عورت نے اپنی برہمی کا اظہار کیا۔

''اڈگر..... یہ بلیک انڈین (کالا آدمی) تمہارا رس بری کو گٹ لاسٹ بولا، اپنی زبان میں گالی نکالا۔''

ایسے موقعوں پر عموماً عورتیں مردوں کو بھڑکانے کی خاطر جھوٹ کا سہارا لیتی ہیں۔ مجھے یہ بھی علم ہے کہ دنیا کے ہر خطے کی جسم فروش یا مجرمانہ ذہنیت رکھنے والی عورتوں کی پشت پر کسی

نہ کسی مافیا یا بڑے بدمعاش کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے جو اُس کے تحفظ کے عوض ایک معقول رقم بطور لگان وصول کرنے کا حقدار ہوتا ہے۔ اس بدقماش عورت نے بھی خود کو ''رس بری'' کہہ کر گویا اڈگر کی ''غیرت'' کو للکارا تھا۔

''زندگی چاہتا ہے یا کتوں جیسی موت؟'' اڈگر نے سینے کی مچھلیاں پھڑپھڑاتے ہوئے مجھے خونخوار نظروں سے گھورا۔ اُس کی آنکھوں میں سرخی تیر رہی تھی۔

میں ''پب'' میں ہنگامہ کرکے اپنی رُسوائی نہیں چاہتا تھا اس لئے خون کے گھونٹ پی کر سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''زندگی.....''

''اوکے.....'' اڈگر نے اپنی دریا دلی کے ساتھ ساتھ اپنی دادا گیری کا ثبوت پیش کیا۔ زخمی سانپ جیسے انداز میں پھنکارتے ہوئے تحکمانہ انداز میں بولا۔ ''جسٹ پے ہرٹو ہنڈرڈ پاؤنڈز اینڈ گٹ آؤٹ..... یو باسٹرڈ۔''

میرے وجود میں مخفی قوتیں کسمسانے لگیں۔ میں نے دیدہ و دانستہ جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی، دوسو کے بجائے تین سو پونڈ کے کرارے نوٹ بے بسی کے عالم میں ''رس بری'' کے حوالے کئے اور ہارے ہوئے جواریوں جیسے انداز میں قدم مارتا ''پب'' سے باہر آگیا۔ پھر وہی ہوا جو میں نے سوچا تھا۔ سوسو پونڈ کے نوٹوں کی گڈی دیکھ کر اڈگر کی نگاہوں میں اُبھرنے والی چمک میری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی، مجھے یقین تھا کہ وہ اس گڈی کو باپ کا مال سمجھ کر حاصل کرنے کی خاطر میرے پیچھے ضرور آئے گا۔

میں ''پب'' سے نکل کر قریب نظر آنے والے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف آٹھ دس قدم ہی اُٹھا سکا تھا کہ اڈگر کی ٹھوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''رُک جاؤ مائی ڈیئر.....''

میں نے پلٹ کر اڈگر کی سمت دیکھا۔ اُس کے سیدھے ہاتھ میں کشمیری ساخت جیسا لمبے پھل والا خنجر چمک رہا تھا، وہ سرعت سے قدم مارتا مجھ سے ایک قدم کے فاصلے پر آکر رُک گیا، مدھم مگر خوفناک آواز میں بولا۔

''زندگی عزیز ہے تو کرنسی نکال کر میرے حوالے کردو اور خاموشی سے دفع ہوجاؤ۔''

''میں نے سارے نوٹ تمہیں دے دیئے تو خود کیا کروں گا؟'' میں نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ پب اور ٹیکسی اسٹینڈ کے درمیان ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ سڑک

تقریباً سنسان پڑی تھی۔لندن کے پب آبادی سے فاصلے پر ہوتے ہیں تا کہ اگر کوئی ہنگامہ ہوتو شرفاء کو پریشانی سے نہ دوچار ہونا پڑے۔ ''میں تمہیں پانچ سو پاؤنڈ شرافت سے دے سکتا ہوں۔'' میں نے اپنا اطمینان کرنے کے بعد فیاضی کا ثبوت دیا۔ ''اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔''

''مرنا پسند کرو گے؟'' اڈگر نے گھن گرج کے ساتھ ہی اپنا خنجر والا ہاتھ خوفناک انداز میں بلند کیا۔ اُس کا لہجہ ظاہر کر رہا تھا کہ انسانی خون بہانے میں وہ کسی پس وپیش کا عادی نہیں ہے۔

میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے جھکائی دے کر خود کو بچایا، پھر دل میں پریتم لال کا نام لے کر اڈگر کی طرف پھونکا تو اُس کا جسم شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا..... خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل سڑک پر گرا اور اذیتناک انداز میں لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اُس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ پریتم لال کی آتما نے شاید مجھے بچانے کی خاطر اُس کی قوتِ گویائی بھی چھین لی تھی۔ آگ کے شعلے اڈگر کو روسٹ بنانے میں مصروف تھے۔

میں نے وہاں رُکنے کی غلطی نہیں کی۔ تقریباً دوڑتا ہوا ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب پہنچ کر سانس درست کرنے کی خاطر رُکا تو ایک ٹیکسی ڈرائیور تیزی سے نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ میں نے اُسے دیکھا تو دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں، وہ ہرنام سنگھ تھا.....!!

''تُسی..... اِتھے..... اس لعنتی جگہ پر؟'' ہرنام سنگھ نے ایک ہی سانس میں رُک رُک کر حیرت کا اظہار کیا۔ ''پب دے سامنے یہ آگ کس نے لادی؟ زیادہ چڑھ گئی ہوگی ماں دے خصم نوں۔ یہاں سے نکل چلو برادر..... آؤ..... میرے نال چلو۔''

میں نے ہرنام سنگھ کے سوالات کے جواب نہیں دیئے۔ اُس کے ساتھ قدم ملاتا خاموشی سے جا کر اُس کی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اچھے خاصے موڈ کا ستیاناس ہوگیا تھا، میں نے پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ مجھے اڈگر کی موت کا غم نہیں تھا۔ وہ جس راہ کا مسافر تھا اُس کا اختتام کسی ایسے ہی موڑ پر ہونا تھا۔ میں اُسے کیفر کردار تک نہ پہنچاتا تو کل کلاں کو کوئی دوسرا ٹھکانے لگا دیتا۔ مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ پریتم لال کی آتما نے ہسپتال میں جو کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ اڈگر کی موت سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی تھی کہ پریتم لال کی مہان شکتی

کا ہاتھ میرے سر پر ہے، وہ آئندہ بھی میرے کام آ سکتا تھا۔

''تُسی چپ چپ کیوں ہو برادر۔ سب خیر تو ہے؟'' ہرنام سنگھ نے میری خیریت دریافت کرنی شروع کر دی۔ ''کوئی اُلٹی سیدھی گل ہے تو اپنے اس تابعدار کو دس دو، واہ گرو دی سو، میں تو اڈی خاطر جان بھی.....''

''میں بخیر و عافیت ہوں ہرنام سنگھ۔'' میں نے اُکتائے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ''اچھا ہوا جو تم وقت پر مل گئے۔ مجھے ہوٹل تک پہنچا دو۔''

''اِک گل پوچھوں برادر۔ برا تو نہیں مناؤ گے؟'' ہرنام سنگھ نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''کہیں تم موج میلہ کرنے تو لندن نہیں آئے ہو.....؟''

میں نے محسوس کر لیا کہ ہرنام سنگھ نیک دل آدمی تھا، بک بک کرنا اور بال کی کھال نکالنا اُس کی عادت تھی، شاید وجنتی کی جدائی نے اُس کے دل و دماغ پر اچھے اثرات مرتب نہیں کیے تھے۔ وہ اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی انگریز کے ساتھ بھاگ جانے کی بات مجھ سے کر سکتا تھا تو میرے بارے میں بھی کسی دوسرے کے سامنے زبان پر قابو پانا اُس کے لئے دُشوار ہوتا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے ارتکاز کیا، ہرنام سنگھ کے تصور کو ذہن میں بیدار کر کے اُسے ٹھوس لہجے میں مخاطب کیا۔

''ہرنام سنگھ، اپنے دماغ سے یہ بات نکال دو کہ تم نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے کہاں دیکھا تھا۔''

''نکال دیا برادر۔'' اُس نے معمول جیسے انداز میں فرمانبرداری سے کہا۔

''تم نے مجھے کسی پب کے سامنے نہیں دیکھا تھا۔''

''بالکل نہیں دیکھا تھا۔''

''ہماری ملاقات بیکرز اسٹریٹ پر ایک شاپنگ مال کے سامنے ہوئی تھی۔''

''آہو۔ میں اپنی کڑی وجنتی نوں لبھ رہا سی کہ تُسی مل گئے۔'' ہرنام کے ذہن میں پھر وجنتی اُبھر آئی۔ افسردہ لہجے میں بولا۔ ''صبح سے شام تک ایک سے ودھ کر ایک بھلی چنگی، گوری چٹی کڑیاں ساڈی کیب وچ سفر کر دی ہیں۔ پر وہ کھوتے دی جنی نہ جانے کتھے مُر گئی؟ واہ گرو دی سو، وہ بس ایک واری مجھے مل جائے، میں اُس کے ٹوٹے.....''

''ہم کو اُسی ہوٹل تک جانا ہے جہاں تم ایک بار پہلے لے گئے تھے۔'' میں نے اُس کی

بات درمیان سے اُچک لی۔

''مینوں یاد ہے برادر۔ پانچ ورش سے لندن کی اُونچی نیچی سڑکوں پر ڈول رہا ہوں۔''

میں نے ہرنام سنگھ کے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا، وہ پھر گھسے ہوئے ریکارڈ کی طرح بجنے لگا۔ کیب ہوٹل کے صدر دروازے پر جا کر رُکی تو اُس نے تیزی سے اُتر کر پچھلا دروازہ کھولا۔ میں نے اُترتے اُترتے سو سو پاؤنڈ کے پانچ نوٹ نکال کر اُس کی جیب میں ڈالے تو بڑی اپنائیت سے میرا ہاتھ تھام کر بولا۔

''میں نے تمہیں برادر کہا ہے۔ تُسی مینوں شرمندہ کرتے ہو۔''

ہرنام سنگھ کے لہجے میں خلوص تھا، محبت تھی۔ میں نے اڈگر سے پانچ سو پاؤنڈ میں سودا طے کرنا چاہا تھا مگر موت اُس کا مقدر بن گئی۔ ہرنام سنگھ زیادہ انعام کا مستحق تھا۔ میں نے اُسے سمجھا بجھا کر رُخصت کر دیا۔ اس بار صدر دروازے پر تعینات ہوٹل کے کارندوں نے مجھے روکنے کی جسارت نہیں کی۔ خودکار دروازہ میرے وزن کے بوجھ سے کھل گیا۔ میں سینہ تانے اندر داخل ہوا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے رُوم سروس کو کافی کا آرڈر دیا، پھر کافی پیتے وقت مجھے جین کی ایک بات یاد آ گئی، اُس نے کہا تھا کہ جم، مارٹینا کے قتل کا معمہ حل کرانے کے سلسلے میں مجھ سے رابطہ قائم کرے گا۔ میں اس مسئلے کو ٹالنا چاہتا تھا، مارٹینا کی موت کے سلسلے میں جیکب کا نام بھی درمیان میں آتا، جین بھی ملوث ہو جاتی جو مجھے منظور نہیں تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر جم کو فون کیا، دوسری جانب سے سارا کی مانوس آواز سنائی دی۔

''مجھے جم سے بات کرنی ہے.....'' میں نے دبی آواز میں کہا۔

''تم..... تم دولت علی۔'' سارا میری آواز سن کر چہکنے لگی۔ ''میرے کان دھوکا نہیں کھا سکتے۔ میں تمہاری آواز کو لاکھوں میں پہچان سکتی ہوں۔''

''کیسی ہو سارا؟'' میں نے اُس کی خیریت دریافت کی۔

''میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ تمہاری عمر طویل ہوگی۔ یقین کرو، ابھی میرے اور جم کے درمیان تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ تم نے فون کر کے مجھے حیران کر دیا، کہاں سے بات کر رہے ہو؟''

میں نے ہوٹل کا نام اور رُوم نمبر بتایا تو وہ یکلخت سنجیدہ ہوگئی۔

''ہاں، مجھے یاد آیا۔ جین نے آج ہی جم کو بتایا تھا کہ تم اُس کے فارم ہاؤس سے ہوٹل منتقل ہو گئے ہو۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ جم بتا رہا تھا کہ جین تمہارے جانے سے افسردہ ہے۔''

''کچھ ضروری کام درپیش تھے جو میں شہر سے دُور رہ کر نہیں کر سکتا تھا۔'' میں نے بہانہ تراشا۔

''جم کو بھی ایک اہم دفتری معاملے میں تمہاری ضرورت پیش آ گئی ہے۔ ٹھہرو..... میں بات کراتی ہوں۔''

چند لمحے بعد جم کی آواز اُبھری۔ ''ہیلو دولت علی۔'' اُس نے عجلت کا مظاہرہ کیا۔ ''تم اس وقت مصروف تو نہیں ہو؟''

''کافی کی چسکیاں لے رہا ہوں۔'' میں نے بے تکلفی سے جواب دیا۔

''میں گاڑی بھیج رہا ہوں، تم میری طرف آ جاؤ۔ گپ شپ رہے گی۔''

''سارا بتا رہی تھی کہ تمہیں پھر کسی دفتری معاملے میں میری ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔'' میں نے اُسے کریدا۔

''فون پر نہیں.....'' جم نے محتاط انداز اختیار کیا۔ ''تم آ جاؤ، ہم اکٹھے ڈنر کریں گے، پھر اطمینان سے گفتگو ہوگی۔''

''آج معاف کر دو جم۔'' میں نے اُسے ٹالنے کی خاطر کہا۔ ''میں نے کسی کو وقت دے رکھا ہے۔''

''کون ہے وہ خوش نصیب؟'' جم کی آواز مدھم ہوگئی، اُس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''فون پر نہیں.....'' میں نے اُسی کے انداز میں کہا۔ ''کل رات کے ڈنر کے بعد اطمینان سے گفتگو ہوگی۔''

''اس وقت میری یاد کیسے آ گئی؟'' جم نے فون کرنے کی وجہ جاننا چاہی۔

''کیوں؟ کیا تمہیں یاد کرنا بھی کسی خطرناک جرم کے احاطے میں آتا ہے.....؟'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

''باتوں میں اڑانے کی کوشش مت کرو دولت علی۔ میں تمہاری ماورائی اور رُوحانی قوتوں کا معترف ہوں، تم نے میرے اُوپر جو احسان کیا ہے وہ میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا، تم مدد نہ کرتے تو اتنی جلدی میری ترقی کبھی نہ ہوتی۔ لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم

نے اس وقت مجھے بلا مقصد فون نہیں کیا ہوگا..... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں، میں جانتا ہوں کہ تم ایک ذہین آفیسر ہو۔'' میں نے سنجیدگی سے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''دراصل میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا تھا، اپنے ذاتی معاملے میں۔''

''کیا وہ بات کل نہیں ہوسکتی.....؟''

''میں سارا کے سامنے اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھتا۔'' میں نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ایک خاص وجہ سے میرا فوری طور پر ہندوستان جانا ضروری ہوگیا ہے اسی لئے جین کے فارم ہاؤس سے گلوخلاصی حاصل کی ہے، اُسے میرے جانے کا علم ہو جاتا تو کبھی ہوٹل منتقل ہونے کی اجازت نہ دیتی۔''

''میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تمہیں پہلے میرا ایک اہم معاملہ سلجھانا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے، لیکن لندن میں میرا قیام ہفتے بھر سے زیادہ ممکن نہیں.....'' میں نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی خاطر کہا۔ ''میرے بعد تمہیں جین کا خیال رکھنا ہوگا، میں کوشش کروں گا جلدی واپس لوٹ آؤں۔''

''اس کے علاوہ بھی مجھے تمہاری دس شرطیں منظور ہیں، لیکن تمہیں ہر قیمت پر پہلے مجھے درپیش گتھی سلجھانی ہوگی۔''

جم سے رابطہ منقطع کرنے کے بعد بھی میں اُسی کے بارے میں سوچتا رہا، بات اُلجھتی نظر آرہی تھی۔ ولیم کسی قیمت پر اپنے معاملے میں مارٹینا والے حادثے کی تشہیر پسند نہیں کر رہا تھا اور جم اپنے مفاد میں مارٹینا کے قتل کا سبب اور قاتل کی شخصیت کو سامنے لانے کی جان توڑ کوششوں میں لگا تھا۔ میرا فیصلہ اپنی جگہ تھا۔ میں جین کی وجہ سے ولیم کو نہ صرف اُس کا جائز حق دلانا چاہتا تھا بلکہ جین ہی کی وجہ سے جیکب کا نام درمیان میں نہیں لانا چاہتا تھا جسے انکا کی پراسرار قوتوں نے محکمہ سراغرسانی والوں کے لئے ایک لاینحل معمہ بنا دیا تھا۔ مجھے اس تکون کے بیچ کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ انکا ہوتی تو پلک جھپکتے میں سارے مسئلوں کا حل نکل آتا، وہ ولیم کی جائیداد کا فیصلہ کرانے کی غرض سے پانچ دن کا کہہ کر گئی تھی لیکن اُسے اپنے مقصد کے حصول میں زیادہ وقت بھی لگ سکتا تھا۔ بات اگر صرف ولیم کے حقوق کی ہوتی تو کام آسان تھا لیکن مارٹینا

لیونارڈو کے علاوہ اپنے سابقہ مرحوم شوہر کی جائیداد پر بھی قبضہ جمائے بیٹھی تھی۔ اُس کے لواحقین بھی سامنے آسکتے تھے، بات طول پکڑ جاتی۔ ایک وقت میں کئی سروں پر پھدکتے پھرنا انکا کے لئے دُشوار نہیں تھا لیکن عدالت کی کارروائی، وکیلوں کی بحث، گواہوں کے بیانات اور قانونی موشگافیوں میں بھی وقت صرف ہوسکتا تھا۔

ذہن کو سکون دینے کی خاطر میں نے میلبا کو طلب کیا، وہ میرے اندازے سے زیادہ تجربہ کار اور معاون ثابت ہوئی۔ میں نے اُسے انعام دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ گئی رات تک وہ میرے پہلو میں بیٹھی خوبصورت باتیں کرتی رہی، سر سہلاتی رہی، اپنے قرب کی تپش سے میرے تھکے ہوئے اعصاب کو سکون بخشتی رہی۔ پھر وہ کس وقت میرے پاس سے اُٹھ کر گئی؟ مجھے یاد نہیں.....!

❁❁❁

دروازے سے بلند ہونے والی پُر شور آواز سن کر میں ہڑبڑا کر اُٹھا، کوئی شدت سے متواتر دروازہ پیٹ رہا تھا۔ میری پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ میں جس لباس میں تھا اُسی میں اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر ہوٹل کا منیجر ایک باوردی پولیس آفیسر اور دو سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔ میلبا بھی ایک طرف سر جھکائے خاموش کھڑی تھی۔ ہوٹل کے ایک دو کارندے بھی تھے۔ میں ایک لمحے کو گھبرا گیا۔ صبح آٹھ نو بجے کے درمیان کسی ہوٹل کے دروازے پر پولیس کی موجودگی خالی از علت نہیں ہوسکتی تھی۔

''مسٹر دولت علی آپ ہی ہیں؟'' پولیس آفیسر نے مہذب لہجے میں سوال کیا۔

''جی ہاں.....'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ہوٹل کے جنرل منیجر کا بیان ہے کہ محکمہ سرغرسانی کی لیک معزز لیڈی آفیسر مس جین مارنڈا نے آپ کا خیال رکھنے کے لئے خاص طور پر فون کیا تھا۔'' پولیس آفیسر نے مجھے سرتاپا گھورتے ہوئے دریافت کیا۔ ''آپ مس جین کو کس طرح جانتے ہیں؟''

''یہ میرا قطعی نجی معاملہ ہے۔'' میں نے رُوکھے لہجے میں جواب دیا۔ ''میں غیر ضروری سوالات کے جواب دینے کا عادی نہیں ہوں، آپ اس وقت اپنے آنے کا مقصد بیان کریں۔'' میرے لہجے کی تلخی میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ پولیس آفیسر کے چہرے پر بھی تناؤ کی کیفیت پیدا ہونی شروع ہوگئی۔

''کیا ہم اندر بیٹھ کر سہولت سے بات نہیں کر سکتے؟'' اُس نے مجھے تیکھے انداز میں مخاطب کیا۔

''سوری۔'' میں نے لحاظ و مروت کو بالائے طاق رکھ دیا۔ ''تم نے مجھے سوتے میں ڈسٹرب کیا ہے، میں اس وقت اخلاق کی جھوٹی نمائش نہیں کر سکتا۔''

''مجھے آپ کے کمرے کی تلاشی لینی ہے۔''

''کیوں.....؟''

''اس کا جواب تلاشی کے بعد دیا جائے گا۔'' پولیس آفیسر نے جیب سے سرچ وارنٹ نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

سرچ وارنٹ دیکھ کر میرا ذہن بھک سے اُڑ گیا۔ میرا دل چاہا اس کاغذ کے حقیر ٹکڑے کر کے اُس کے منہ پر مار دُوں۔ انہیں قبل از وقت باور کرا دُوں کہ جمیل احمد خان کو چھیڑ کر وہ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے تھے لیکن میں خون کے گھونٹ پی کر چپ رہا۔ رات میں نے پب میں بھی اسی لئے کسی ہنگامے سے گریز کیا تھا کہ میں اخبار کی شہ سرخیوں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ میں اُلجھ جاتا تو ہندوستان واپسی میں دیر ہو جاتی۔

میں دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ کمرے میں آ گئے۔ معاً میرے ذہن میں انکارانی کا خیال اُبھرا۔ اُس نے رخصت ہوتے وقت خاص طور پر تاکید کی تھی کہ میں سفری بیگ سے کرنسی نوٹ نکال کر اُسے میلبا کو واپس کر دُوں۔ انکا اندھیروں میں دُور تک دیکھنے کی عادی تھی۔ اُس نے محسوس کر لیا ہوگا کہ سفری بیگ کمرے میں موجود ہونے کی صورت میں میری اُلجھن بڑھ سکتی ہے۔ میں ولیم سے گفتگو میں ایسا محو رہا کہ انکا کی ہدایت پر عمل نہ کر سکا۔ اب وقت نکل چکا تھا۔

پولیس آفیسر کو زیادہ اُٹھا پٹخ نہیں کرنی پڑی۔ سفری بیگ اُسے پہلی الماری کھولتے ہی مل گیا۔ اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ میرے قریب آ کر اُس نے بیگ فضا میں بلند کر کے میری نظروں کے سامنے کر دیا۔ مجرم کو نروس کرنے کا یہ بھی ایک انداز ہوتا ہے۔ پولیس آفیسر کا خیال تھا کہ میں بیگ کے دستیاب ہوتے ہی گڑبڑا جاؤں گا، ہاتھ پیر چھوڑ دُوں گا۔ اگر اُس نے ایسا سوچا تھا تو یہ اُس کی بھول تھی۔ میں نے چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ میری نگاہوں میں تلخیوں کا رنگ اور گہرا ہوگیا۔

''یہ بیگ کس کا ہے مسٹر دولت علی؟'' اُس نے زہر خند سے پوچھا۔

''تم نے اسے میرے کمرے سے حاصل کیا ہے اس لئے میرے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے؟'' میں نے دبنگ آواز میں جواب دیا۔

''کیا آپ بتا سکتے ہو کہ اس بیگ میں کیا ہے.....؟''

''کھل کر بات کرو آفیسر۔'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''تم اس معمولی سفری

بیگ سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟''

''تم نے اس بیگ کو جس میں سو سو پونڈ کے نئے نئے نوٹوں کی گڈیاں موجود ہیں چوری کیا ہے۔'' پولیس آفیسر کا لہجہ یکلخت کرخت ہو گیا۔ ''میں تمہیں اس جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔''

''ہوش کرو آفیسر۔'' میں نے اُسے چیلنج کیا۔ ''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ بیگ میں نے چوری کیا ہے؟''

''ثبوت یہ بیگ بذاتِ خود ہے..... اس کے گواہ یہ لوگ ہیں جن کی موجودگی میں، میں تمہیں ہتھکڑیاں پہنا کر اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ پولیس اسٹیشن پہنچ کر تم سب کچھ اُگل دو گے۔''

''اپنی اوقات سے تجاوز مت کرو آفیسر۔'' میرے اندر لازوال قوتیں کسمسانے لگیں۔ ''تم ایک معزز شخص کی بے عزتی کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔'' میری آواز میں گھن گرج پیدا ہونے لگی۔ ''بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے تم میرے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کر سکتے۔ میں تمہارے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ دائر کرنے کا حق رکھتا ہوں۔''

پولیس آفیسر میری دیدہ دلیری پر ہل کھا کر رہ گیا۔ میلبا بھی مجھے حیرت سے گھورنے لگی۔

''ہمارے ملک میں قانون اور عدالتی انصاف بڑا صاف و شفاف ہوتا ہے مسٹر دولت علی۔'' پولیس آفیسر جس کا نام لوئیس آرتھر تھا، انتہائی سرد لہجے میں بولا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں کہ تم مزاحمت کی فضول کوشش کیوں کر رہے ہو؟ یہ حربے تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔''

اُس نے الفاظ چباتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دُوں کہ مس جین مارنڈا.....''

''نہیں، میں تمہیں کسی اور کا نام درمیان میں لانے کی اجازت نہیں دُوں گا۔'' میں نے مٹھی بھینچ کر بمشکل غصے پر قابو پاتے ہوئے احتجاج کیا۔ ''تم نے میرے اُوپر ایک جھوٹا الزام عائد کرنے کی کوشش کی ہے، اسے ثابت کئے بغیر تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔''

پولیس آفیسر نے مجھے ایک لمحے کو بے حد غور سے دیکھا۔ میرے لہجے کی ترشی اور تلخ کلامی سے اُس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچی ہو گی۔ اُس کا اندازہ تھا کہ میں بیگ سامنے آجانے کے بعد ہتھیار ڈال دُوں گا۔

''مسٹر دولت علی۔'' اُس نے کچھ توقف کے بعد سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔ ''کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس بیگ میں کتنی رقم موجود ہے؟''

''نہیں.....'' میں نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ ''میں ذاتی اخراجات کا باقاعدہ حساب کتاب رکھنے کا عادی نہیں ہوں۔''

''کوئی اندازہ.....؟''

''اندازے وہ لگاتے ہیں جنہیں خود پر اعتماد نہیں ہوتا۔''

''کیا تم نے اس بیگ سے کچھ رقم نکال کر خرچ بھی کی ہے'' اُس نے پینترا بدلا۔ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ کل شام تم نے کچھ وقت ہوٹل سے باہر بھی گزارا ہے، ممکن ہے شاپنگ بھی کی ہو۔''

''امکانات کی بات کر کے تم اپنی کمزوری کا ثبوت دے رہے ہو۔'' میں نے اُسے چڑانے کی کوشش کی۔ ''ذمہ دار پولیس آفیسر ٹھوس اور دوٹوک بات کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔''

''ہم نے اُس کاؤنٹر کلرک کو بھی حراست میں لے لیا ہے جس نے میلبا کے ذریعے یہ بیگ تم تک پہنچایا تھا۔'' اس بار اُس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' میں نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ تم جس کاؤنٹر کلرک کی بات کر رہے ہو اُس نے غلطی سے تمہیں میرے کمرے کا نمبر بتا دیا ہو۔''

پولیس آفیسر نے مجھے چبھتی نظروں سے گھورا۔ ''کیا تم شرافت سے ہمارے ساتھ تعاون نہیں کرو گے؟''

''تم بھول رہے ہو کہ تمہاری بیہودہ اور فضول گفتگو کے کچھ گواہ بھی کمرے میں موجود ہیں جو ازالہ حیثیت عرفی کے مقدمہ میں میرے لئے بے حد کارآمد ثابت ہوں گے۔''

پولیس آفیسر میری ڈھٹائی پر تلملا گیا۔ اُس نے ایک سپاہی کو ہونٹ کاٹتے ہوئے اشارہ کیا جو ہاتھ میں فائل دبائے کھڑا تھا، آفیسر کا اشارہ پا کر اُس نے فائل سے ایک فوٹو اسٹیٹ کی ہوئی فہرست نکال کر میرے حوالے کر دی۔ میں نے کاغذ پر غور کیا تو ایک ٹائپ کو گھبرا گیا۔ اُس پر انگریزی حروف کے ساتھ ساتھ کچھ نمبروں کا اندراج بھی تھا۔ میں سمجھ گیا یہ

ان نوٹوں کے نمبر تھے جو بیگ میں موجود تھے جسے ابھی تک کھولا نہیں گیا تھا۔ جس بینک نے وہ لسٹ جاری کی تھی اُس کا نام بھی جلی حروف میں نظر آ رہا تھا۔ بینک منیجر کے دستخط اور مُہر بھی موجود تھی۔ میرے خلاف جو ثبوت تھے اس میں کوئی جھول نہیں تھا۔ قبل اس کے کہ میں کچھ کہتا پولیس آفیسر کی تیز آواز میرے کانوں میں دوبارہ گونجی۔

''کیا تم اب بھی مزاحمت کا ارادہ رکھتے ہو.....؟''

''نہیں.....'' میں نے فیصلہ کن آواز میں جواب دیا۔ ''تم کاغذی کارروائی مکمل کرو۔'' میرا لہجہ بتدریج سرد ہوتا گیا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں کہ تم کس قماش کے آفیسر ہو۔ میں اب بھری عدالت میں تمہیں تمہاری حیثیت کا احساس دلاؤں گا۔''

ہندوستان ہوتا تو میرے سخت جملے کی پاداش میں مجھے کسی کال کوٹھڑی میں بند کر کے پہلے مادر زاد برہنہ کیا جاتا، پھر رُوئی کی طرح دھنک دیا جاتا، کوئی رحم نہیں کیا جاتا۔ اگر مر جاتا تو خاموشی سے راتوں رات مجھے جلا کر میری راکھ دریا برد کر دی جاتی، زندہ رہتا تو زدوکوب کے نتیجے میں ناقابل مرمت جسمانی ٹوٹ پھوٹ سے تنگ آ کر زندگی کی آخری سانس تک موت کی دُعائیں مانگتا رہتا۔ لیکن وہ ہندوستان نہیں، لندن تھا جہاں مجرموں کے ساتھ اُس وقت تک انسانیت سوز سلوک نہیں کیا جاتا جب تک وہ از خود اپنے جرم کا اقرار نہ کرے یا عدالت کوئی حتمی فیصلہ نہ سنا دے۔

پولیس آفیسر نے قانونی کارروائی شروع کی، بیگ سے کرنسی نوٹ نکال کر اُنہیں گنا گیا، اُن کے سارے نمبر فہرست سے ملتے تھے۔ صرف وہ کرنسی نوٹ کم تھے جو میں خرچ کر چکا تھا۔ میں صوفے پر آرام سے بیٹھا کاغذی کارروائی دیکھتا رہا، میری موجودگی میں مشیر نامہ تیار کیا گیا، گواہوں کے دستخط اور بیان لئے گئے۔ میلبا نے اس سفری بیگ کے سلسلے میں وہی بیان دیا جو پہلے مجھے دے چکی تھی۔ اُس نے کاؤنٹر کلرک کے کہنے پر وہ بیگ میرے کمرے تک پہنچایا تھا۔

مجھے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ میں چاہتا تو پولیس کے کارندے اندھے ہو جاتے، وہ ساری زندگی کمرے کی ایک ایک شے کو اُلٹتے پھرتے رہتے لیکن بیگ اُن کے ہاتھ نہ لگتا۔ میں اُنہیں اپنی قوتوں کے ذریعے دروازے ہی سے واپس لوٹا سکتا تھا، میں ایک اشارہ کرتا، پولیس آفیسر میرے تلوے چاٹنے لگتا، ساری کاغذی کارروائی دھری کی دھری رہ

جاتی، میرے لئے سب کچھ ممکن تھا۔ میں نے بدری نرائن اور اُس کے چیلوں کو پورے ہندوستان میں کہیں پناہ نہیں لینے دی تھی۔ میں نے بھی اپنا بہت کچھ کھویا تھا لیکن جیت میری ہی ہوئی۔ بدری نرائن کتوں کی موت مارا گیا۔

جین کے فارم ہاؤس میں قیام کے دوران میں نے ارتکاز اور مراقبے کی مشقیں کر کے کھوئی ہوئی قوتیں دوبارہ حاصل کر لی تھیں۔ پب کے باہر اڈگر کا انجام اس بات کی دلیل تھی کہ پریتم لال کی آتما بھی میری پشت پناہی کر رہی ہے، میں انکارانی کو آواز دیتا وہ سارے کام چھوڑ کر واپس آ جاتی۔ پولیس آفیسر اور اُس کے ساتھی تگنی کا ناچ ناچنے لگتے۔ لیکن میں نے جان بوجھ کر درگزر سے کام لینے کی ٹھان لی۔ ڈگڈگی بہرحال میرے ہاتھ میں تھی، میں جب چاہتا اُسے بجانے لگتا۔ وہ سب اُس کی تال پر تھرکنے لگتے۔ ہر بات میرے اختیار میں تھی لیکن میں ضبط سے کام لے رہا تھا۔

کاغذی کارروائی مکمل ہو گئی۔ پولیس آفیسر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ مجھے حقارت سے گھور کر بڑے زہریلے لہجے میں بولا۔

''کیا تم خود اُٹھو گے یا مجھے اپنے کارندوں کو تمہاری ڈنڈا ڈولی کرنے کی زحمت دینا پڑے گی۔''

پولیس آفیسر کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔ میں نے اُسے خشمگیں نظروں سے گھورا، میرے اندر اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ میں ایک جھٹکے سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میلبا مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کل رات وہ میری بانہوں میں کھیل رہی تھی، اس وقت مجھے پولیس کے سامنے بے بس دیکھ کر اُس کے دل پر جانے کیا گزر رہی ہو گی۔ میرے جسم پر شب خوابی کا ڈھیلا ڈھالا لباس موجود تھا۔

''تم چلو آفیسر، میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں۔'' میں نے سرد لہجے میں پولیس آفیسر کو مخاطب کیا۔ اُس نے بڑی پھرتی سے ریوالور نکال کر مجھ پر تان لیا۔

''تم اسی لباس میں میرے ساتھ چلو گے۔'' اُس کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔ ''ہتھکڑی پہن کر۔'' اُس نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا، وہ ہتھکڑی لئے میری طرف بڑھنے لگا۔

مجھے اُن نادانوں کے انجام پر ہنسی بھی آ رہی تھی اور غصہ بھی۔ اُنہیں میری طاقت کا اندازہ نہیں تھا، میں تیور بدل لیتا تو میری آتش انتقام سے چٹخنے والی چنگاریاں شہد کی مکھیوں

کی طرح لپٹ کر اُن کے جسم بھنبھوڑ ڈالتیں، لہولہان کر دیتیں، انہیں بھاگنے کا راستہ نہ ملتا، وہ زمین پر گھٹنے ٹیک کر گڑگڑانے لگتے، میری منت سماجت شروع کر دیتے، لیکن میں ضبط سے کام لے رہا تھا۔ پولیس آفیسر نے جین مارنڈا کا نام لے کر مجھے کمزور کر دیا تھا۔ میں قانون سے طاقت کے دو دو ہاتھ کر لیتا تو جین بلاوجہ بدنام ہوتی۔ مجھے اُس کی رُسوائی منظور نہیں تھی۔

''سنو آفیسر۔'' میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ لیکن ہتھکڑی پہنانے کا حکم واپس لے لو۔ یہ میری توہین ہوگی۔''

''ایک ملزم کی زبان سے توہین کا لفظ سن کر مجھے ہنسی آ رہی ہے۔'' اُس نے توہین آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم مجھے اچھے لگے ہو دولت علی۔ مجھے اگر وقت ملا تو تم سے جیل میں بھی کبھی کبھی ملاقات کے لئے ضرور آؤں گا۔''

پانی سر سے اُونچا ہونے لگا۔ سپاہی نے قریب آ کر میرا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی تو میں نے ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ زمین پر دُور جا گرا۔ میں نے اپنی تمام مخفی قوتوں کو آنکھوں میں سمیٹا۔ میں پولیس آفیسر کو بتانا چاہتا تھا کہ اُس نے جمیل احمد خان پر ہاتھ ڈال کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ لیکن اسی لمحے ایک مانوس نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''درگزر سے کام لو جمیل، اس سے کسی شکتی کا چمتکار جین کی راہ میں دُشواریاں کھڑی کر دے گا۔''

میں تڑپ کر رہ گیا۔ وہ میری کلدیپ کی آواز تھی۔ میں نے مچل کر کہا۔ ''یہ مجھے لوہے کا زیور پہنانے کی بات کر رہے ہیں۔ کیا ان حرام زادوں کی بات مان لوں؟''

''میں تمہیں صرف خون خرابے سے روک رہی ہوں۔'' کلدیپ نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ ''میں جانتی ہوں جمیل۔ تم ہتھکڑی پہن کر لوگوں کے سامنے جاؤ گے تو تمہارا اپمان ہوگا۔''

''پھر میں کیا کروں.....؟'' میں نے تلملا کر پوچھا۔

''دُور اندیشی سے کام لو..... مہاراج کی شکتی بھی تمہارے ساتھ ہے۔ نراش مت ہو، دھیرج سے کام لو.....''

میں نے کلدیپ کو پھر مخاطب کیا، اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید اس کی رُوح کو زیادہ دیر ٹھہرنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ پولیس آفیسر نے میری وحشت دیکھ کر کرخت اور

سفاک لہجہ اختیار کیا۔

''دولت علی، ہمیں سختی پر مجبور نہ کرو، ورنہ ہمیں تم جیسے مجرموں کو سیدھا کرنے کے اور بھی طریقے آتے ہیں۔ میری بات مان لو، شرافت سے ہتھکڑی پہن لو.....''

میں نے بے بسی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ کلدیپ کی آتما نہ آتی تو قیامت آ جاتی، میں پولیس آفیسر کو جلا کر راکھ کر دیتا، اس ہوٹل کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتا جہاں میری توہین ہوئی تھی، سب کچھ تہس نہس کر ڈالتا، پھر جو بھی ہوتا.....!

زمین پر گرے ہوئے سپاہی نے اُٹھنے میں دیر نہیں لگائی، اُس کی نگاہوں سے نفرت جھانک رہی تھی، وہ ڈیل ڈول میں مجھ سے زیادہ تھا اس لئے دھوکا کھا گیا۔ پولیس آفیسر کے اشارے پر دوسرا سپاہی بھی اپنے ساتھی کی مدد کو آگے بڑھا، میں نے اس بار مزاحمت نہیں کی، ایک سپاہی نے مجھے ہتھکڑی پہنا دی، پھر اپنے آفیسر سے بولا۔

''سر، یہ مٹنا ہے، اس کا بایاں ہاتھ مصنوعی ہے۔''

''اوہ.....'' پولیس آفیسر نے گردن ہلاتے ہوئے سنجیدگی کا اظہار کیا۔ ''ہمیں چھان بین کرتے وقت زیادہ احتیاط کرنی ہوگی، ہوسکتا ہے کہ یہ سرد خانوں میں پڑی ہوئی مفرور مجرموں کی فائلوں میں سے کوئی ایک ہو، اگر ایسا ہوا تو ہم یقیناً ایک بڑے انعام کے مستحق ہوں گے۔''

میں نے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے، جانے کے ارادے سے قدم اُٹھائے تو دروازے کے سامنے جمع لوگ کائی کی طرح چھٹ گئے۔ آفیسر ریوالور تانے میرے ساتھ تھا۔ مجھے نیچے لے جانے کی خاطر مسافروں کی بجائے سامان والی لفٹ استعمال کی گئی، میں لفٹ رُکنے پر باہر آیا، لاؤنج میں خاصی بھیڑ تھی۔ میں پولیس آفیسر کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا تیزی سے باہر آ گیا۔ کسی نے کوئی توجہ نہیں دی، آفیسر کے علاوہ سپاہی بھی صورت حال سے بے خبر تھے۔ باہر پولیس کی گاڑی موجود تھی، مجھے پچھلی نشست پر دونوں سپاہیوں کے درمیان بٹھایا گیا، آفیسر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا، گاڑی حرکت میں آئی تو میں نے داہنے ہاتھ میں دبی ہوئی ہتھکڑی آفیسر کی گود میں اُچھالتے ہوئے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

''اسے سنبھال کر رکھو آفیسر۔ پھر کسی اور کے کام آئے گی۔''

ہتھکڑی دیکھ کر پولیس آفیسر کے علاوہ دونوں سپاہی بھی اس طرح چونکے جیسے ابھی تک

خوابِ غفلت سے دوچار تھے۔ پولیس آفیسر نے بڑی سرعت سے پلٹ کر مجھے بغور دیکھا، اُس کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ جو کچھ ہوا وہ کم از کم اُس کے لئے ضرورنا قابل یقین تھا۔ میں نے کسی تاثر کا اظہار نہیں کیا، سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر کلدیپ کے بارے میں سوچنے لگا جس نے بروقت مداخلت کر کے صحیح سمت میں میری رہنمائی کی تھی۔

میری طاقت کے ایک ہی کرشمے نے اُن کے سارے کس بل نکال دیئے۔ پولیس آفیسر آرتھر راستے بھر خاموش بیٹھا کسی سوچ میں گم رہا، میرے دائیں بائیں بیٹھے دونوں سپاہی بھی بار بار کنکھیوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ راستہ کسی ادھم چوکڑی کے بغیر کٹ گیا مگر مجھے پولیس اسٹیشن لے جا کر لاک اپ کر دینے کے بعد آرتھر پھر شیر ہونے لگا۔

''دولت علی، تم نے ہتھکڑی ہاتھوں سے اُتارنے کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ تمہارا تعلق یقیناً کسی خطرناک بین الاقوامی تنظیم سے ہے، ہم بہت جلد تمہاری اصل شخصیت کا سراغ لگالیں گے۔''

''کیا میں تمہیں تمہاری متوقع کامیابی پر پیشگی مبارکباد پیش کر سکتا ہوں؟'' میں نے بذلہ سنجی سے کام لیا۔

''دو چار گھنٹے اور اطمینان کا سانس لے لو۔'' وہ تلملا کر بولا۔ ''کورٹ کے سامنے پیش کر کے پہلے ہم تمہارا جسمانی ریمانڈ حاصل کریں، پھر اطمینان سے تفصیلی گفتگو ہوگی۔''

میں نے جواب میں اُسے مسکرا کر دیکھا، پھر بنچ پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں میرے ذہن میں مختلف خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے، میں اپنی قوتوں کے ذریعہ اُس فائل کو جلا کر راکھ بھی کر سکتا تھا جو آرتھر نے بڑی محنت اور جانفشانی سے تیار کی تھی۔ مشیر نامہ، گواہوں کے بیانات، کرنسی نوٹ اور سفری بیگ سب کچھ راکھ ہو جاتا، آرتھر ٹاپتا رہ جاتا، صرف نوٹوں کے حروف اور ہندسے تبدیل کر دیتا تو پولیس کو جان چھڑانی مشکل ہو جاتی، میں اُن پر ہتک عزت کا دعویٰ کر دیتا، جھوٹا مشیر نامہ تیار کرنے پر آرتھر کو سزا ہو جاتی، میرے کردار پر کوئی داغ نہ آتا۔ اور بھی بہت کچھ ممکن تھا مگر میں نے تحمل سے کام لیا، کلدیپ کی بھٹکتی ہوئی آتما نے کہا تھا کہ اگر میں نے کوئی ہنگامہ کیا تو جین کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ میں نے کلدیپ کی بات مان لی۔

دو گھنٹے بعد مجھے کورٹ میں پیش کیا گیا۔ جج نے میری فائل کا بغور مطالعہ کیا، ایک ایک

کاغذ اُلٹا پلٹتا رہا، پھر اُس نے فائل بند کر کے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا، نگاہوں نگاہوں میں تولتا رہا، اپنے معیار کی خاص کسوٹی پر پرکھتا رہا پھر بڑے مہذب لہجے میں بولا۔

''مسٹر دولت علی، ہماری پولیس نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی؟''

''جی نہیں.....'' میں نے مختصراً کہا۔

''کیا تم اپنا جرم تسلیم کرتے ہو.....؟''

''میں فی الحال اس ضمن میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔'' میں نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔

''کیس کی باقاعدہ سماعت شروع ہوگی تو کھل کر دو بدو باتیں کرنے میں زیادہ لطف آئے گا۔''

''تمہیں فائل کی تیاری میں ہمارے تفتیشی آفیسر سے کوئی شکایت ہو تو بیان کر سکتے ہو۔'' جج نے مجھے ایک موقع اور دیا۔

''سوری می لارڈ.....'' میں نے زہرخند سے جواب دیا۔ ''میں اپنے ترپ کے پتے قبل از وقت استعمال کرنے سے گریز کروں گا۔''

''پولیس نے ایک ہفتے کے لئے تمہارے جسمانی ریمانڈ کی درخواست کی ہے، تمہیں اس سلسلے میں بھی اپنا موقف بیان کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔''

''شکریہ یور لارڈ شپ۔'' میں نے اس بار قدرے سنجیدگی سے کہا۔ ''فائل آپ کے سامنے ہے، مسٹر آرتھر نے میرے خلاف قانون کا گھیرا تنگ کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا، ساری دستاویز مکمل ہیں، پولیس نے میرے بچاؤ کے لئے کوئی چور راستہ نہیں چھوڑا ہوگا، بڑی دیانت داری سے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ سارے ثبوت انتہائی ٹھوس اور مربوط ہیں، میں سزا سے نہیں بچ سکوں گا۔'' میں نے ایک لمحے کو گردن گھما کر لوئیس آرتھر کی سمت دیکھا، وہ بڑے ادب سے اٹنشن پوزیشن میں کھڑا تھا۔ میں جج سے دوبارہ مخاطب ہوا۔ ''مسٹر آرتھر نے میرے ساتھ ابھی تک کوئی بدسلوکی نہیں کی، میرا خیال ہے کہ یہ ایک ذمہ دار، فرض شناس اور تجربے کار آفیسر ہیں لیکن.....'' میں نے جان بوجھ کر تھوڑے توقف کے بعد معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''تمام دستاویز اپنے سامنے مکمل کرانے کے باوجود اگر آپ کے معزز آفیسر کو میرے جسمانی ریمانڈ کی ضرورت بھی ہے تو انہیں حسب منشا اس کا موقع دیا جائے۔''

جج نے کسمسا کر مجھے بنظر غور دیکھا، وہ میرے جملے کی گہرائی تک پہنچ گیا تھا۔ ہاتھ میں

دبے قلم کو پُر خیال انداز میں آہستہ آہستہ کچھ دیر فائل پر مارتا رہا، اُس کے چہرے کے تاثرات غمازی کر رہے تھے کہ وہ ریمانڈ کے حق میں نہیں ہے۔ کچھ غور وخوض کے بعد اُس نے آرتھر کو مخاطب کیا۔

''آفیسر۔ کیا آپ جسمانی ریمانڈ کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں؟''

''یس یور آنر۔'' آرتھر نے دبنگ آواز میں جواب دیا۔

''کیا فائل میں موجود کاغذات کے علاوہ بھی کسی ثبوت کی تلاش ہے.....؟''

''یس یور آنر.....'' آرتھر نے کنکھیوں سے مجھے دیکھتے ہوئے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''ہمیں ملزم کے سابق چال چلن کی چھان بین بھی کرنی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ سرد خانے میں پڑی ہوئی کوئی ڈیڈ فائل (DEAD FILE) دوبارہ حرکت میں آجائے۔''

''میں آپ کے جملے کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔'' فاضل جج نے سنجیدگی سے اپنا اختیار استعمال کیا۔

''یور آنر.....'' آرتھر نے وضاحت شروع کی۔ ''ملزم کی گرفتاری کے وقت یہ اہم بات ہمارے علم میں آئی کہ اس کا اُلٹا ہاتھ کہنی کے پاس سے کٹا ہوا ہے، اس کی جگہ مصنوعی ہاتھ لگایا گیا ہے، اکثر مسلم ممالک میں کہنی یا کلائی کے پاس سے سیدھا یا اُلٹا ہاتھ کاٹ دینے کی سزا رائج ہے۔ اس سزا کا اطلاق ان مجرموں پر ہوتا ہے جو یا تو کسی سنگین جرم میں ملوث پائے جاتے ہیں یا کسی اخلاقی کم ظرفی کے گھناؤنے مرض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اکثر بین الاقوامی تنظیموں کے مفرور مجرم بھی فنگر پرنٹس ضائع کرنے کی خاطر بذاتِ خود ہاتھ کٹوانے کی اذیت کو خوشی خوشی گوارا کر لیتے ہیں۔ ایسے افراد کو قانون کی اصطلاح میں خطرناک مجرم کہا جاتا ہے۔''

آرتھر میرا بایاں ہاتھ کٹا ہونے کی رعایت سے فائدہ اُٹھا رہا تھا۔ وہ جو الفاظ استعمال کر رہا تھا وہ میرے خون کی گردش کو تیز کرنے کے لئے بہت کافی تھے۔ وہ بدبخت مجھ پر ''اخلاقی کم ظرفی'' اور ''گھناؤنے مرض'' کا الزام بڑی خوبصورتی سے تراش رہا تھا۔ میں نے نچلا ہونٹ پوری شدت سے دانتوں تلے بھینچ لیا۔ میرے ہونٹ ہل جاتے تو تہلکہ مچ جاتا۔ بھگدڑ شروع ہو جاتی، عدالتوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا، آرتھر کو اُس کی گھٹیا وضاحتوں کا ایک اور ثبوت مل جاتا۔ میں اُسے تیکھی نظروں سے گھورتا رہا، میں نے اپنے

دل میں اُسے ایک عبرتناک سزا دینے کی ٹھان لی۔

''میں نے فی الحال صرف ایک ہفتے کے جسمانی ریمانڈ کی استدعا کی ہے۔'' آرتھر نے کسی گھاگ آفیسر کی طرح بڑی معصومیت سے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ ہمیں قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کچھ مزید وقت بھی درکار ہو، حالات پر منحصر ہے۔'' اُس نے شانے اُچکاتے ہوئے بات ختم کی۔ جج کچھ سوچتا رہا، پھر اُس نے میری جانب دیکھا۔

''مسٹر دولت علی، کیا آپ عدالت کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کا ہاتھ کاٹے جانے کی اصل وجہ کیا تھی؟''

''مجھے ایک کار ایکسیڈنٹ کے بعد یہ اذیت برداشت کرنی پڑی۔ ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ اگر ہاتھ نہ کاٹا گیا تو زہر باد کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔'' میں نے ایمانداری سے حقیقت بیان کی، پھر آرتھر کو دیکھ کر جج سے دوبارہ مخاطب ہوا۔ ''میں نے جو سچائی بیان کی ہے اس کا کوئی کاغذی ثبوت نہیں ہے میرے پاس..... یہ بھی ممکن ہے کہ میں مسٹر لوئیس آرتھر اور قانون کی نظروں میں دُھول جھونکنے کی خاطر غلط بیانی سے کام لے رہا ہوں۔'' میرے لہجے میں زہر کی تلخی سرایت کر گئی۔ ''اخلاقی کم ظرفی اور گھناؤنے مرض میں مبتلا شخص اپنے آپ کو قانونی شکنجوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر ہمیشہ اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرتا ہے، محبت اور جنگ میں تمام حربوں کا استعمال جائز ہے۔''

فاضل جج کو میری گفتگو کا انداز پسند نہیں آیا۔ اُس نے برا سا منہ بنا کر پولیس کی درخواست پر سات یوم کے جسمانی ریمانڈ کا حکم صادر کر دیا۔ آرتھر کا سینہ کچھ اور چوڑا ہو گیا۔ میں اُس کی بدنصیبی پر مسکرانے لگا۔ واپسی پر ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ مجھے پولیس اسٹیشن لا کر دوبارہ لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔

میں بڑی لاپرواہی سے فرش پر بیٹھا دیوار سے ٹیک لگائے، آرتھر کو کوئی مناسب سزا دینے کے بارے میں غور کر رہا تھا جب آرتھر دوبارہ نظر آیا۔ وہ تنہا نہیں تھا۔ اُس کے ہمراہ جین، ولیم اور جم بھی تھے، سب ہی کے چہروں سے حیرت ٹپک رہی تھی، جین سب سے زیادہ مغموم اور اُداس نظر آرہی تھی۔ میں اُن سب کے استقبال کے لئے مسکراتا ہوا اُٹھا۔

''دولت علی.....'' جین نے سلاخوں کے قریب پہنچ کر رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''یہ سب کیا ہو گیا؟ کیسے ہو گیا؟ مجھے ولیم نے فون پر اخبار کے حوالے سے اطلاع دی تو مجھے

اپنی قوتِ سماعت پر دھوکا ہوا۔ میں ولیم کو راستے سے لیتی ہوئی برق رفتاری سے دفتر پہنچی تو وہاں جم بھی حیرتوں میں ڈوبا نظر آ رہا تھا۔ جم نے فون کیا تو معلوم ہوا کہ تمہیں عدالت لے جایا گیا ہے۔'' جین ایک ہی سانس میں سب کچھ کہتی چلی گئی۔ ''مجھے بتاؤ دولت علی حقیقت کیا ہے؟ تم جین پر اعتماد کر سکتے ہو۔''

ولیم کی بے چین نگاہوں میں بھی سینکڑوں سوالات مچل رہے تھے۔ جم بھی خاصا اُلجھا نظر آ رہا تھا۔ لیکن اُس نے ذہانت سے کام لیا، جین کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے تسلی دی، پھر بڑے سلجھے لہجے میں آرتھر سے مخاطب ہوا۔

''کیا ہم اپنی ذمہ داری پر تمہاری اجازت سے کسی علیحدہ کمرے میں دولت علی سے کچھ بات چیت کر سکتے ہیں؟''

آرتھر نے بے بسی سے شانے اچکا کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ محکمہ سراغرسانی کے اعلیٰ اور ذمہ دار آفیسروں کی درخواست رد کرنا شاید اُس کے اختیار میں نہیں تھا، ہمیں ایک علیحدہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ جین کی اضطرابی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ اُس نے پوری قوت سے ولیم کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، غم اور تکلیف کی شدتوں کو برداشت کرنے کا یہ بھی ایک انداز ہوتا ہے۔ میرے دل کو چرکا سا لگا، خوشی بھی ہوئی کہ جین نے جم کی بجائے ولیم کو اپنے غم میں شریک کرنے کو ترجیح دی۔ شاید انکارانی کی کوششیں باور آور ثابت ہو رہی تھیں۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ جین اور ولیم شادی کے مقدس رشتے میں گندھ جائیں۔ لندن میں میرا کام ختم ہو جاتا۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت میرا راستہ نہیں روک سکتی تھی۔ میں پہلی فرصت میں ہندوستان کی سمت پرواز کر جاتا، قانون کے تقاضے اور جسمانی ریمانڈ کے احکامات دھرے کے دھرے رہ جاتے۔

کمرے میں کچھ دیر خاموشی کا تسلط رہا، جو کچھ ہوا تھا اس نے ان سب کے دماغ کی چولوں کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا، وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ دولت علی جو رُوحانی قوتوں کے حیرت انگیز کارناموں اور کمالات سے کبھی اپنی شہرت کا جھنڈا لہرا چکا تھا، وہ چوری جیسے معمولی جرم کا ارتکاب بھی کر سکتا ہے۔ اخبار نے کیا کچھ لکھا، میرے علم میں نہیں تھا۔ لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ مشرق کے سلسلے میں مغربی ذہن میں ہمیشہ منفی خیالات جنم لیتے ہیں۔ وہ خودغرض اور کینہ پرور ہوتے ہیں، دوسروں کو خود سے آگے نکلتا دیکھنا گوارا نہیں کرتے،

پسماندہ ملکوں کو قرض کے بوجھ تلے دبا کر سود در سود وصول کرنے کے فن سے خوب واقف ہیں۔ ترنگے کو یونین جیک سے اُوپر دیکھنا اُنہیں نہ کل منظور تھا نہ آج۔ جم، ولیم اور جین سب ہی اسی تہذیب کے نمائندہ تھے، اسی رنگ و نسل سے تعلق رکھتے تھے، ان کی رگوں میں بھی وہی خون دوڑ رہا تھا جو ایشیائی ممالک کو کمتر سمجھتے تھے، گندمی رنگ پر وہ اپنی حیا و شرم، اپنے عزم و غیرت، اپنا حسن، اپنے جسم کی رعنائیاں سب کچھ بڑے فخر سے قربان کر سکتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ مشرق کی مردانہ وجاہتیں زیادہ پُرکشش ہوتی ہیں، ان کی تسکین زیادہ بہتر انداز میں کرنے کے فن سے واقف ہوتی ہیں۔ لندن کی سڑکوں پر مقامی لڑکیاں بڑے فخر اور شان سے ہندوستانیوں کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چلتی ہیں۔ جسمانی رشتوں اور نزاکتوں کے معاملے میں بھی وہ آقا اور غلام کے چوری چھپے کھیل کھیلنا پسند کرتی ہیں، آقا خدمت کے فن سے ناواقف ہوتا ہے، غلام کو آقا کو خوش کرنے کے سینکڑوں نسخے معلوم ہوتے ہیں۔

میرے ذہن میں آقا اور غلام کی بلندی اور پستی کا امتیازی فرق مختلف زاویوں سے اپنی شکلیں بناتا بگاڑتا رہا، اُن کے چہروں کے رنگ گرگٹ کی طرح بدلتے رہے۔ پھر محبت اور شیدائیت کا رنگ غالب آ گیا۔ جین نے مجھ سے اپنا مستقبل وابستہ کر رکھا تھا، وہ میری تلاش میں ہندوستان کے گلی کوچوں کو چھانتی پھری تھی۔ میری خاطر اُس نے اپنی ماں کو ناراض کر دیا تھا، میں اُس کی نس نس میں دوڑ رہا تھا، انکارانی نے اُسے ولیم کی طرف جھکانے کی خاطر کیا کچھ کیا؟ میں ناواقف تھا لیکن اس وقت جین کی آنکھیں بھیگی بھیگی اور سرخ نظر آ رہی تھیں۔ ولیم نے جب اُسے میری گرفتاری اور اس کے محرکات کے بارے میں خبر دی ہوگی اس وقت جین کا نازک دل ضرور دھڑکا ہوگا، وہ ہکا بکا رہ گئی ہوگی۔ اُس نے یہی کہا تھا کہ وہ ولیم کی بات کو مذاق سمجھی تھی لیکن حقیقت کا انکشاف ہونے کے بعد اُس کی حالت ضرور غیر ہوئی ہوگی۔ اُس کے معصوم ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے خیالات کلبلائے ہوں گے۔ اُس کے خوابوں کو ہلکا ہی سہی، لیکن ایک دھچکا ضرور لگا ہوگا۔ مجھے لاک اپ میں دیکھ کر اُس کی غزالی آنکھیں چھلک اُٹھی تھیں، لباس بھی اُس کے دل کی دھڑکنوں میں آنے والی طغیانی کو پوشیدہ نہیں رکھ سکا۔ اُس کے اختیار میں ہوتا تو شاید وہ آرتھر کو گولی مار دیتی۔ جس جج نے میرے جسمانی ریمانڈ کی درخواست پر اپنے حکم نامے کے ساتھ دستخط کئے تھے،

اُس کا خون پی جاتی، اُس فائل کے پرزے پرزے کر کے ہوا میں بکھیر دیتی جس کی بنیاد پر اخباروں نے میرے اُوپر گندگی اُچھالی تھی۔ لیکن جذبات کا وہ طوفان مغربی تہذیب کے پروردہ دلوں اور ذہنوں میں جس شدت سے سر اُبھارتا ہے اس سے زیادہ سرعت سے سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے، وہ نظم ونسق کے معاملے میں بڑے مہذب ہوتے ہیں، ایک پل میں بھڑکتے ہیں دوسرے پل کے دُور رس نتائج کے پیش نظر ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ ہندوستان یا دوسرے ممالک میں جہاں ناخواندگی کا تناسب زیادہ ہوتا ہے انتقام کی آگ نسل در نسل سرد نہیں ہوتی۔ لاتعداد زندگیاں اس آگ میں جل کر راکھ ہو جاتی ہیں، معصوم پھول جیسے بچے بھی جھلس کر ابدی نیند کی آغوش میں سو جاتے ہیں۔ ان ہی حالات سے فائدہ اُٹھا کر انہیں ''دہشت گرد'' قرار دیا جاتا ہے۔

جین ڈبڈبائی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ میں میز کی ایک طرف تھا، دوسری جانب ولیم، جین اور جم برابر برابر بیٹھے تھے۔ جم کسی گہری سوچ میں غرق تھا، میں اُس کا محسن تھا، وہ ضرور میری گتھی سلجھانے کی خاطر ذہنی گھوڑے دوڑا رہا ہوگا۔ ولیم کے چہرے کے تاثرات ذرا مختلف تھے۔ میری اُس کی محض دو ملاقاتیں ہوئی تھیں مگر میری باتوں نے اُسے میرا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اُس کے دل میں جین کی محبت کے جراثیم پہلے سے موجود تھے، وہ اپنے ماضی سے خوفزدہ تھا یا پھر ستاروں پر کمند پھینک کر ناکامی کے خیال سے ڈرتا تھا جو اُس نے انکشاف نہیں کیا تھا، ممکن ہے جم کی زبانی میرا اور جین کا ذکر سن کر اُس نے اپنے جذبات پر قابو پا لیا ہو لیکن میں نے جین اور اُس کی وابستگی کا ذکر چھیڑا تو اُس کی آنکھوں میں اُبھرنے والی چمک دیدنی تھی۔ میں جانتا تھا وہ میرا بے دام غلام بن گیا تھا، میری خاطر ہر قربانی پیش کر سکتا تھا، اس وقت وہ خاموش تھا لیکن اُس کی آنکھیں مجھ سے مخاطب تھیں، میں اُن کی آواز سن رہا تھا۔

''مسٹر دولت علی۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم نے جین کو میری جھولی میں ڈال کر مجھے خرید لیا ہے۔ میری حیثیت جین اور جم کے مقابلے میں بڑی کمتر سہی مگر تم ایک بار مجھے آزما کر تو دیکھو، مجھے حکم دو، میں تمہارا سارا جرم اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔ اقرارِ جرم کے بعد اندھا قانون اس کے پس منظر میں جھانک کر اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرتا، اقرارِ جرم کی پاداش میں سزا سنا کر فائل بند کر دیتا ہے۔ تم نے میری دیرینہ خواہش کا احترام کیا، میری محبت کو

تسکین پہنچائی۔ میں اسی روز تمہارے ہاتھوں فروخت ہو گیا تھا جب تم نے میرا اسٹیٹس (STATUS) بڑھا کر جین کے برابر کھڑا کرنے کا سہانا خواب دکھایا تھا۔ مجھے بھی اپنی خدمت کا ایک موقع دو، محبت کا جذبہ تمام طبقاتی، نسلی اور علاقائی جذبوں اور مصلحتوں سے بلند ہوتا ہے۔ آزما کر دیکھو تو سہی، میں سفید فام نسل کا نمائندہ ہونے کے باوجود بے مروتی سے آنکھیں نہیں پھیروں گا، آزمائش صداقت کی کسوٹی ہے اور صداقت تمام خوبیوں سے بلند ہوتی ہے۔''

''صبر سے کام لو ولیم، میرے عزیز.....'' میں نے اُسے پلکوں کی ایک ہلکی جنبش کی زبانی پیغام دیا۔ ''وقت کا انتظار کرو، تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو۔ ابھی تو کھیل کی شروعات ہوئی ہے۔''

ہمیں علیحدہ کمرے میں آئے دس منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے تھے لیکن دس منٹ کا مکمل سکوت..... ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے صدیاں بیت گئی ہوں، جیسے ہم نے کسی غرق ہوتے ہوئے جہاز سے ایک لائف بوٹ حاصل کر کے سمندر کی بپھری ہوئی موجوں میں چھلانگ لگا دی تھی اور اب لائف بوٹ میں بیٹھے سوچ رہے تھے کہ کس سمت جانا ہے؟ کنارہ ملے گا بھی یا نہیں؟

جین زیادہ برداشت نہ کر سکی تو ایک دم سے پھٹ پڑی۔

''دولت علی۔ کہہ دو کہ سب کچھ جھوٹ ہے۔ میں نے جو سنا وہ غلط ہے، جو کچھ میری نظروں نے دیکھا وہ ایک خواب تھا، مہمل اور بیہودہ خواب، جس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔''

''میرے کچھ کہنے نہ کہنے سے اب کیا فرق پڑے گا؟'' میں نے جان بوجھ کر دل گرفتہ لہجہ اختیار کیا۔ میں جم کے ان متوقع سوالات سے دامن بچانا چاہتا تھا جو اُس کے ذہن میں مارٹینا کے پراسرار قتل کے بارے میں کلبلا رہے ہوں گے۔ جیکب کو شناخت کر لینے کے بعد اُس کے جسم سے گوشت غائب ہوتا دیکھ کر اُس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہوں گی، قانون کی تحویل میں صرف ہڈیوں کا ایک پنجر تھا جس کی ہتھکڑیاں خود ہی ڈھیلی پڑ کر اُتر چکی ہوں گی۔

سارا، جم یا جین، کسی کے علم میں نہیں تھا کہ انکارانی کون ہے؟ کن حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے؟ کیسی کیسی شرارتیں اُس کے ننھے وجود میں چھپی ہیں؟ وہ کیسے کیسے ناقابل یقین

کارنامے انجام دے سکتی ہے؟ شعبدے اور بازی گری میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتی، اُس کے پنجوں کی تیز چبھن کسی نشتر سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ فکشن، ہولناک، پراسرار اور ناقابل یقین کہانیوں کے موضوع پر لکھنے والوں کے ذہن انکارانی کی قوتوں کے خزانے کی گرد بھی نہیں چھو سکتے، 'مما ڈگی' سے کام چلانا اور بات ہے۔ مصر کے اسرار، ہزاروں سال پرانی ممیز (MUMMIES) کی دریافت، ان سے منسوب داستانیں، طلسم ہوش ربا، سب اپنی اپنی جگہ لیکن ''انکارانی''..... بالشت بھر کی وہ فتنہ جس نے خود اپنی مرضی سے میرے سر کا انتخاب کیا تھا، ایسی ایسی لازوال اور ہولناک قوتوں کی مالک تھی کہ ذہن کی رسائی بھی اُس کی ''ابتداء'' کو نہیں پہنچ سکتی۔ رام دیال کی ماں نے پنڈت پجاریوں کے مشورے کے بعد مجھے انکا کو قبضے میں کرنے کی ترغیب دی تھی۔ راتوں رات کھرب پتی بن جانے کے سہانے خواب دکھائے تھے، میں نے بیک جنبش زبان کوئی جنتر منتر پڑھنے سے انکار کر دیا۔ شاید میں نے بھی اگر ''انکارانی'' کو دیوی دیوتاؤں کا جاپ کرنے کے بعد حاصل کیا ہوتا تو میں بھی اُس کی لامحدود قوتوں کا بھید کبھی نہ پا سکتا.....

میرا اور انکا کا ساتھ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصے پر محیط ہے۔ اس عرصے میں بھی میں اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکا، جن لوگوں نے ''انکا'' کا مطالعہ کیا ہے وہ گواہ ہیں کہ جب پولیس کو شلیا کے قتل کے سلسلے میں چھان بین کر رہی تھی اُس وقت انکا نے میری ایک درخواست کے جواب میں بڑے شوخ انداز میں مسکرا کر کہا تھا..... ''اپنی انکا کے بارے میں تم بھی ابھی کچھ نہیں جانتے..... مجھے یہ شکایت ہی رہی ہے کہ کسی نے مجھ سے وہ کام ہی نہیں لیا جو میں اپنی حدود میں رہ کر بھی انجام دے سکتی ہوں..... سچی بات یہ ہے کہ میں جو کچھ کسی شخص کے لئے کر سکتی ہوں، وہ کسی کے ذہن میں ہی نہیں آ سکتا..... میں ذہنوں کو پلٹ دیتی ہوں لیکن اس کے لئے میری وہاں موجودگی ضروری ہے۔''..... جب تربینی، انکا رانی کو حاصل کرنے کی خاطر ایک ویرانے میں منڈل میں بیٹھا جاپ کر رہا تھا اُس وقت بھی انکا نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ ''جمیل، میں تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں، تم نے آج مجھے دل سے پکارا ہے..... سنو، دنیا کی تمام شیطانی طاقتیں اگر مل کر بھی مجھے پریشان کرنا چاہیں تو میں تنہا اُن کا مقابلہ کر سکتی ہوں۔ لیکن ایک طاقت ایسی ہے جس کے آگے میرا کوئی زور نہیں چل سکتا۔'' ..... میرے وضاحت طلب کرنے پر اُس نے بتایا تھا کہ جو شخص ایک

ایک دن مخصوص جاپ مکمل کرنے کے بعد اُسے حاصل کر لے، انکا کا اُس کے سامنے بس نہیں چلتا تھا، وہ اُس پنڈت یا پجاری کے ہر حکم کی تابع ہوتی ہے، اُس کی کسی بات سے انکار نہیں کر سکتی تھی اور.....

میں ''انکارانی'' کی لازوال، پراسرار اور ناقابل یقین قوتوں کی وضاحتوں میں اُلجھ گیا۔ آپ انکا کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں، وہ صرف میری ہی نہیں، آپ کی بھی محبوبۂ دلنواز ہے...

میں جین کی بات کر رہا تھا جو آرتھر کے مقابلے میں زیادہ بڑے عہدے پر فائز تھی لیکن قانون کے سامنے سر نہیں اُٹھا سکتی تھی، ایک ذمہ دار آفیسر تھی، محبت اور ذمہ داری کے احساس کے درمیان پھنس کر بڑی بے بس اور پریشان نظر آ رہی تھی، میرے جواب نے اُسے اور اُلجھا دیا۔

''یہ تم کیسی مایوسی کی بات کر رہے ہو؟'' اُس نے مجھے عجیب نظروں سے گھورا۔ ''میں تمہاری اس کیفیت کو کیا نام دُوں؟''

''ان باتوں سے کیا حاصل ہوگا؟'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''آرتھر نے جو کیس تیار کیا ہے اس میں کوئی لچک، کوئی سقم، کوئی جھول ہوتا تو جج اُسے میرا جسمانی ریمانڈ کیوں دیتا؟''

''اب کیا ہوگا.....؟'' ولیم نے پہلی بار کسمسا کر زبان کھولی۔ ''کیا آپ اپنے کیس کا دفاع نہیں کریں گے؟ میں آپ کی طرف سے اچھے سے اچھا وکیل کھڑا کر سکتا ہوں، آپ پریشان نہ ہوں۔'' ولیم کے لہجے میں پیار تھا، خلوص تھا، اپنائیت تھی۔ میں نے شکریہ نہیں ادا کیا، اُس کے جذبے کی سچائی پر مسکرا دیا۔ اس مسکراہٹ میں کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں تھی۔

''آرتھر سے تمہاری کوئی پرانی دشمنی تو نہیں تھی.....؟'' جین نے ایک امکانی بات کہی۔

''نہیں.....'' میرا جواب بڑا مختصر تھا۔

''پھر تمہارے خلاف چوری کا کیس کیوں بنایا گیا؟'' وہ پھر جھلا گئی۔ ''میرا دل نہیں مانتا، کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جو تم مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ مجھے بتاؤ دولت علی۔ وہ کیا بات ہے جس نے تمہیں آرتھر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے؟ تم مجھے آج سے پیشتر کبھی اتنے بے بس نہیں نظر آئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب تم نے سلیمان بے کے سینکڑوں آدمیوں کی موجودگی میں.....''

''پرانی باتوں کا ذکر مت کرو جین۔'' میں نے جم کو سنانے کی خاطر کسمسا کر کہا۔

''حالات ہمیشہ یکساں، ایک جیسے نہیں رہتے۔ وقت کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔''

''تم مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو..... جین کو؟'' اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''کل شام میں نے تم سے فون پر بات کی تو تمہارے لہجے میں اعتماد تھا، ایک رات کے اندر اتنی بڑی تبدیلی رُونما ہو سکتی ہے، میں نہیں مان سکتی دولت علی۔''

جم جو خاموش بیٹھا اپنی عقابی نظروں سے میرا ایکسرے (X-RAY) کر رہا تھا، اچانک اُٹھ کر باہر چلا گیا۔ شاید وہ میری کیس فائل کا مطالعہ کرنے گیا تھا۔

''سنو دولت علی۔'' جین نے بڑے پیار سے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''تم ہمیں واقعات کی نوعیت اور اصلیت سے آگاہ نہیں کرو گے تو ہم تمہاری مدد کس طرح کریں گے؟''

''میں جو کچھ کہوں گا تم اعتبار نہیں کرو گی۔'' میں ہونٹ کاٹنے لگا۔ ولیم کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

''تم نے قبل از وقت یہ فیصلہ کیوں کر لیا؟'' جین تلملا کر بولی۔ ''تم کہہ کر تو دیکھو.....''

''پولیس آفیسر نے میرے رُوم سے جو سفری بیگ برآمد کیا، وہ میرا نہیں تھا۔'' میں نے سنبھل کر کہا۔ جم کے چلے جانے کے بعد میں نے جین کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''پھر؟.....'' جین نے جذباتی انداز میں دریافت کیا۔ ''وہ کس کا بیگ تھا.....؟''

''یہ مجھے نہیں معلوم۔'' میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تمہارے رُوم میں کس طرح آ گیا؟'' جین نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ اُس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی اُلجھنے لگتا۔

''رُوم ہوسٹس میلبا لائی تھی۔'' میں نے بات جاری رکھی۔ انکارانی کے تذکرے اور خرچ ہو جانے والی رقم کو درمیان سے نکال کر ساری تفصیل بیان کر دی، جین کے چہرے پر غصے اور حیرت کے ملے جلے تاثرات اُبھر آئے۔ اُس نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورا۔

''کیا تم نے لوئیس آرتھر کو یہ تفصیل بتائی تھی؟''

''نہیں.....'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''میں نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی۔''

''کیوں.....؟''

''ہر ملزم قانون کے پھندے میں آنے کے بعد کوئی نہ کوئی فرضی کہانی اپنے بچاؤ کی

خاطر ضرور سناتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آرتھر میری بات پر یقین نہ کرتا.....''

''آپ نے دُور اندیشی کا ثبوت نہیں دیا میرے محترم۔'' ولیم دبی زبان میں بولا۔ ''آپ کا بیان ریکارڈ پر آ جاتا تو ہمارا وکیل یہ موقف اختیار کر سکتا تھا کہ کسی نے آپ کو بلاوجہ پھانسنے کی خاطر ایک منظم ڈرامہ اسٹیج کیا ہے۔''

''میری بات غور سے سنو جین۔'' میں نے ولیم کی بات کا جواب دینے کی بجائے جین کو رازداری سے مخاطب کیا۔ ''میں نے اس وقت تم سے جو بات کی ہے تم اس کا تذکرہ کسی اور سے نہیں کرو گی..... جم سے بھی نہیں۔''

''لیکن کیس فائل.....؟''

''جم کے آنے سے پہلے مجھے اپنی بات مکمل کر لینے دو۔'' میں نے جین کی بات اچکتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ ''میں جم پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ میری روحانی قوتیں چھن چکی ہیں، تمہارے علاوہ کچھ اور لوگ بھی مارٹینا کے مرڈر کیس کو تاریکی میں رکھنا چاہتے ہیں، میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، مارٹینا کے نام کے ساتھ کچھ اور نام بھی روشنی میں آ جائیں گے جسے میں پسند نہیں کرتا۔''

جین اور ولیم دونوں ہی میری بات سن کر اپنی اپنی نشست پر کسمسانے لگے، مجھے مزید وضاحت کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ جم دروازہ کھولتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے چہرے پر بڑی گمبھیر سنجیدگی مسلط تھی۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ وہ میری کیس فائل کا مطالعہ کر کے واپس آیا تھا۔ ممکن ہے آرتھر کے ساتھ تبادلۂ خیالات بھی کیا ہو، میں دوبارہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ جین اور ولیم دونوں کی نظریں میرے چہرے پر جمی تھیں، میرے آخری جملوں نے دونوں کو چونکا دیا، مارٹینا کے حوالے پر دونوں ہی اپنے اپنے خول میں سمٹ گئے۔

''آرتھر سے کوئی بات ہوئی؟'' جین نے دبی زبان میں جم سے دریافت کیا۔

''دولت علی۔'' جم نے اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے براہِ راست مجھے مخاطب کیا۔ ''حقیقت کیا ہے یہ تم ہی بتا سکتے ہو۔ لیکن خود آرتھر کا خیال ہے کہ تم جان بوجھ کر کیس کو اُلجھانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''اُس نے کوئی وجہ بھی ضرور بتائی ہو گی۔'' میں نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔

''ہاں.....'' جم نے میری بے رُخی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر اُس سفری بیگ سے

تمہارا کوئی تعلق نہیں تھا تو تمہیں اُسی وقت واپس کر دینا چاہئے تھا جب میلبا اسے تمہارے پاس لائی تھی۔"

میں نے جواب نہیں دیا، خاموش رہا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ جم اور آرتھر کے درمیان اور کیا گفتگو ہوئی تھی؟

"آرتھر کا کہنا ہے کہ اس بیگ میں دس دس ہزار پاؤنڈ کی دس گڈیاں تھیں۔ ایک لاکھ پاؤنڈ کی وہ رقم دو روز پہلے ایک مقامی بینک سے نکلوائی گئی تھی۔" جم نے میرے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "آرتھر کو ہوٹل کے ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم کل شام کچھ دیر کے لئے باہر گئے تھے اور....." جم جان بوجھ کر تھوڑے توقف سے بولا۔ "ایک لاکھ کی رقم میں سے آٹھ سو پاؤنڈ کم ملے ہیں۔ ساری کاغذی کارروائی تمہاری اور گواہوں کی موجودگی میں ہوئی۔ تم نے اس بیگ کو اپنی ملکیت قرار دیا تھا؟ کیا یہ درست ہے؟"

"جم۔" میں نے پینترا بدلا۔ "کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ تم کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"میں صرف حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔" جم نے اپنے جملے پر زور دے کر کہا۔ "مجھے غلط سمجھنے کی کوشش مت کرو۔ ہم سب تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب تم ہمارے ساتھ تعاون کرو۔"

"اب وقت گزر چکا۔" میں نے رُوکھائی سے جواب دیا۔ "تمہارے یا میرے کہنے سے نہ آرتھر اپنی رپورٹ تبدیل کرے گا نہ جج اپنے احکامات میں ردّ و بدل کرنے پر آمادہ ہو گا۔ بات اب عدالت میں ہی ختم ہو گی۔"

"میں تمہارے خیال سے متفق ہوں۔ لیکن اگر تفتیشی افسر کے رویئے میں لچک پیدا ہو جائے تو کیس کی نوعیت بدل بھی سکتی ہے۔"

"سوری جم۔" میں نے اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔ "میں آرتھر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر تیار نہیں ہوں۔"

"کیا تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ سارے کاغذی ثبوت اور گواہوں کے بیانات تمہارے خلاف ہیں؟" جم نے مجھے انجام سے ڈرانا چاہا۔ "میں تمہاری کیس فائل پڑھ کر آ رہا ہوں۔ تم نے ہوٹل میں آرتھر سے جو تلخ گفتگو کی اس نے اُسے اور بھڑکا دیا۔ اُس نے

تمہارے لئے جو قانونی شکنجہ تیار کیا ہے وہ بے حد مضبوط ہے۔"

"کل کیا ہو گا یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔" جم کے جملوں نے مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں بھڑک اُٹھا۔ "تم لوگوں نے یہاں آ کر دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔" میں نے چبھتا ہوا انداز اختیار کیا۔ "میرے کیس میں تمہاری مداخلت نسلی امتیاز کے ماتھے پر شکنیں بھی ڈال سکتی ہے۔ میں نے اسی وجہ سے جان بوجھ کر تمہارے نام درمیان میں لانے کی غلطی نہیں کی تھی۔"

"تم..... دولت علی تم" جین نے بڑے جذباتی انداز میں شکوہ کیا۔ "تم ہمیں غیر سمجھ رہے ہو.....؟"

"ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔" ولیم کسمسانے لگا۔

"میرا مشورہ مان لو دولت علی۔" جم نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "قانونی پیچیدگیوں کی گتھی سلجھانے کے لئے جوش سے نہیں، ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم نے آرتھر کے لئے ہوٹل کے عملے کی موجودگی میں جو سخت نازیبا الفاظ اور جملے استعمال کئے اُسے اس کا دُکھ ضرور ہے، لیکن میں تمہارے لئے اُس پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر سکتا ہوں۔"

"فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے خلاء میں گھورتے ہوئے مضمحل لہجے میں جواب دیا۔ "درمیان میں کچھ ایسی رُکاوٹیں آ گئی ہیں کہ وقتی طور پر ماورائی قوتیں مجھ سے رُوٹھ گئی ہیں۔ یہ تعطل زیادہ عرصہ نہیں رہے گا، میری طاقت بحال ہو لینے دو، پھر میں آرتھر کو بتاؤں گا کہ مضبوط شکنجے کیا ہوتے ہیں۔"

"کیا میں تمہارے بیان پر اعتماد کر لوں؟" جم نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ بڑا گھاگ آفیسر تھا، میرے فریب کے جال میں فوراً نہیں پھنسا۔

"تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔" میں نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔ "میں اس وقت پولیس کی تحویل میں ہوں اور تم....."

"حماقت کی باتوں سے گریز کرو۔" وہ میرے جواب میں چھپے طنز کو محسوس کر کے جھلا گیا۔ "میں کسی اور بات پر غور کر رہا تھا۔"

"وہ بھی کہہ ڈالو جم۔" میں نے اُسے ٹٹولنے کی خاطر مایوسی کا حربہ استعمال کیا۔ "کوئی حسرت دل میں باقی نہ رہ جائے۔"

''تم کہہ رہے ہو کہ تمہاری قوتیں چھن گئی ہیں جبکہ آرتھر کا بیان کچھ اور ہے۔''

''اوہ.....'' میں مسکرا دیا، جم کی بات نے مجھے معاملے کی تہہ تک پہنچا دیا۔ میں نے بڑی خوبصورتی سے بات نبھانے کی کوشش کی۔ ''آرتھر نے تم سے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں ہے۔ اس ضدی آفیسر نے میری درخواست کے باوجود مجھے ہتھکڑی پہنائی تھی۔ میں نے اُسے کھلی ہوئی ہتھکڑی واپس کر کے حیران کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں اس مغرور آفیسر کا سارا گھمنڈ توڑ دُوں گا، وہ مجھے عزت کے ساتھ واپس ہوٹل چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا، میں نوٹوں کے نمبر تبدیل کر دیتا آرتھر کو پسینے آ جاتے، جان چھڑانی مشکل ہو جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ پولیس اسٹیشن پہنچنے کے بعد ہی مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ میری قوتیں سلب ہو چکی ہیں۔ شاید میں نے کسی عمل میں جلد بازی سے کام لے کر بازی ہار دی مگر میں مایوس نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں زیادہ عرصہ بے بسی کا شکار نہیں رہوں گا۔''

جم میری حیرت انگیز صلاحیتوں کا معترف تھا، میں جرمن سائنسدان کے اغواء میں اُس کی مدد نہ کرتا تو عہدے میں ترقی ہونے کی بجائے اُس کی کارکردگی پر حرف آ جاتا، برلن میں اس وقت جین میرے ہمراہ ہوٹل میں موجود تھی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس کی وحشتوں میں اضافہ ہو رہا تھا، ایک وقت ایسا بھی آیا جب اُس نے ہاتھوں میں دبا ہوا پستول میرے اُوپر تان لیا۔ اگر بروقت جم نے اُسے فون پر اپنی کامیابی اور میری حیرت انگیز قوتوں کے اعتراف کا مژدہ نہ سنایا ہوتا تو وہ مجھے گولی مارنے سے بھی گریز نہ کرتی۔ جم اور جین دونوں میری طاقت کے کرشمے دیکھ چکے تھے۔ سارا تو میرے نام کا کلمہ پڑھنے لگی تھی۔ ماضی کی وہ ناقابل یقین باتیں اتنی جلدی جم کے ذہن سے دُھندلا نہیں سکتی تھیں۔

''میں مانے لیتا ہوں کہ تم جو کہہ رہے ہو وہ حرف بحرف درست ہے۔'' جم نے بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔ ''لیکن اگر تمہاری قوتیں.....''

''ہاں، میری توقعات غلط بھی ہو سکتی ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے جم کی بات کاٹ کر کہا۔ ''بہت کچھ ممکن ہے۔ میں نے غیب کے حالات بتانے کا دعویٰ بھی کبھی نہیں کیا، جیتی ہوئی بازی مات بھی ہو سکتی ہے مگر میں ایک مفروضے کے سبب اتنی جلدی شکست تسلیم نہیں کروں گا، دو پہلوان اکھاڑے میں اُترتے ہیں تو ایک کی جیت دوسرے کی ہار ہوتی ہے۔ تم بھی وقت کا انتظار کرو..... میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہارے یا جین کے نام پر کوئی

حرف آئے۔''

جم مخمصے میں پڑ گیا۔ ولیم نے غالباً میری مصلحتوں کو سمجھ کر خاموشی اختیار رکھی، جین بڑی جذباتی لڑکی تھی، کئی موقعوں پر اُس نے اپنے جذباتی عمل سے مجھے بھی ششدر کر دیا تھا، اس وقت بھی وہ چپ نہ رہ سکی۔

''دولت علی۔'' اُس نے پہلو بدل کر فیصلہ کن انداز میں پوچھا۔ ''تم نے اپنے کیس کے دفاع کے لئے کیا سوچا ہے؟''

''ریمانڈ کی مدت ختم ہو لینے دو، آرتھر کو قانونی شکنجوں کو اور مضبوط کرنے کے موقع سے محروم نہ کرو۔ اُسے اپنی صلاحیتیں آزمانے کا اختیار حاصل رہنا چاہئے۔'' میں نے بے پروائی سے مسکرا کر جین کو مطمئن کرنا چاہا۔ ''کیس کو عدالت میں پہنچنے دو، جج اور جیوری کو میدان میں آنے دو، پھر چھینا جھپٹی میں زیادہ لطف آئے گا۔''

''میں تمہارے اس خیال سے صد فیصد متفق ہوں کہ اگر ہم نے اپنی موجودہ حیثیت میں تمہاری حمایت کی تو ہم پر غداری کا الزام بھی عائد ہو سکتا ہے۔ ہم حکومتی عتاب کا نشانہ بھی بن سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہمیں ملازمت سے برطرف کر دیا جائے، ساری مراعات واپس لے لی جائیں..... اور بھی بہت سارے امکانات ہیں۔'' جین بڑی سنجیدگی سے ایک ایک لفظ پر زور دے کر جملے مکمل کرتی رہی۔

''مجھے خوشی ہے کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آ گئی۔'' میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

''تم نے اپنے بارے میں ایک فیصلہ کر لیا، اب میرا فیصلہ بھی سن لو۔'' اُس نے مٹھیاں بھینچ کر بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ ''میں کل ملازمت سے استعفیٰ دے دُوں گی۔ تمہارے ہندوستان جانے کے بعد جم کے مشورے پر میں نے قانون کی ڈگری حاصل کر لی تھی..... اب میں تمہارا کیس اپنے لئے ایک چیلنج سمجھ کر لڑوں گی۔''

میں سٹپٹا گیا۔ وہ سرپھری لڑکی جو میری تلاش کی خاطر تنہا ہندوستان میں دربدر ہوتی رہی، کچھ بھی کر سکتی تھی۔ میں اُس کے حوصلوں اور قوتِ برداشت کا گواہ ہوں، وہ جم کی پرستار تھی، جم سارا کی زلفوں میں اُلجھا تو اُسے ٹوٹ کر بکھر جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اُس نے بڑی جرأت مندی سے خود کو سنبھالا، سارا سے کوئی شکوہ کوئی شکایت نہیں کی، جم کے شانہ بشانہ ایک ہی دفتر میں کام کرتی رہی، جم کا سہارا چھوٹ جانے کے بعد اُس نے

میرے اوپر تکیہ کیا، میں بھی جھوٹے دلاسے اور وعدے کر کے ہندوستان چلا گیا تو وہ پھر بے سہارا ہو گئی۔ اُس کی جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو شاید زندگی سے منہ موڑ لیتی لیکن جین نے ہمت نہیں ہاری، زندگی کی شاہراہ پر ثابت قدمی سے آگے بڑھتی رہی۔ وقت زیادہ گزر گیا، اُس کے انتظار کی آس ٹوٹنے لگی تو وہ میری تلاش میں نکل پڑی۔ اُس کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔ مجھے موت کے منہ سے نکال کر، اپنی بانہوں میں سمیٹ کر دوبارہ لندن گھسیٹ لائی۔ وہ بڑی حوصلہ مند اور بڑی باہمت اور ٹھوس ارادوں کی مالک تھی، کچھ بھی کر گزرنے کی طاقت رکھتی تھی۔ میں ایک لمحہ کو ڈگمگا گیا، اُس کے چہرے پر مچلتے عزم کی پختگی نے مجھے ڈرا دیا، میں اُسے ولیم کے ساتھ وابستہ کر کے خوشگوار مستقبل سونپ کر واپسی کے بارے میں غور کر رہا تھا، وہ میری خاطر ملازمت چھوڑنے کی بات کر رہی تھی۔

اس موقع پر انکا رانی موجود ہوتی تو جین کے سارے فیصلے دھرے کے دھرے رہ جاتے۔ میں اشارہ کرتا، انکا جین کے سر پر چلی جاتی، اُس کے پنجوں کی تیز چبھن کے سامنے جین بے بس ہو جاتی۔ ہوتا وہی جو انکا چاہتی، وہ ذہنوں کو پلٹ دینے کی حیرت انگیز قوتوں کی مالک تھی لیکن اس کے لئے اُس کی موجودگی شرط تھی۔

''اب کیا سوچ رہے ہو دولت علی؟'' جین نے مجھے خیالات میں مستغرق پا کر بڑی اپنائیت سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں میری صلاحیتوں پر اعتماد نہیں ہے؟ ایک بار آزمائش کا موقع دو، میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی، آرتھر کو دانتوں پسینہ نہ آ جائے تو نام بدل دینا۔''

''ایک آسان راستہ اور بھی ہے میرے پاس۔'' میں نے لوہے کو لوہے سے کاٹنے کی ٹھان لی۔

''وہ کیا.....؟'' جین کی نظروں میں اُمید کی کرنیں جھلملانے لگیں۔

''میں عدالت میں پہلی ہی پیشی پر اعترافِ جرم کر لوں۔'' میں نے تلملا کر جواب دیا۔

''تم سب کی پریشانیاں دُور ہو جائیں گی۔''

''تم ایسا نہیں کرو گے دولت علی.....'' جم نے تیزی سے کہا۔ وہ میری بات سن کر بوکھلا گیا تھا۔''

''دولت علی۔'' جین نے مجھے وحشت بھری نظروں سے گھورا۔ ''جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ اقرارِ جرم کر لینے کے بعد تمہارے اُوپر واپسی کے تمام راستے بند ہو جائیں گے۔

ہماری کوئی کوشش تمہارے حق میں کارگر نہیں ہو گی، عدالت تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرے گی۔ تیر کمان سے نکل جائے تو واپسی ممکن نہیں ہوتی۔ تم جان بوجھ کر اندھے کنویں میں چھلانگ لگانے کی بات کیوں کر رہے ہو؟ نہیں دولت علی۔ تم ایسی کوئی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا، سن رہے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

''نہیں..... مجھے کچھ نہیں سنائی دے رہا۔'' میں ڈپریشن میں مبتلا کسی ذہنی مریض کی طرح چیختا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں بہرا ہو گیا ہوں، پاگل ہو گیا ہوں، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

میری کوشش رائیگاں نہیں گئی، چیخ کی آواز سن کر دروازے پر مسلط مسلح سپاہی رائفل تانے اندر آ گیا۔ جم نے موقع کی نزاکت کو بھانپ کر جین کو اُٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سکتے کی کیفیت سے دوچار تھی، کسی روبوٹ کی مانند آہستہ آہستہ اُٹھی، مجھے ویران نظروں سے گھورتی جم کے ساتھ قدم ملاتی باہر چلی گئی۔ ولیم بھی میرے غیر متوقع طرزِ عمل پر ہکا بکا رہ گیا۔ میں نے نظریں اُٹھا کر اُس کی جانب دیکھا، آنکھوں کی زبانی ایک خاموش پیغام دیا۔

''جین کا خیال رکھنا ولیم۔ اس وقت اُسے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔''

ولیم ششدر رہ گیا۔ اُس نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن مسلح سنتری درمیان میں حائل ہو گیا۔ میں ہونٹ کاٹتا لاک اپ کی سمت قدم بڑھانے لگا.....!

پانچ روز گزر گئے۔

جم اور جین کے آنے سے ایک فرق ضرور پڑا۔ آرتھر نے ان دھمکیوں پر عمل سے گریز کیا جس کا وہ اعلان کر چکا تھا لیکن میں اُس کے تیور دیکھ رہا تھا، اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ میرے خلاف کسی عیار دشمن کی طرح اندر ہی اندر بارودی سرنگیں بچھانے سے غافل بھی نہیں ہوا۔ مجھے دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں شیطانی مسکراہٹ اُبھر آتی۔ وہ مجھے باور کرانا چاہتا تھا کہ میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ رہوں، اُس نے صرف اپنا ہاتھ روک لیا ہے، زبان بند کر رکھی ہے لیکن اُس کا قلم فائل میں میرے خلاف زہر جمع کر رہا تھا۔

ہماری نگاہیں جب بھی چار ہوتیں، اُس کی آنکھوں میں نفرت اور حقارت کی چنگاریاں چٹخنے لگتیں۔ میں لاپرواہی سے مسکرا کر جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام انجام دیتا رہا۔ پانچ دنوں میں آرتھر نے متعدد بار مجھے اپنے کمرے میں طلب کیا، وہ میرے ماضی کو کریدنے کی خاطر اُلٹے سیدھے، پیچیدہ، بے ہنگم اور بیہودہ سوالات کرتا، مجھے اُکسانے کی کوشش کرتا، اُس کے ماتحت مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے رہتے۔ میں نے اُن پر کوئی توجہ نہیں دی، کیچڑ میں رینگنے والے حقیر کیڑے سمجھ کر معاف کر دیتا۔ میرا اُن کا کوئی مقابلہ بھی نہیں تھا، وہ راستے کے پتھر تھے، میں جب چاہتا اُنہیں ٹھوکر مار کر علیحدہ کر دیتا۔ البتہ میں نے آرتھر کو سزا دینے کی ٹھان رکھی تھی۔ کیس عدالت کے رُوبرو جانے سے پہلے میں اس مردود کو اپنے خلاف کوئی اور موقع نہیں فراہم کرنا چاہتا تھا۔

پانچ دنوں میں صرف ولیم دو بار ملنے آیا، جم اور جین نہیں آئے۔ اُنہوں نے سمجھ لیا تھا کہ میں ان کی بات نہیں مانوں گا، مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں میرے بچاؤ کی خاطر ضرور ہاتھ پیر چلا رہے ہوں گے۔ ولیم نے میرے کریدنے پر اس بات کا اقرار کیا کہ جین کا التفات اُس کی طرف بڑھتا جا رہا ہے، مجھے خوشی ہوئی۔ میرے استفسار پر اُس نے دبی

زبان میں یہ بھی انکشاف کیا کہ مارٹینا کے وکیل نے ایک بار اُس سے ملاقات کی تھی، ہر چند کہ کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا لیکن ولیم کا خیال تھا کہ وکیل ایک معقول رقم کے عوض مارٹینا کی تمام جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ اُس کے نام ٹرانسفر کرنے پر آمادہ ہو سکتا تھا۔ اُس کی تحویل میں مرحوم لیونارڈ و یا مارٹینا کی تحریر کردہ کوئی ایسی قانونی دستاویز تھی جس کے سامنے آ جانے پر کورٹ کے طویل اور اُکتا دینے والے قانونی تقاضوں کے بغیر ہی کام بن جاتا۔

ولیم کھل کر تفصیل بتانے سے گریز کر رہا تھا، میں اُس کی ہچکچاہٹ کی وجہ تاڑ گیا۔

"تمہیں کتنی رقم درکار ہوگی.....؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"آپ اپنا کیس ختم ہو لینے دیں، پھر دیکھا جائے گا۔"

"میں نے تم سے رقم کے بارے میں پوچھا تھا۔" میرا لہجہ اور گمبھیر ہو گیا۔

"وکیل بہت زیادہ منہ پھاڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔" ولیم نے دبی زبان میں جواب دیا۔ "بات میری بساط سے باہر ہے۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہوگی کہ مارٹینا کے پہلے شوہر کے عزیز رشتہ دار بعد میں کوئی شور وغل نہیں کریں گے؟"

"وکیل کا کہنا ہے ممی نے اس ضمن میں ساری کارروائی پہلے ہی پکی کرا لی تھی۔"

"ٹھیک ہے....." میں نے کہا۔ "تم پہلی فرصت میں وکیل سے مل کر دوٹوک بات کر لو، معاوضے کی فکر مت کرو۔ اس کی ادائیگی میری طرف سے شادی کا پیشگی تحفہ سمجھ کر قبول کر لینا۔ میں بھی نہیں چاہتا کہ بات عدالت تک جائے اور مارٹینا کے کیس کا گند تمہارے اور جین کے مستقبل پر اثر انداز ہو۔"

"آپ نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔" ولیم کسمسا کر بولا۔ "جین کو بعد میں بھی حالات کا علم ضرور ہوگا۔"

"یہ ذمہ داری بھی میں لیتا ہوں۔" میں نے بڑے اعتماد سے یقین دلایا۔ "جین تم سے کبھی تمہارے ماضی یا مارٹینا کے کردار کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کرے گی۔"

ولیم نے میری بات مان لی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔

چھٹے روز میں رات کے کھانے کے بعد سونے کے ارادے سے لیٹا تھا کہ میرے سر پر انکارانی کی آمد کا دھماکا ہوا..... میں نے عالم تصور میں اُس کی طرف دیکھا۔ اس وقت وہ

بڑی غضبناک نظر آرہی تھی، اُس کا گلاب جیسا چہرہ کسی پھٹتے ہوئے آتش فشاں کے دہانے کا منظر پیش کر رہا تھا، اُس کی نرگسی آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے، غصے کی شدت سے اُس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ میں نے انکارانی کو پہلی بار قیامت کے رُوپ میں دیکھا، مجھے اُس کا وہ رُوپ بھی بے حد حسین نظر آیا۔ وہ میری پرستار تھی، میں اُس کا شیدائی تھا، ہمارے درمیان چوتھائی صدی سے زیادہ کی رفاقت تھی، وہ میرے تخیلات میں رچی بسی تھی، میرے دل میں دھڑکتی تھی، میری سانسوں میں گھلی ملی رہتی تھی، میری پلکوں پر شوخیاں کرتی تھی، میں اُس کی ناز برداریاں کرتا، وہ خوشی سے تھرکنے لگتی۔ میرے اور انکارانی کے درمیان ''جسمانی رشتے'' کے علاوہ تمام دوسرے جائز اور ناجائز رشتے قائم تھے۔ وہ کسی پنڈت یا پجاری کے سر پر چلی جاتی تو مجبور ہو جاتی، میری طرف سے آنکھیں پھیر لیتی، اپنے نئے آقا کے حکم پر مجھے ناقابل برداشت حالات سے دوچار کرنے میں ذرا رعایت نہ کرتی..... جب دوبارہ میرے سر پر واپس آتی تو شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرنے لگتی۔ میں اُس کی مجبوریوں سے واقف تھا، وہ میری محبوبہ تھی، میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرے دل کا قرار۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی ضرورت تھے۔ وہ اپنی مرضی سے میرے سر پر آئی تھی، میں نے اُس کے حصول کی خاطر کسی پہاڑی گپھا یا ویران اور سنسان مرگھٹ کے قریب کسی منڈل میں بیٹھ کر جاپ نہیں کیا۔ بڑے بڑے گیانی دھیانی پنڈت اسے حاصل کرنے کی خاطر جان کی بازی لگا چکے تھے، کوئی قسمت سے کامیاب ہو جاتا تو انکا اُس کی غلام بن جاتی، جو ناکام ہو جاتے انکا اُن کے خون کا ایک ایک قطرہ پی جاتی، خون اُس کی غذا تھی، اُس کی کمزوری تھی۔ میں اُس کی نس نس، وہ میری رگ رگ سے واقف تھی۔

''کیا بات ہے جانِ من؟'' میں نے انکارانی کو چھیڑا۔ ''بڑی لال پیلی نظر آرہی ہو۔''

''جمیل۔'' اُس نے مجھے شکایتی نظروں سے گھورا۔ ''یہ سب کیا ہے؟..... کب ہوا؟..... کیسے ممکن ہوا.....؟ تم نے مجھے آواز کیوں نہیں دی؟ کیا مجبوری تھی جو تم نے اپنی قوت کا استعمال بھی نہیں کیا؟'' وہ ایک ہی سانس میں جانے کیا کیا سوال کرتی رہی، میں اُس کی اپنائیت کے جذبوں کو دل ہی دل میں سراہتا رہا۔ وہ خاموش ہوئی تو میں نے اُسے پوری تفصیل سنا دی، اپنی مصلحتوں سے آگاہ کیا۔

''میں نے تم سے خاص طور سے کہا تھا کہ سفری بیگ سے رقم نکال کر اسے واپس کر

دینا۔ تم نے میری بات کا خیال نہیں رکھا.....''

''پہلے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا، اب خوشی ہو رہی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' اُس نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

''مجھ سے کوتاہی سرزد نہ ہوتی تو تمہارا یہ رنگ، یہ رُوپ، یہ چھب، یہ ادا کیسے دیکھتا؟'' میرے لہجے میں شوخی تھی۔

''بہت چہک رہے ہو جمیل صاحب۔'' انکارانی کے تیور بدلنے لگے۔ ''اصل بات کیا ہے؟''

''تمہاری جدائی میں گھل رہا تھا۔'' میرا انداز شاعرانہ ہو گیا۔ ''تمہیں قیامت کے رُوپ میں دیکھا تو باچھیں کھل اُٹھیں۔''

وہ میرا جواب سن کر پہلی رات کی کنواری دُلہن کی طرح شرمانے لگی۔ پھر ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر میرے سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی، ہمارے درمیان کچھ دیر برسوں کے بچھڑے عاشق و معشوق کے گلے شکوے ہوتے رہے، پھر وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''کل تمہیں عدالت کے رُوبرو پیش کیا جائے گا۔ کیا ارادے ہیں؟ کچھ نہ کچھ تو ضرور سوچا ہو گا۔''

''کل آنے دو، جو ہو گا تمہاری موجودگی میں ہو گا۔''

''مجھے تم سے ایک شکایت ہے جمیل۔'' وہ ٹھنک کر بولی۔ ''جب سے تم نے سیّد مجذوب کی لاٹھی حاصل کی ہے، پریتم لال مہاراج نے تمہارے سر پر ہاتھ رکھا ہے، نندا نے اپنی لازوال قوتیں تمہیں سونپی ہیں تم اپنی انکارانی کو خدمت کا موقع نہیں دیتے۔''

''انکارانی.....'' میں سیّد مجذوب کا نام سن کر بے تاب ہو گیا۔ ''میری کراماتی لاٹھی ہوٹل میں رہ گئی۔ اُس کے بغیر.....''

''پریشان مت ہو۔'' انکا نے مسکرا کر کہا۔ ''وہ لاٹھی اور تمہارا دوسرا چھوٹا موٹا سامان جین کے پاس محفوظ ہے۔''

میں نے اطمینان کا سانس لے کر پوچھا۔ ''ولیم کے سلسلے میں تم نے کیا پیش رفت کی؟''

''تمہارے مشورے کے مطابق میں نے ایک شارٹ کٹ تلاش کر لیا ہے، مارٹینا کے وکیل کو جائیداد کی منتقلی کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ میں نے اُسے قابو کر لیا ہے، لالچی آدمی

ہے، بڑی لمبی رقم کا خواب دیکھ رہا ہے۔'' انکا نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔
''اپنے انجام سے بے خبر ہے۔''
''میں تمہیں روکوں گا نہیں۔'' میں نے اُس کے آخری جملے کا مفہوم سمجھ کر جواب دیا۔
''لیکن جلد بازی سے گریز کرنا، میں عدالت کی کارروائی کے بعد زیادہ دن لندن میں نہیں رُکنا چاہتا۔''
''تم نے جین کے بارے میں کچھ دریافت نہیں کیا؟''
''اب کچھ کہنے سننے سے کیا فائدہ؟'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''میں کلدیپ کی آتما کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔ پریتم لال نے بھی یہی کہا تھا۔''
''اسی میں تمہاری بہتری بھی ہے۔'' انکا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا پھر پہلو بدل کر بولی۔ ''جین تمہاری سچی پرستار ہے، یقین کرو جمیل، اُس کا ذہن پلٹنے میں مجھے دانتوں پسینہ آ رہا ہے، بڑے مضبوط اعصاب اور ٹھوس ارادوں کی مالک ہے۔ میں نے اُس کے سلسلے میں زیادہ تیزی نہیں دکھائی۔ لیکن وہ اور ولیم دونوں میری مٹھی میں ہیں۔ سب کچھ اسی طرح ہوگا جیسے تم نے سوچا ہے۔''
میں جین کے مسئلے کو زیادہ نہیں کریدنا چاہتا تھا، کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں۔ انکا رانی میری ہم راز تھی، اُس نے بھی میرے چہرے کے تاثرات پڑھ کر خاموشی اختیار کر لی۔
میں بڑی دیر تک آنکھیں بند کئے جین کے بارے میں سوچتا رہا، لندن میں قیام کے دوران وہی ایک لڑکی مجھے دوسروں سے بڑی مختلف نظر آئی تھی۔ میں چاہتا تو وہ خوشی خوشی میری بانہوں میں سمٹ جاتی، میں کسی بھنورے کی طرح اُس کے مہکتے وجود کا سارا رس پی کر اُڑ جاتا، بات طول نہ پکڑتی، جین کوئی دوسرا سہارا ڈھونڈ لیتی، میں کسی اور ڈگر نکل جاتا۔ لیکن دل میں ایک خلش کانٹا بن کر چبھتی رہتی، وقت نے مجھے اس خلش کے ہاتھوں نادم و شرمسار ہونے سے بچالیا.....!!
دوسری صبح مجھے پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر عدالت لے جایا گیا۔ انکا رانی غصے میں پیچ و تاب کھاتی رہی، کبھی وہ میری طرف دیکھتی اور کبھی ان مسلح افراد کو حقارت سے گھورنے لگتی جو پوری طرح چوکس نظر آ رہے تھے۔ میں سر جھکائے بیٹھا رہا، عدالت کے احاطے میں پولیس اور کمانڈوز کا سخت پہرہ تھا، انکا اُٹھ کر میرے سر پر ٹہلنے لگی۔

''جمیل.....'' اُس نے بڑے خطرناک انداز میں سرگوشی کی۔ ''مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہو رہا۔ تم اجازت دو تو کچھ کھیل تماشے کروں؟ ان انگریزوں کو بھی احساس ہو کہ ہمارے بارے میں ان کی سوچ غلط ہے۔''
''کچھ دیر اور انتظار کر لو، میری خاطر۔ میں تمہیں دل کی حسرتیں نکالنے کا پورا پورا موقع دُوں گا۔''
''جمیل.....'' انکا نے کسی ناراض محبوبہ کی طرح سرد آہ بھر کر کہا۔ ''کیا تم ہمیشہ اسی انداز میں مجھ سے باتیں نہیں کر سکتے؟''
''تم بھی تو موسموں کی طرح رنگ بدلتی ہو۔'' میں نے اُسے پیار بھری نظروں سے گھورا۔ ''تتلی کی طرح ڈال ڈال، پات پات اُڑتی پھرتی ہو۔''
''اب شاید ایسا نہ ہو.....'' اُس نے جواب دیا۔ ''پریتم لال مہاراج کی مہان شکتی کو نیچا دکھانے کے بعد ہی کوئی تمہاری انکا رانی کو چھین سکتا ہے۔ مجھے ہندوستان میں دُور دُور تک کوئی ایسا بلوان پنڈت پجاری نظر نہیں آ رہا۔''
''وقت بڑا بے رحم ہوتا ہے جانِ من۔'' میں نے کہا۔ ''پہلے بھی تم بار بار میرے سر پر آ جاتی رہی ہو، پنڈت و پجاری ہندوستان میں خود رو جھاڑیوں کی طرح اُگتے ہیں۔ جب کہیں اور قدم جمانے کا موقع نہیں ملتا تو کسی مندر کی شرن (پناہ) میں چلے جاتے ہیں۔ تم گواہ ہو کہ کیسے کیسے حرامخوروں نے تمہیں مجھ سے چھین لینے کی کوشش کی، تمہیں اُس وقت اطلاع ہوئی جب وہ منڈل میں بیٹھ کر جاپ منتر شروع کر چکے تھے۔ کون جانے کل پریتم لال سے بھی بڑا پجاری اچانک خم ٹھونک کر مقابلے پر آ جائے۔ اب ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں تمہارے ظلم سہنے کا عادی ہو چکا ہوں۔''
''دل جلانے کی بات کیوں کر رہے ہو؟ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میری کچھ مجبوریاں بھی ہیں۔'' انکا نے بجھے بجھے انداز میں کہا۔
''تمہاری مجبوریاں بھی مجھے تمہاری طرح پیاری ہیں۔''
''سچ جمیل؟'' انکا کا چہرہ گلاب ہو گیا۔ ''ایک بار پھر کہو، مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔''
پولیس کی گاڑی رُکی تو انکا نے پھر کسمسانا شروع کر دیا، باہر سے گاڑی کا دروازہ کھولا

گیا، کمانڈوز نے حفظ ماتقدم کی خاطر گاڑی کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ میں اُن کی احتیاط پر خوش ہوا، وہ مجھ سے خائف نہ ہوتے تو ایک آدمی کی خاطر اتنے حفاظتی انتظامات کیوں کرتے؟ شاید آرتھر ہتھکڑی والا واقعہ بھولا نہیں تھا، اُس کی کسی خفیہ رپورٹ کے پیش نظر پولیس کی ڈیمر ساری نفری موجود تھی۔

میں مسکراتا ہوا گاڑی سے نیچے اُترا۔ قانون کے مطابق میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ہونی چاہئے تھی لیکن آرتھر نے عقلمندی سے کام لیا، مجھے لوہے کے زیور پہنانے کی حماقت نہیں کی۔

''دیکھ رہے ہو جمیل صاحب۔'' انکا نے سرسراتے ہوئے کہا۔ ''ایک تمہاری ذات کی خاطر کتنے ہٹے کٹے نوجوان اسلحہ لئے موجود ہیں۔''

''میں تنہا کب ہوں انکارانی؟ تم بھی تو میرے ساتھ ہو۔''

''تمہیں کسی دشمن کی نظر نہ لگ جائے۔'' وہ چہکنے لگی۔ ''ایسی ہی پیاری پیاری باتیں کیا کرو، مجھے اچھے لگتے ہو۔''

''دولت علی.....'' آرتھر قدم بڑھاتا میرے قریب آ کر مدھم آواز میں بولا۔ ''میں نے مسٹر جم کی وجہ سے تمہیں ہتھکڑی نہیں پہنائی۔ مجھے اُمید ہے کہ تم بھی اپنی حدود سے تجاوز کرنے کی غلطی نہیں کرو گے۔''

''شکریہ مسٹر آرتھر۔'' میں نے زہر خند سے جواب دیا، پھر سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ ''یہ پولیس کے اتنے سارے مسلح افراد، سادہ لباس میں ملبوس کمانڈوز، کیا عدالت کے معائنے کی خاطر چیف جسٹس تو نہیں آ رہے؟''

''اپنے کام سے کام رکھو۔'' وہ میرا طنز برداشت نہ کر سکا تو ہونٹ چبانے لگا۔

''کام تو اب شروع ہوگا میرے دوست۔'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا، پھر عدالت کی عمارت کی سمت قدم اُٹھانے لگا۔

انکا میرے سر پر بار بار پہلو بدل رہی تھی، کئی بار وہ مجھے ایسی نظروں سے دیکھ چکی تھی جس میں بے چینی کا اظہار تھا، گھٹن تھی، میں اُس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ خاموش رہنے کی عادی نہیں تھی۔ میں ایک اشارہ کرتا، وہ ایسے ایسے شوشے چھوڑتی کہ لوگ حیران رہ جاتے، عدالت کا سارا نظام، تمام نظم ونسق درہم برہم ہو جاتا، انگریزوں کی روایتی

انتظامی قابلیت دھری کی دھری رہ جاتی، ایک ہنگامہ کھڑا ہوتا، طوفان آ جاتا۔ مگر میں نے کچھ اور سوچ رکھا تھا اس لئے انکا کو ''کھلی چھٹی'' نہیں دی۔

مجھے عدالت کے باہر زیادہ دیر انتظار کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑی۔ میرا نام بآواز بلند پکارا گیا۔ مسلح سپاہیوں نے اشارہ کیا، میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

''جمیل.....'' انکا پھر کسمسانے لگی۔ اگر ان لوگوں نے تمہارے خلاف زیادہ زبان درازی کی تو میں برداشت نہیں کروں گی۔''

''نہیں.....'' میں نے سنجیدگی سے اُسے سمجھایا۔ ''جب تک میں اشارہ نہ کروں، تم کوئی حرکت نہ کرنا۔''

''مجھے صرف دو منٹ کی اجازت دے دو۔'' انکا کی وحشت دیدنی تھی۔ ''میں آرتھر کی ایسی مٹی پلید کروں گی کہ پورے شہر میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔''

میں نے انکا کو ضبط سے کام لینے کی تاکید کی۔ وہ ٹھنک کر رہ گئی۔ عدالت کے منصف نے ایک نظر بھر کر مجھے دیکھا، پھر کارروائی شروع کرنے کا حکم دیا۔ آرتھر نے نگاہوں نگاہوں میں سرکاری وکیل کو اشارہ کیا، وہ پستہ قد، گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ شکل ہی سے خرانٹ اور گرگ جہاں دیدہ نظر آ رہا تھا، اپنی نشست سے اُٹھنے سے پیشتر اُس نے مجھے حقارت بھری نظروں سے سرتاپا دیکھا۔ سفید فام تھا، مجھ پر نسلی برتری کا رُعب جمانے کی کوشش کر رہا تھا، نفسیاتی ہتھکنڈے اختیار کر رہا تھا۔ انکا ہونٹ چبانے لگی، میں خاموش رہا۔

وکیل سرکار کی دُھواں دار تقریر شروع ہوئی، مشیر نامہ میں درج باتوں کو وہ طول دے کر، نمک مرچ لگا کر اس طرح بیان کر رہا تھا جیسے میں چوری کا نہیں، قتل عمد کا کوئی بے حد خطرناک اور مفرور مجرم تھا۔ اُس کا اندازِ بیان پُر اثر تھا۔ جج بار بار سر ہلاتا رہا، جیوری کے ممبران جن میں دو خواتین بھی شامل تھیں، سنجیدگی سے میرا کیس سنتے رہے۔ سرکاری وکیل جرم کی نوعیت اور تفصیل کے ساتھ ساتھ بڑی بڑی قانونی دفعات کا حوالہ بھی دیتا رہا، وہ حق نمک ادا کر رہا تھا، میں جیوری کے درمیان بیٹھی اُس سیاہ فام خاتون کو بار بار کنکھیوں سے دیکھنے میں مصروف تھا جو یقیناً اقلیتی نمائندگی کی بنیاد پر شامل کی گئی تھی۔ اُس کا قد درمیانہ تھا، سیاہی مائل رنگت میں سرخی کی آمیزش نے اُس کا رُوپ نکھار دیا تھا۔ اُس کے چہرے کے نقوش بے حد حسین تھے، آنکھوں میں چمک تھی، ہونٹوں پر لپ اسٹک کے دل آویز رنگ

نے اُس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ وہ گداز جسم کی مالک تھی، اُس نے بالوں کی گندھی ہوئی بے شمار لٹوں کو اس خوبصورتی اور چابکدستی سے ترتیب دیا تھا جیسے کوئی کوڑیالا سانپ اپنے جسم کو سمیٹے محوِ خواب ہو۔ بالوں کی لٹوں میں پروئے ہوئے موتیوں کی چمک بھی دیدہ زیب تھی، میں پہلی ہی نظر میں اُس گل بدن کا اسیر ہو گیا۔ پریتم لال نے مجھے لگن منڈپ سجانے سے منع کیا تھا، موج میلہ کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ میں نے اُس کافر ادا کو ایک رات کا مہمان بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

''اُس کا نام مورینا ہے جمیل۔'' انکا نے پھدک کر میرے کندھے پر آ کر آہستہ سے سرگوشی کی۔ ''بڑی باغ و بہار طبیعت کی مالک ہے، خود کو بڑا سنبھال کر رکھتی ہے۔ اُس کے چاہنے والوں کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے لیکن آج تک کوئی اس چوٹی کو سر نہیں کر سکا۔ تمہیں یہ سن کر تعجب ہو گا کہ عدالت کا جج بھی اس پر نظر رکھتا ہے۔ تمہارا انتخاب واقعی لاجواب ہے۔ میں اُس کے دل میں بھی تمہارے لئے نرم گوشہ محسوس کر رہی ہوں۔ لیکن مورینا کے سلسلے میں اپنی انکارانی کو نظر انداز نہ کر دینا۔'' انکا ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

''منظور ہے.....'' میں نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا تو اُس کی باچھیں کھل اُٹھیں۔ پھر وہ موضوع بدل کر بولی۔

''تم نے کچھ اور بھی محسوس کیا؟''

''کیا.....؟''

''جم، سارا، جین اور ولیم میں سے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔''

''ولیم کو میں نے منع کر دیا تھا۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''جم وغیرہ کا نہ آنا ہی اچھا ہے۔ وہ موجود ہوتے تو مجھے اپنے ارادوں میں دُشواری پیش آتی۔ میں انہیں کسی بات کا گواہ نہیں بنا سکتا تھا۔ میری وجہ سے وہ بلاوجہ اُلجھ جاتے۔''

''تم نے کیا سوچ رکھا ہے؟'' انکا نے بڑی لگاوٹ سے پوچھا۔ ''مجھے نہیں بتاؤ گے؟''

''مسٹر دولت علی.....'' سرکاری وکیل نے جو غالباً کنکھیوں سے میری حرکات و سکنات کا جائزہ بھی لیتا رہا تھا اچانک مجھے مخاطب کر کے پریشان کرنا چاہا۔ ''آپ غالباً پوری طرح متوجہ نہیں ہیں۔ بعد میں آپ کو اپنا دفاع کرتے وقت دُشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' اُس کے لہجے میں طنز تھا، برتری کا احساس نمایاں تھا۔

''می لارڈ.....'' میں نے مہذب لہجے میں جج کو مخاطب کیا۔ ''سرکاری وکیل کو سمجھایا جائے کہ قانون کے آداب کو ملحوظِ خاطر رکھیں۔ جب تک میں عدالت کے کٹہرے میں نہ کھڑا ہوں، وہ مجھ سے کسی قسم کے سوال و جواب کا حق نہیں رکھتے۔ بہتر ہو گا کہ وہ جو فرضی کہانی سنا رہے ہیں اس میں کلی پھندنے لگانے پر زیادہ توجہ دیں۔''

جج نے سرکاری وکیل کو ٹوکا۔ میرا اعتراض حق بجانب تھا، جیوری کے ممبروں کی نظریں میری جانب اُٹھنے لگیں۔ مورینا نے میری جسارت پر مسکرا کر داد دی تو اُس کے موتیوں جیسے دانت بھی جھلملانے لگے۔

سرکاری وکیل نے استغاثہ کی کارروائی سمیٹی تو پولیس کے گواہوں کو باری باری طلب کیا گیا۔ میں تفصیل سے گریز کروں گا، گواہوں کے بیانات وہی تھے جو میری موجودگی میں ہوٹل کے کمرے میں ریکارڈ کئے گئے تھے۔ سب سے آخر میں آرتھر بڑی شان سے اپنے کسرتی جسم اور کلف شدہ یونیفارم کی نمائش کرتا ہوا کٹہرے میں جا کھڑا ہوا۔ میں پوری توجہ سے اُس کی لن ترانی سنتا رہا۔ اُس نے عدالت کو باور کرانے کی کوشش کی کہ میں نے جائے وقوعہ پر اُس کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے مزاحمتی کردار ادا کرنے کی کوشش کی جس کے سبب قانونی کارروائی کی تکمیل میں اُسے دُشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ اُس نے آٹھ سو پونڈ کی کے سلسلے میں میرے اُوپر خرد برد کا الزام لگانے کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی زور دیا کہ آٹھ سو پونڈ کی کمی اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ میں نے وہ رقم کسی دوسرے بڑے مجرم کے ساتھ، جو ابھی تک سامنے نہیں آ سکا مل کر چوری کی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں مذکورہ رقم کو خرچ کرنے سے گریز کرتا۔

''جمیل.....'' انکا نے پوچھا۔ ''کیا یہ خبیث سچ کہہ رہا ہے.....؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آرتھر نے میرے اُوپر یہ الزام بھی عائد کیا کہ میں نے جسمانی ریمانڈ کے دوران اُس کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے فرائض سے بد دیانتی کرنے اور رشوت لے کر کیس کو کمزور کرنے پر بار بار اُکسانے کی کوشش کی، مجھے حقارت بھرے انداز میں ''ٹٹنا'' کہا گیا، میرے کٹے ہوئے ہاتھ کے پس منظر میں کئی من گھڑت کہانیاں بیان کی گئیں، مجھے ایسا خطرناک مجرم اور دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جس نے اپنا جرم چھپانے کی خاطر فنگر پرنٹس کے ناقابل تردید ثبوت سے بچنے کی خاطر خود

اپنے اُوپر ظلم کیا، ایک ہاتھ ضائع کر دیا تا کہ قانون اندھیرے میں بھٹکتا رہے۔

انکا آرتھر کے بیان پر پیچ و تاب کھاتی رہی، میں چہرے پر معصومیت سجائے زبانِ خاموش سے اپنی مظلومیت کا اظہار کرتا رہا، جج اور جیوری کے افراد کی نگاہیں کبھی مجھ پر کبھی آرتھر پر منڈلاتی رہیں۔ آرتھر کا طویل بیان ختم ہوا تو وہ فاتحانہ انداز میں قدم اُٹھاتا کٹہرے سے باہر آ گیا۔

گواہوں کے بیان کے دوران فاضل جج نے بار بار مجھے جرح کرنے کا موقع دیا، میں انکار کرتا رہا، میرے ذہن میں صرف ایک ہدف کلبلا رہا تھا، میں نے دوسرے گواہوں کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

آخر میں مجھے کٹہرے میں طلب کیا گیا، جیوری کے ممبران سنبھل کر بیٹھ گئے۔ جج نے پہلو بدلا، سرکاری وکیل اور آرتھر کے چہروں پر معنی خیز مسکراہٹ اُبھری، وہ مجھے ایک عام ہندوستانی سمجھ کر اپنی اکثریت اور نسلی برتری سے مرعوب کرنا چاہتے تھے۔ میں دل ہی دل میں اُن کی حرکتوں پر مسکراتا رہا۔

''مسٹر دولت علی۔'' جج کی بھاری بھرکم آواز اُبھری۔ ''کیا تمہاری جانب سے کوئی وکیل ہے؟''

''جی نہیں می لارڈ.....'' میں نے دیدہ و دانستہ کمزور آواز میں جواب دیا۔ انکا نے اُٹھ کر میرے بالوں کے درمیان ٹہلنا شروع کر دیا۔ اُس کے تیور بدلنے لگے۔

''تم اگر چاہو تو یہ عدالت تمہاری درخواست پر کسی وکیل کی خدمات مہیا کر سکتی ہے۔''

''شکریہ یور آنر۔ میں اپنا کیس خود ہی نمٹانے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے غلاموں کے انداز میں عرض کیا۔ آرتھر اور سرکاری وکیل کی گردنیں اور تن گئیں۔ وہ میرے مایوس اور مضمحل طرزِ تکلم پر خوش ہو رہے تھے۔

''ایک بار پھر غور کر لو۔'' جج نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ ''عدالت کی کارروائی کے پیچ و خم اور قانونی باریکیوں کو ایک مستند وکیل ہی بہتر سمجھ سکتا ہے۔ بعد میں تم اپنا یہ حق استعمال نہیں کر سکو گے۔''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں یور لارڈ شپ۔'' میں نے تشکرانہ انداز میں سر کو خفیف جنبش دی، پھر سنبھل کر بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ گولی ایک بار چیمبر سے نکل جائے تو واپس

نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں مشکور و ممنون ہوں مسٹر آرتھر کا جنہوں نے سوائے ایک اہم پہلو کے علاوہ تمام باتیں ایسی کی ہیں جو دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی کر دینے کے لئے بہت کافی ہیں۔ وہ تمام نکتے اور حقائق جو سلطنت برطانیہ کے ایک معزز، ذمہ دار اور باصلاحیت پولیس آفیسر نے بڑی تفصیل سے عدالت کے رُوبرو بیان کئے ہیں وہ میری بے گناہی ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ میں مسٹر آرتھر کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔''

جج اور جیوری کے ممبران کے علاوہ سرکاری وکیل اور آرتھر کے منہ بھی کھلے کے کھلے رہ گئے۔ سب مجھے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ شاید میں نفسیاتی طور پر مفلوج ہو گیا ہوں، میرے ذہن اور اعصاب نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے جو میں اپنے سب سے بڑے حریف آرتھر کے بیان کی تائید کر رہا تھا۔ میرا بیان مجھے لمبی سزا کا مستحق بھی قرار دے سکتا تھا۔

''جمیل.....'' انکا بھی ششدر رہ گئی۔ ''یہ تم نے کیا اُلٹی سیدھی باتیں شروع کر دیں، جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''مسٹر دولت علی۔'' جج نے پہلو بدل کر ہمدردی کا اظہار کیا۔ ''میں تمہیں پھر موقع دُوں گا کہ سرکاری مراعات سے فائدہ اُٹھا کر اپنے لئے کسی وکیل کی تقرری کی درخواست پر غور کر لو۔''

''میں غور کر چکا ہوں می لارڈ۔'' میں نے انکا کی بات نظر انداز کر کے جج کو مخاطب کیا۔ ''میں جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میرا کوئی بیان، میری زبان سے نکلا ہوا کوئی جملہ، ایک لفظ بھی میرے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے، میں سزا کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہوں لیکن.....'' میں نے نظریں گھما کر جیوری کے ممبران کی طرف دیکھتے ہوئے جج سے بڑے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ''ایسا نہیں ہو گا یور آنر..... میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ مسٹر آرتھر کو دوسرے کٹہرے میں میرے رُوبرو طلب کیا جائے تا کہ میں اپنے بیان کی تفصیل سے وضاحت کر سکوں۔''

عدالت کے حکم پر آرتھر میرے سامنے والے کٹہرے میں آ گیا۔ اب اُس کے ہونٹوں پر وہ معنی خیز مسکراہٹ نظر نہیں آ رہی تھی جو کچھ دیر پیشتر موجود تھی۔ ہتھکڑی کا واقعہ شاید اُس کے ذہن میں دوبارہ اُبھر آیا ہو گا۔ وہ کچھ متفکر اور نروس بھی ہو رہا تھا۔ سمجھدار آفیسر تھا، سمجھ

رہا ہوگا کہ سارے دیگر گواہوں کو نظر انداز کر کے اُسے جرح کے لئے طلب کرنا خالی از علت نہیں ہوسکتا۔ میں نے عدالت سے اجازت طلب کی، پھر سنجیدگی سے بولا۔

''مسٹر آرتھر، سب سے پیشتر میں آپ کے بیان پر شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔''

آرتھر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مخمصے کی حالت سے دوچار تھا، بڑی کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''میرے محترم اور معزز دوست۔'' میں نے پینترا بدل کر اپنی بات کا آغاز کیا۔ ''آپ نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ میں نے جائے وقوعہ پر قانون کے ساتھ تعاون نہیں کیا، سرکاری کاموں میں بے جا مداخلت کا مرتکب ہوا جس کے سبب آپ کو دُشواری کا سامنا کرنا پڑا۔''

''ہاں.....'' آرتھر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میں نے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں تھا۔''

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ سفری بیگ کے میرے کمرے میں پہنچنے کے انداز اً کتنی دیر بعد آپ تشریف لائے تھے؟''

''مجھے صحیح وقت کا اندازہ نہیں مگر میں بڑے یقین سے کہہ سکتا ہوں مجھے اٹھارہ یا بیس گھنٹے سے زیادہ نہیں لگے تھے۔''

''گویا آپ دوسرے الفاظ میں اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ میں کوئی عادی، پیشہ ور، خطرناک یا مفرور مجرم نہیں ہوں؟'' میں نے ٹھوس لہجے میں سوال کیا۔

''یہ محض آپ کی خوش فہمی ہے۔ میں نے عدالت کے رُوبرو ایسی کوئی بات نہیں کی.....''

''آپ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔'' میں نے آرتھر کو حقارت بھری نظروں سے دیکھا، پھر جج سے مخاطب ہوا۔ ''می لارڈ، مسٹر آرتھر کا بیان ہے کہ سفری بیگ میرے رُوم سے اٹھارہ یا بیس گھنٹے بعد برآمد کیا گیا..... یور آنر۔ میں ایک عادی مجرم ہوتا تو اس سفری بیگ کو اتنی دیر اپنی تحویل میں رکھنے کی حماقت کبھی نہ کرتا، اُسے دوسرے یا تیسرے ٹھکانے پہنچا دیا گیا ہوتا۔''

جیوری کے ممبر مسکرانے لگے۔ خاص طور پر مورینا مجھے تعریفی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں اسے ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کہوں گا۔'' آرتھر نے احتجاج کیا۔ ''ایک معمولی مجرم اور عادی مجرم میں یہی فرق ہوتا ہے۔ عادی مجرم کی حد سے زیادہ خود اعتمادی ہی پولیس کے لئے مفید ثابت ہوتی ہے۔''

''مسٹر آرتھر.....'' میں نے آرتھر کو دیکھنے کی بجائے جیوری کے ممبران کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ کے خیال میں ایک عادی مجرم کو گرفتاری کے بعد ہتھکڑی لگانا ضروری نہیں ہے؟''

میں آرتھر کے چہرے پر اُبھرنے والے تاثرات نہیں دیکھ سکا، وہ ہتھکڑی کے حوالے پر ضرور سٹپٹایا ہوگا۔ عدالت میں چند ساعت خاموشی مسلط رہی، پھر جج کی آواز سنائی دی۔

''مسٹر آرتھر۔ آپ نے جواب نہیں دیا۔''

''میرے ساتھ پولیس کی نفری زیادہ تھی اس لئے میں نے.....''

''آپ پھر غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔'' میں نے تیزی سے آرتھر کی بات کاٹ کر اُسے گھورا۔ ''بات پولیس کی نفری کی نہیں، ایک عادی مجرم کو ہتھکڑی لگانے کی ہو رہی ہے۔''

''میں نے کسی وجہ سے ہتھکڑی کا استعمال ضروری نہیں سمجھا۔'' آرتھر نے شانے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا آپ 'کسی وجہ سے' کی تشریح سے عدالت کو مستفید فرمانا پسند کریں گے؟'' میں نے زہرخند سے آرتھر کے ٹوٹتے اعتماد کو ایک اور دھچکا پہنچانے کے سنہری موقع کو ضائع نہیں کیا۔

آرتھر کا چہرہ خون کی شدت سے تمتما اُٹھا۔ میں اُس کی بوکھلاہٹ کی وجہ سمجھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ عدالت کے رُوبرو میری حیرت انگیز قوت کا اظہار کر کے اپنی سبکی برداشت نہیں کرے گا۔ میں نے دوبارہ مسکرا کر اُس کی مشکل آسان کر دی۔ ''اگر آپ کسی وجہ سے میرے سوال کے جواب سے گریز کر رہے ہیں تو میں زیادہ اصرار نہیں کروں گا۔'' میں نے دوسرا سوال کیا۔ ''آپ نے ابھی کہا تھا کہ میں نے جسمانی ریمانڈ کے دوران آپ کو رشوت دینے کی کوشش کی، فرائض کی انجام دہی سے غفلت برتنے پر اُکسایا۔''

''ہاں، میں نے یہی کہا تھا.....'' آرتھر نے سنبھل کر جواب دیا۔

''حیرت انگیز، مائی لارڈ.....'' میں نے جج کی طرف دیکھا۔ ''ایک عادی مجرم پہلے اٹھارہ گھنٹے تک ایک لاکھ پونڈ کی کثیر رقم خود اپنی تحویل میں رکھنے کی حماقت کرتا ہے، پھر دوسری حماقت یہ کرتا ہے کہ تمام ابتدائی قانونی دستاویز مکمل ہونے اور جسمانی ریمانڈ کے بعد رشوت کی پیشکش کرتا ہے۔ حالانکہ قانون سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی خاطر ایک عام

مجرم کو بھی سب سے پہلے کسی نہ کسی طرح قانون کے شکنجوں سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ کیا مسٹر آرتھر کے بیان کا یہ جھول اس بات کی نشاندہی نہیں کرتا کہ میرے خلاف کیس کو پیچیدہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے.....؟''

''مسٹر آرتھر۔'' عدالت نے آرتھر کو مخاطب کیا۔ ''آپ کا کیا کہنا ہے؟''

''مائی لارڈ.....'' آرتھر نے اپنا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کی۔ ''میں نے جو بیان کیا وہ حقیقت پر مبنی ہے، میرا سابقہ ریکارڈ اور کارکردگی.....''

''بات کو اُلجھانے کی کوشش نہ کریں مسٹر آرتھر۔'' میں نے دیدہ و دانستہ قدرے جھلا کر کہا۔ ''جیوری کے معزز ممبران اس وقت یہاں آپ کی پرسنل فائل کے مطالعے یا آپ کی حسن کارکردگی پر ڈاکٹوریا کراس سے نوازے جانے کی تقریب میں شرکت کی غرض سے جمع نہیں ہوئے ہیں۔''

اس بار جیوری کے ممبران کے علاوہ جج بھی اپنے ہونٹوں پر اُبھرنے والی بے ساختہ مسکراہٹ پر قابو نہ پا سکا۔ آرتھر کا گڑبڑا جانا قدرتی امر تھا۔ انکا کی آنکھیں بھی پٹ پٹانے لگیں۔ حیرت سے بولی۔

''جمیل، تمہارے یہ جوہر تو آج پہلی بار کھل رہے ہیں۔ ایمان سے نظر لگ رہی ہے تمہیں۔ اجازت ہو تو بلائیں لے لوں؟''

میں کچھ دیر کٹہرے میں خاموش کھڑا جیوری کے ممبران کے درمیان ہونے والی کھسر پھسر سنتا رہا۔ میری نظریں خاص طور پر مورینا پر مرکوز تھیں جو شاید میرے حق میں بار بار ہاتھ اُٹھا کر بڑی سنجیدگی سے قریب بیٹھے دوسرے ممبروں کو کسی خاص نکتے پر قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''جمیل.....'' انکا نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''دیکھ رہے ہو اپنی بے دُم کی مورنی کو، تمہارے حق میں کیسا پٹر پٹر بول رہی ہے۔ مچھلی خود تمہارے جال میں پھنسنے کو مچل رہی ہے۔''

مورینا کے لئے ''بے دُم کی مورنی'' والی اصطلاح سن کر میں دل ہی دل میں مسکرایا، انکا کی نظریں بدستور مورینا پر جمی تھیں، آرتھر بری طرح بوکھلایا نظر آ رہا تھا، مجھے خوشی تھی اُس کے پاؤں آہستہ آہستہ اُکھڑ رہے تھے۔ میرے پاس دھماکہ کرنے کے لئے بارُود کا خاصا

ذخیرہ موجود تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے آرتھر کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں مانے لیتا ہوں کہ غلطیاں انسانوں ہی سے سرزد ہوتی ہیں۔ آپ نے بھی ممکن ہے میرے سلسلے میں کاغذات تیار کرنے میں عجلت کا مظاہرہ جان بوجھ کر نہ کیا ہو۔ بہرحال میں عدالت کا زیادہ قیمتی وقت برباد نہیں کروں گا۔'' میں سانس لینے کی خاطر رُکا، پھر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''مسٹر آرتھر، کیا آپ میری معلومات کے لئے یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ خطرناک عالمی دہشت گردوں اور قانون کی اصطلاح میں خطرناک مجرموں کا ریکارڈ مرتب کرنے اور محفوظ کرنے کے لئے ان کی کتنی اُنگلیوں کے فنگر پرنٹس لئے جاتے ہیں؟''

''آٹھ اُنگلیوں اور دو انگوٹھوں کے امپریشن لئے جاتے ہیں۔'' آرتھر نے جواب دینے میں تاخیر نہیں کی۔

''کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ دونوں ہاتھ کی تمام اُنگلیوں اور دونوں انگوٹھوں کے پرنٹس لئے جاتے ہیں؟''

''جی ہاں.....'' آرتھر نے وضاحت کی۔ ''کسی خطرناک مجرم کا ریکارڈ محفوظ کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے..... ویسے ہم کسی ایک اُنگلی یا انگوٹھے کے نشانات سے بھی مجرم تک پہنچ جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔''

''کیا عادی مجرم بھی ان حقائق سے واقف ہوتے ہیں؟'' میں نے بڑی معصومیت سے دریافت کیا۔

''جی ہاں، آج کل تو چھوٹے موٹے چور اُچکے اور جیب کترے بھی قانون کے بارے میں بہت زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔'' اُس نے مجھ پر طنز کی کوشش کی۔

''آپ نے بھری عدالت کے سامنے مجھے ٹنٹا کہا، یہ الزام تراشنے کی پُرزور کوشش بھی کی کہ میں نے فنگر پرنٹس چھپانے کی خاطر جان بوجھ کر اپنا ایک ہاتھ ضائع کر دیا۔'' میری آواز کی گھن گرج بتدریج بڑھتی گئی۔ ''کیا بیان دیتے وقت آپ اپنی ان صلاحیتوں کو فراموش کر گئے تھے جن کی مدد سے آپ جائے وقوعہ سے برآمد ہونے والے کسی ایک اُنگلی یا انگوٹھے کے فنگر پرنٹس کے ذریعے بھی مجرموں کا قلع قمع کر سکتے ہیں؟''

آرتھر کے چہرے پر بارہ بجنے لگے۔ انکارانی میری بات کی تہہ کو پہنچ کر خوشی سے تالیاں

بجانے لگی۔ جیوری کے ممبران کے درمیان پھر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، سرکاری وکیل آرتھر کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ عدالت سے مخاطب ہوکر بولا۔

''می لارڈ، مسٹر آرتھر کی نیک نیتی اور بیان شک وشبہ سے بالاتر ہے، میں درخواست کروں گا کہ ملزم دولت علی کو مزید جرح سے روکا جائے۔ یہ بے سروپا باتیں کرکے عدالت کا وقت ضائع کرنے کی ڈرامائی کوشش کررہا ہے۔''

انکا کے تیور بدلنے لگے۔ میں نے اُسے روکنا چاہا لیکن وہ پل بھر میں کسی چھلاوے کی طرح میری نظروں سے اوجھل ہوگئی، شاید اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلک اُٹھا تھا۔ سرکاری وکیل بدستور بولتا رہا۔

''میں مستند حوالوں سے عدالت کے رُوبرو یہ بات ثابت کرسکتا ہوں کہ ایشیا سے تعلق رکھنے والے اکثر مجرم عدالت کے رُوبرو اپنی مظلومیت ثابت کرنے اور ہمدردی حاصل کرنے کی خاطر لمبی چوڑی بے معنی باتیں کرتے ہیں، ان کی باتوں میں کوئی وزن نہیں ہوتا۔''

میں سرکاری وکیل کی بکواس سننے کی بجائے انکا کے سر سے اُتر جانے کے بارے میں غور کررہا تھا، وہ لامحدود قوتوں کی مالک تھی، لمحوں میں بازی پلٹ دینے کے لئے اُس کی پلکوں کی ایک جنبش بہت تھی۔ وہ انکا تھی۔ میری انکارانی..... میرے لئے کچھ بھی کرسکتی تھی۔ میں اُسی کے بارے میں غور کررہا تھا جب اچانک پریتم لال کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''چنتا نہ کرنا بالک، میری شکتی تمہارے ساتھ ہے۔''

میں نے تیزی سے پلٹ کر بائیں جانب دیکھا، پریتم لال مہاراج کی آتما مادی شکل میں کٹہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔

''مہاراج۔'' میں نے عقیدت کا اظہار کیا۔ ''تم نے آنے کی زحمت کیوں کی؟ میرے لئے انکا ہی بہت ہے۔''

''میں تجھے کچھ دان کرنے آیا ہوں مورکھ، کلدیپ کی آتما نے مجھ سے بنتی کی تھی، نراش مت ہوجانا۔ چٹان کی طرح طوفان کے سامنے ڈٹے رہنا، وجے تیری ہی ہوگی۔'' پریتم لال نے بڑی نحیف اور کمزور آواز میں کہا پھر اپنا برف جیسا سرد ہاتھ میرے دائیں ہاتھ پر پھیرتا ہوا بولا۔ ''میں نے تجھ سے کہا تھا کہ ہاتھ ٹھیک کرالے۔ تیرا خیال تھا کہ تیری انکارانی کی شکتی بھی تیرا کٹا ہوا ہاتھ ٹھیک نہیں کرسکتی۔ تو پریتم لال کو بھول گیا تھا۔ کلدیپ کی من کی

بھاؤنا کو نہیں سمجھ سکا۔ وہ سندری تجھ پر جان چھڑکتی تھی، تیرے کارن کالی کو دیئے ہوئے وچن پر اپنا کومل شریر بلیدان کرگئی۔ میں بھی اُسے نہیں بچا سکا۔'' پریتم لال کا استخوانی پنجر کھڑکھڑانے لگا۔ اُس کی گوشت پوست کی قید سے آزاد آہنی اُنگلیاں میرے بائیں ہاتھ پر رینگتی رہیں۔ کچھ توقف کے بعد بولا۔ ''آج اسی سورگ باشی سندری کی بنتی پر تیرا کٹا ہوا ہاتھ تجھے واپس کررہا ہوں، میری بات دھیان سے سن لے۔ جب تو کسی اچھے اور پوتر کام کے لئے من کی گہرائیوں سے وچار کرے گا تو تیرا یہ ہاتھ اسی طرح حرکت کرے گا جس طرح کٹنے سے پہلے کرتا تھا۔ کوئی ثابت نہیں کرسکے گا کہ تیرا ہاتھ کبھی کاٹ دیا گیا تھا۔ پرنتو ایک بات گانٹھ کی طرح باندھ لے۔ کبھی اس ہاتھ سے کوئی غلط کام لینے کی سوچے گا تو یہ تیرے کسی کام میں نہیں آئے گا۔ میرا آشیرباد تیرے ساتھ ہے۔ جے کالی، جے بجرنگ بلی۔''

پریتم لال کا استخوانی پنجر میری نظروں سے یکلخت اوجھل ہوگیا۔ اُس کے کہے ہوئے جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے، میرا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے بائیں ہاتھ کو ہلکی سی جنبش دی، ایک ایک اُنگلی کو آہستہ آہستہ حرکت دے کر دیکھا، میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ میرا دل خوشی سے اُچھلنے لگا، میرا ذہن کلدیپ کے بارے میں سوچنے لگا۔ عدالت میں کیا ہورہا تھا میں اس سے بے خبر تھا۔ لیکن پھر قہقہوں کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے سرکاری وکیل کی طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ میں دو پاؤنڈ کا پیتل کا وزن کرنے والا باٹ (WEIGHT) لئے کھڑا تھا۔ مجھے یاد آیا، کچھ دیر پہلے وہ میری باتوں میں وزن نہ ہونے کی بات کررہا تھا اور اب اس وزن کرنے والے پیتل کے پیمانے کو تعجب اور حیرت انگیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا، وہ میری انکارانی کی ایک معمولی شرارت تھی جس نے سرکاری وکیل کی شخصیت کو بڑا مضحکہ خیز بنادیا تھا۔

''ہماری باتوں میں وزن کہاں سے ہوگا می لارڈ؟'' میں نے موقع سے فائدہ اُٹھایا۔

''وزن تو سرکاری وکیل کے ہاتھوں کا کھلونا ہوتا ہے۔''

عدالت کا وقار برقرار نہ رہ سکا، سارا ماحول زعفرانی زار بن گیا۔ سرکاری وکیل کی وحشت اور بوکھلاہٹ دیدنی تھی۔

''آرڈر..... آرڈر..... جج نے لکڑی کا مخصوص ہیمر (HAMMER) اُٹھا کر تین بار میز پر مارا تو قہقہوں کی آوازیں معدوم ہوگئیں، کسی کسی ہونٹ پر مسکراہٹ باقی رہ گئی۔ آرتھر

دوبارہ اٹنشن پوزیشن میں آ گیا۔

''آپ بیٹھ جائیں۔'' جج نے سرکاری وکیل سے کہا، پھر روئے سخن میری جانب متوجہ ہوا۔ ''مسٹر دولت علی، عدالت کے وقفے کا وقت قریب ہے۔ آپ اگر چاہیں تو میں کل کی تاریخ دے سکتا ہوں۔''

''میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ مجھے مسٹر آرتھر سے صرف تین باتیں اور دریافت کرنے کا موقع دیا جائے، میں اپنی درخواست کے جواز میں یہ عرض کروں گا کہ بات اگر کل پر ٹل گئی تو سارا تسلسل ختم ہو جائے گا۔ جیوری کے ممبران کو بھی دوبارہ کڑیاں ملانے میں زحمت کا سامنا ہو سکتا ہے۔''

''آپ کو اجازت ہے۔ لیکن وقت کا خیال رکھا جائے۔'' جج نے عدالت میں لگی وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے میری درخواست منظور کر لی۔

اسی لمحے انکا میرے سر پر دوبارہ آ گئی، کسمسا کر بولی۔

''تمہاری ناراضگی کے خیال سے جلدی آ گئی۔ ورنہ میں نے سوچا تھا کچھ دیر مورینا کے بالوں میں بھی آرام کر لیتی۔ تم خفا تو نہیں ہو جمیل؟''

میں نے جواب میں انکا کو کچھ ضروری ہدایات دیں۔ وہ تیزی سے دوبارہ میرے سر سے اُتر گئی۔ میرے پاس وقت کم تھا۔ میں کیس کو جلد از جلد ختم کرنے کا خواہشمند تھا۔ میں نے آرتھر کو اس بار قہر آلود نظروں سے گھورا، میں اُسے باور کرانا چاہتا تھا کہ اُس کا برا وقت قریب آ چکا ہے، خطرے کی گھنٹی بجنے میں کچھ لمحے اور باقی رہ گئے ہیں۔ قسمت کی دیوی اُس سے رُوٹھنے کو پر تول چکی ہے، تباہی اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ اُس نے مجھے چھیڑ کر اپنی تباہی کو دعوت دی تھی۔

''مسٹر آرتھر۔ آپ نے سن لیا ہوگا کہ عدالت کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اس لئے جو جواب بھی دیجئے گا، سوچ سمجھ کر دیجئے گا۔'' میں نے اُسے نفسیاتی طور پر کمزور کرنے کی خاطر کہا، پھر بے حد ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''آپ جس وقت ہوٹل میں میرے کمرے میں تشریف لائے تھے اُس وقت آپ نے ایک ہی جیسے انداز میں تہہ کئے ہوئے دو کاغذات جیب سے نکالے تھے، سو سو پونڈ کے نوٹوں کی فہرست تیار کرتے وقت آپ نے براہِ راست نوٹوں سے نمبر لینے کی بجائے ان دونوں لسٹوں میں سے ایک کو سامنے رکھ کر نمبر نقل کئے

تھے۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ نے مشیر نامے میں وہی نمبر لکھے ہیں جو نوٹوں پر تھے یا غلطی سے غلط کیس بنانے کی جلدی میں غلط نمبر..... میرا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کاغذ پر درج شدہ نمبر لکھ ڈالے؟''

''مم..... میں.....'' آرتھر کا گڑبڑا جانا قدرتی امر تھا۔ اُس کے چہرے پر غصے کی شدت قابلِ دید تھی، ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔''

''مطلب اور مقصد دونوں بہت صاف ہیں مسٹر آرتھر۔'' میں نے جیوری کے ممبران کی طرف ہاتھ اُٹھا کر احتجاجی انداز میں جواب دیا۔ ''آپ نے میرے خلاف غلط کیس بنا کر بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔''

''آرڈر..... آرڈر.....'' جج نے مجھے تنبیہی نظروں سے گھورا۔ ''مسٹر دولت علی۔ آپ اپنے سوال پر دوبارہ غور کر لیں۔ ایک ذمہ دار آفیسر پر دھوکا دہی اور جعلسازی کا الزام اگر غلط ثابت ہوا تو آپ کو اس کی سزا سنگین بھی ہو سکتی ہے۔''

''می لارڈ.....'' میں نے جج کی طرف رُخ کیا، سر کو خفیف سا خم دے کر اُسے اپنے مہذب ہونے کا یقین دلایا، زیرِ لب مسکرا کر بولا۔ ''میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی تصدیق کے لئے کسی کارندے کو کہیں دُور نہیں جانا پڑے گا۔ سو سو پونڈ کی کرنسی کا سر بمہر سفری بیگ اور کیس فائل دونوں عدالت کی تحویل میں ہیں۔ آپ بنفسِ نفیس تصدیق فرما سکتے ہیں۔ لیکن.....'' میں نے پلٹ کر زہر خند سے آرتھر کو مخاطب کیا۔ ''مائی ڈیئر مسٹر آرتھر۔ کیا یہ غلط ہے کہ آپ کو اپنے کسی معتبر ذرائع سے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ میں نے کسی مقامی دوست کو فون کر کے ایک لاکھ پونڈ کی رقم طلب کی تھی۔ بعد ازاں آپ کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ مطلوبہ رقم کس بینک سے نکلوائی گئی ہے؟ آپ بڑے آفیسر ہیں، آپ کی رسائی بھی دُور دُور تک ہو گی۔ بینک سے نوٹوں کی جاری کردہ نمبروں کی فہرست آپ کو کہاں سے ملی؟ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا، لیکن.....''

''مائی لارڈ.....'' سرکاری وکیل احتجاجاً دوبارہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ منہ سے جھاگ اُڑاتے ہوئے بولا۔ ''یہ شخص صرف عدالت کا وقت برباد کرنے کی خاطر بات کو طول دے رہا ہے، ہم ابھی عدالت کے روبرو اس کی بے سر و پا باتوں کی تصدیق کئے لیتے ہیں۔''

جج نے سر ہلا کر سرکاری وکیل کے مشورے کی تائید کی۔ جیوری کے ممبران اپنی اپنی

نشستوں پر سنبھل کر بیٹھ گئے۔ میں نے کنکھیوں سے مورینا کی جانب دیکھا، وہ زیادہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی، انکا نے مجھے بتایا تھا کہ مچھلی خود میرے جال میں پھنسنے کو مچل رہی ہے۔ اس حسینۂ دلنواز کا دل بھی ضرور دھڑک رہا ہوگا۔ میرا بیان غلط ثابت ہوتا تو اُس کی کوئی ہمدردی میرے کسی کام نہ آتی۔

سرکاری وکیل بری طرح بھنا رہا تھا۔ آرتھر بھی غصے میں پیچ و تاب کھانے لگا۔ لیکن وہ نادان تھے۔ جمیل احمد خان سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔ اگر اُنہیں علم ہوتا تو ''شیر کے منہ میں ہاتھ ڈالنے'' کی حماقت کبھی نہ کرتے، دُور سے کترا کر نکل جاتے۔

عدالتی کارندوں نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ لیکن اس کے بعد سب کے چہرے فق ہو گئے۔ سرکاری وکیل نے پھٹی پھٹی نظروں سے آرتھر کی سمت دیکھا تو آرتھر بھی گھبرا گیا۔ جیوری کے ممبران نے باری باری کرنسی نوٹوں اور اُن کی مرتب شدہ فہرست کو دیکھا، سب ہی کی گردنیں شرم سے جھک گئیں، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کرنسی نوٹوں پر چھپے نمبروں اور فہرست میں درج شدہ نمبروں میں زمین آسمان کا فرق تھا..... غلاموں کے دیس کا ایک شخص سر بلند ہو رہا تھا، سفید فام چہرے زرد پڑ رہے تھے۔ عدالت میں سرگوشیاں اُبھرنے لگیں، جج بھی انصاف کی کرسی پر کسمسانے لگا۔ سرکاری وکیل سر تھام کر کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کی وحشت دیدنی تھی، آرتھر اُس کی حالت دیکھ کر کپکپانے لگا، اپنی نظروں سے میرے بیان کی تصدیق کر لیتا تو منہ کے بل چکرا کر گر جاتا۔ میں اُن کے سُتے سُتے چہرے کو دیکھتا رہا، انکا رانی نے پل بھر میں بساط پلٹ دی، سب منہ تاکتے رہ گئے، ساری لن ترانیاں دھری کی دھری رہ گئیں، سب کو سانپ سونگھ گیا، آرتھر ہونقوں کی طرح ایک ایک کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ جج کے حکم کے بغیر کٹہرے سے باہر نہیں آ سکتا تھا۔ دوسروں کے چہروں سے حالات کا اندازہ لگاتا رہا۔

خاصی دیر تک عدالت میں افراتفری طاری رہی، پھر جج نے آرڈر..... آرڈر کا نعرہ لگایا تو سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ جج کی شرمندگی بھی قابل رحم تھی۔ وہ اپنی خجالت مٹانے کی خاطر آرتھر سے کچھ کہنا چاہتا تھا، میں نے موقع نہیں دیا، درمیان میں بول پڑا۔

''می لارڈ، میرا خیال ہے کہ معزز عدالت نے میرے بیان کی تصدیق کر لی ہوگی لیکن.....'' میں نے آرتھر کی سمت فاتحانہ نظروں سے دیکھا۔ ''ابھی میرے دو سوال باقی رہ

گئے ہیں۔ میں مسٹر آرتھر سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے بھری عدالت کے سامنے مجھے ٹٹا کہہ کر میری توہین کیوں کی.....؟'' میں نے اپنے مہذب لہجے میں موقع کی مناسبت سے تھوڑی سی تلخی بھی شامل کی۔ ''کیا برطانوی قانون کسی بھی اونے پونے آفیسر کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ سرعام کسی معزز شہری، کسی سیاح کی پگڑی اُچھالتا پھرے.....؟ کیا سوری (SORRY) کا لفظ اسی مقصد سے ایجاد کیا گیا ہے کہ جب گردنیں شرم سے جھکنے لگیں، جب بچاؤ کی کوئی دوسری صورت باقی نہ رہے تو سوری کہہ کر دامن بچا لیا جائے اور.....''

''مسٹر دولت علی۔'' جج نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے مجھے تنبیہ کی۔ ''آپ الفاظ اور جملوں میں احتیاط سے کام لیں۔ ورنہ توہین عدالت کے مرتکب بھی ہو سکتے ہیں۔''

''سوری یور آنر۔'' میں نے جان بوجھ کر لفظ 'سوری' پر زور دیا تو عدالت میں موجود ہر فرد زیر لب مسکرا دیا۔ آرتھر کسی زخمی سانپ کی طرح بار بار بل کھا رہا تھا۔ سرکاری وکیل بدستور سر پکڑے بیٹھا رہا۔

''مسٹر آرتھر.....'' میں نے پینترا بدل کر گرم لوہے پر ایک اور ضرب لگائی۔ ''کیا آپ جج اور جیوری کے رُوبرو یہ ثابت کرنے کی زحمت گوارا کریں گے کہ میرا ایک ہاتھ مصنوعی ہے؟''

''اس حقیقت کو ثابت کرنے کی خاطر کسی ڈاکٹر یا سرجن کی ضرورت ہوگی۔'' آرتھر نے وقت حاصل کرنے کی خاطر بہانہ کیا۔

اسی لمحے انکا میرے سر پر آ گئی۔ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''جمیل..... یہ کیا حماقت کر رہے ہو؟ میرا مشورہ غور سے سنو۔ اپنا مطالبہ واپس لے لو ورنہ جیتی ہوئی بازی ہار جاؤ گے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اپنی حدود میں رہ کر وہ کام بھی انجام دے سکتی ہوں جو کسی کے ذہن میں بھی نہیں آ سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے ایک ہاتھ سے محروم ہونا پڑا۔'' انکا کی آواز بھرا گئی۔ ''میں تم سے ہمیشہ شرمندہ رہوں گی جمیل۔ لیکن تمہارا ہاتھ دوبارہ اصل حالت میں لانا میرے اختیار میں نہیں ہے.....''

انکا مجھے روکتی رہی، میں نے اُس کی بات ایک کان سے سنی، دوسرے سے اُڑا دی۔ وہ جھلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی، اپنے تیز ناخنوں کی چبھن سے مجھے قابو کرنا چاہا تو میں نے جلدی سے کہا۔

''نہیں انکا رانی۔ نہیں..... اس وقت میرے ذہن کو معطل نہ کرنا۔ میں جو کچھ کر رہا

ہوں، کہہ رہا ہوں اس میں پورے ہوش وحواس کا دخل شامل ہے۔ تم بھی خاموشی سے تماشہ دیکھتی رہو۔"

"جمیل....." انکا نے تلملا کر کہا۔ "تم سمجھ رہے ہو، میں کیا کہہ رہی ہوں؟ تمہارا بایاں ہاتھ مصنوعی ہے، اس میں زندگی کی حرارت کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔"

جج نے بھی موقع سے فائدہ اُٹھا کر اگلی پیشی کا اعلان کر کے گلو خلاصی کرنی چاہی لیکن مورینا کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا، اُس کے تیور میں کرختگی نظر آ رہی تھی۔ میری رہائی یا عمر قید کی سزا سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن وہ نسلی تعصب کا شکار ضرور نظر آ رہا تھا۔ اُس نے با آواز بلند عدالت کو اپنی خدمات پیش کرنے کی پیشکش کی۔ اُس کے لہجے سے غرور و تکبر جھلک رہا تھا۔

"مائی لارڈ میں ایک مستند اور معروف سرجن ہوں۔ میرا نام سرجن اسٹیورڈ جیمز ہے جس کی تصدیق عدالتی ریکارڈ اور میرے ساتھ موجود جیوری کے ایک دو ممبران سے بھی کی جا سکتی ہے۔" وہ مجھ پر اپنی قابلیت کا سکہ جمانے کی خاطر کہہ رہا تھا۔ "سرجری کے میدان میں ابھی تک کوئی ایسی ایجاد نہیں ہوئی جو کسی ٹوٹے ہوئے یا مصنوعی ہاتھ کو اصل کی طرح ظاہر کر سکے۔ سرجری کے نشانات بذاتِ خود ایسا ثبوت ہیں جو ہلکے اور مدھم پڑنے کے باوجود مرتے دم تک انسانی جسم پر ضرور باقی رہتے ہیں۔ اگر عدالت اجازت دے تو میں دولت علی کا معائنہ کر کے محض دو منٹ میں ان کے بیان کی صحت کی تردید یا تصدیق کر سکتا ہوں۔"

"تم نے سنا جمیل صاحب....." انکا پھر سٹپٹانے لگی۔ اُس کی تشویش بیجا نہیں تھی۔

"سرجن اسٹیورڈ جیمز کیا دعویٰ کر رہا ہے؟ اس کا شمار چوٹی کے سرجنوں میں ہوتا ہے۔ چھوٹے موٹے مریض اس کی فیس سن کر ہی اپنا راستہ بدل دیتے ہیں۔ یہ کئی کارنامے انجام دے چکا ہے، بڑے بڑے لارڈ اس کی کمپنی میں نشست و برخاست کو اپنے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں سمجھتے۔" انکا مجھے ہاتھ نچا نچا کر سمجھانے کی کوشش کرتی رہی۔ "میں وقتی طور پر اس کا ذہن پلٹ کر تمہارے حق میں بدلنے پر مجبور کر سکتی ہوں۔ لیکن اگر آرتھر تمہارا مصنوعی ہاتھ دیکھ چکا ہے تو آخری دم تک اپنی ہار قبول نہیں کرے گا..... بات بڑھ جائے گی۔"

میں انکا کی باتوں پر مسکراتا رہا، وہ پیچ و تاب کھاتی رہی۔ مجھے یقین تھا کہ انکارانی کے لئے بھی وہ لمحے یادگار ثابت ہوں گے جب وہ میرے ہاتھ کو حرکت کرتے دیکھے گی۔ سرجن

اسٹیورڈ میرے بیان کی تصدیق کرے گا تو آرتھر بھی دم بخود رہ جائے گا۔ سرکاری وکیل جو ابھی تک سر تھامے بیٹھا نوٹوں کے نمبروں اور فہرست کے تضاد پر اُلجھ رہا تھا شاید میرے ہاتھ کے اصلی ہونے کی تصدیق میں سرجن کے منہ سے ادا ہونے والا جملہ سن کر اپنا سر پیٹنا شروع کر دیتا۔ آرتھر کھڑے کھڑے کٹہرے میں حیرت سے ڈھیر ہو جاتا۔

عدالت نے سرجن اسٹیورڈ جیمز کی پیشکش قبول کر لی۔ انکا بھنا کر رہ گئی۔ اُس نے میرے سر سے اُترنا چاہا، میں نے اُسے اپنی قسم دلائی تو دھم سے سر پر بیٹھ گئی، مجھے تیز نظروں سے گھورنے لگی۔

سرجن سینہ تانے قدم بڑھاتا میرے کٹہرے کے قریب آ گیا۔ سرکاری وکیل نے پُر اُمید نظروں سے سرجن کی سمت دیکھا، آرتھر کی نگاہوں میں بھی کامیابی کی کرنیں ٹمٹمانے لگیں۔ میں نے دیدہ و دانستہ وحشت اور جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ ایک ہی جھٹکے میں گریبان میں سیدھا ہاتھ ڈال کر قمیض کو 'جھر' سے پھاڑ کر جسم سے علیحدہ کر دیا۔ سب سے پہلے انکا پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوئی۔ اُس نے اپنی دُوربین نظروں سے میرے ہاتھ کا جائزہ لیا، پھر خوشی سے اُچھل کر میرے بالوں کے درمیان دیوانہ وار ناچنے لگی۔ ہیجان انگیز انداز میں کولہے مٹکانے لگی، اُس کی مسرت دیدنی تھی۔

آرتھر کو سکتہ ہو گیا، اُس کی پلکوں نے جھپکنا بند کر دیا، دیدے پھٹے کے پھٹے رہ گئے، سرکاری وکیل کی حالت بھی آرتھر سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔ جیوری کے ممبران میری جسارت پر پہلو بدلنے لگے۔ صرف مورینا کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ میں نے جب اپنے بائیں ہاتھ کو حرکت دے کر سرجن کے سامنے فضا میں بلند کیا تو وہ بھی ششدر رہ گیا۔ خود میں بھی اپنے آپ کو "طلسم ہوش ربا" کا ایک فرضی کردار سمجھ رہا تھا۔ میرے ہاتھ پر کسی زخم، کسی معمولی خراش کا بھی کوئی نشان موجود نہیں تھا۔ میں نے بمشکل اپنی حیرت کو ضبط کیا، پریتم لال مہاراج کی مہان شکتی کا اندازہ مجھے پہلی بار ہوا۔ جو کام انکا کے اختیار سے باہر تھا، وہ پریتم لال کی آتما نے اپنی استخوانی اُنگلیوں سے سرانجام دے ڈالا۔ مجھے اس وقت اپنی کلدیپ بھی بڑی شدت سے یاد آئی۔ وہ میری خاطر کالی کے قدموں میں اپنی زندگی کی قربانی پیش نہ کرتی تو پریتم لال کی رفاقت اُسے بھی کندن بنا دیتی۔ میں متضاد کیفیتوں سے دوچار تھا جب سرجن اسٹیورڈ نے بہت غور و خوض کے بعد

بڑے یقین سے اس بات کا اعلان کیا کہ میرے بائیں ہاتھ کی سرجری کبھی عمل میں نہیں آئی۔ اُس نے احتیاطاً میرے سیدھے ہاتھ کا بھی معائنہ کیا، پھر عدالت کی درخواست پر تحریری رپورٹ بھی لکھ دی۔ جج کی شش و پنج قابل دید تھی۔ اُس نے مجھے تیسرے سوال کا موقع دینے سے گریز کیا اور اگلی پیشی کا اعلان کر دیا۔ عدالت برخاست کر کے چیمبر کی سمت جانے لگا تو میں نے جرأت سے کام لے کر درخواست کی۔

''می لارڈ، آپ نے ایک ہفتے بعد کی تاریخ دی ہے۔ کیا مجھے بے قصور ہونے کے باوجود سات روز تک لاک اپ میں سلاخوں کے پیچھے رہنا ہوگا؟''

جج رُک گیا۔ اُس نے پہلی بار مجھے حقارت سے گھورا۔ میں شاید پہلا مجرم تھا جس نے عدالت برخاست ہونے کے بعد بولنے کی جسارت کی تھی۔ انکا موقع کی نزاکت بھانپ کر تیزی سے سر سے اُتر گئی، جج کی قہر آلود نظروں میں پل بھر میں ہمدردی کا رنگ گہرا ہونے لگا۔ انکا اُس کے سر پر تسلط جما چکی تھی۔

''مسٹر دولت علی۔'' اُس نے نرم آواز میں سوال کیا۔ ''کیا تم کوئی ضمانت پیش کر سکتے ہو؟''

''آپ بھی اس بات کے گواہ ہیں یور آنر کہ مجھ کو بلاوجہ پھنسایا گیا ہے۔ سرکاری وکیل اور مسٹر آرتھر ابھی تک کسی بات کو ثابت نہیں کر سکے، نوٹوں کے نمبروں کا غلط اندراج، میرے ایک ہاتھ کا کٹا ہونا، یہ میرے خلاف گھناؤنی سازشیں تھیں، جیوری کے ممبران بھی گواہ ہیں کہ میں نے ثابت کر دیا کہ.....''

''مسٹر آرتھر۔'' جج نے میری بات کاٹ کر آرتھر کی سمت ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا آپ کو ملزم کی شخصی ضمانت پر رہائی پر کوئی اعتراض ہوگا.....؟''

''جج..... جی..... جی..... نہیں۔'' آرتھر نے ہکلاتے ہوئے جملہ ادا کیا۔ وہ بازی ہار چکا تھا، کوئی عذر نہ کر سکا۔

میری شخصی ضمانت منظور ہو گئی۔ سب حیران رہ گئے..... آرتھر ہونٹ کاٹتا رہ گیا۔ میں نے ضمانت کے کاغذات کی خانہ پُری کی، پھر قدم اُٹھاتا عدالت سے باہر آ گیا۔ سب ہی کی نظریں مجھ پر لگی تھیں۔ میں فاتحانہ انداز میں احاطے کے پھاٹک کی سمت قدم بڑھانے لگا۔

ہوٹل کی انتظامیہ نے مجھے دوبارہ قیام سے روکنے کی کوشش کی۔ وہ ہوٹل کی بدنامی سے ڈرتے تھے۔ لیکن اُنہیں میرے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ عدالت نے میری شخصی ضمانت قبول کر لی تھی، وہ عدالت کے حکم کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتے تھے، پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ انکا نے ہوٹل کے جنرل منیجر کو سبق دینا چاہا، میں نے روک دیا۔ میری صرف ضمانت ہوئی تھی، کیس ختم نہیں ہوا تھا۔ میں نے فوری طور پر دنگا فساد کرنے سے گریز کیا۔

شام کو جم، سارا، ولیم اور جین سبھی آ گئے۔ جم کو میری ضمانت کی خوشی تھی لیکن وہ میرے سابقہ رویے پر کچھ خفا تھا۔ سارا اور جین نے مجھے مبارکباد پیش کی، ولیم خاموش بیٹھا ہماری باتیں سنتا رہا۔

''جمیل.....'' انکا نے مجھے آگاہ کیا۔ ''جم تم سے مارٹینا کے سلسلے میں بات کرنے پر غور کر رہا ہے۔ تم اُسے ٹال دینا، ورنہ جیکب کا نام سامنے آ جائے گا۔''

''کیا تم اُسے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے روک نہیں سکتیں؟''

''میں کیا کچھ کر سکتی ہوں اس کا علم تمہیں کچھ دیر میں ہو جائے گا۔'' وہ رینگتی ہوئی میرے سر سے اُتر گئی، میں نے اُسے روکا نہیں۔

''مجھے اپنے ذرائع سے عدالت کی پوری کارروائی کا علم ہو چکا ہے۔'' جین نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کہ آرتھر جیسے ذمہ دار آفیسر نے تمہارے خلاف غلط کیس بنانے کی کوشش کیوں کی؟ خاص طور پر تمہارے کٹے ہوئے ہاتھ کے سلسلے میں سرجن اسٹیورڈ جیمز کی تصدیق نے مجھے حیرت میں ڈال رکھا تھا۔ اُس کا شمار برطانیہ کے چوٹی کے سرجنوں میں ہوتا ہے۔ مجھے بتاؤ دولت علی، یہ سب کیسے ممکن ہوا.....؟''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ میری ماورائی قوتیں چھن گئی ہیں۔'' میں نے جم کی وجہ سے محتاط انداز اختیار کیا۔ ''میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ میں نے تمہیں یہ بھی باور کرایا تھا کہ میری

قوتیں کسی وقت مجھے واپس بھی مل سکتی ہیں۔ میری قسمت اچھی تھی جو بروقت میرے اندر ایک لہر دوڑ گئی اور سرجن اسٹیورڈ جیسے ماہر کی نظریں بھی دھوکہ کھا گئیں۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' جم کسمسانے لگا۔ ''کیا سرجن نے تمہارے ہاتھ کا معائنہ نہیں کیا؟''

''تم شاید جرمن سائنسدان کے اغوا کے حیرت انگیز اور تاریخ ساز واقعہ کو بھول گئے ہو۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ جم لاجواب ہو گیا۔ لیکن اُس کی نگاہیں یکلخت چمکنے لگیں، مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ ''گویا اب کھوئی ہوئی طاقتیں تمہیں واپس مل چکی ہیں؟''

''ہاں.....'' میں نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔

''گڈ.....'' وہ اپنی نشست سے اُٹھ کر میرے صوفے پر آ گیا۔ ''تمہیں ایک کیس میں میری مدد کرنی ہوگی۔'' جم نے پُر جوش لہجے میں کہا، پھر مارٹینا کے قتل اور جیکب کے سلسلے میں پوری رُوداد شروع سے آخر تک دُہراتا چلا گیا۔

جیکب اور مارٹینا کے ذکر پر جین اور ولیم دونوں پہلو بدلنے لگے۔ میں نے جم کی بات کا فوری جواب نہیں دیا، آنکھیں بند کر کے کوئی ایسا راستہ اختیار کرنے کے بارے میں غور کرنے لگا جو جم کو بھی مطمئن کر دیتا، جین اور ولیم کی بے چینی بھی دُور ہو جاتی۔ میں کچھ دیر سوچوں میں مستغرق رہا، پھر آنکھیں کھول کر جم کو سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

''میرا ایک مشورہ قبول کرو گے.....؟''

''کیا.....؟'' جم نے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔

''مارٹینا کی کیس فائل بند کر دو۔'' میں نے خلاء میں گھورتے ہوئے سرسراتی آواز میں کہا۔ ''میں محسوس کر رہا ہوں کہ اگر تم نے اس شخص کے بارے میں زیادہ چھان بین کی جسے تم نے جیکب کی حیثیت سے شناخت کیا تھا تو نادیدہ شیطانی قوتیں تمہارا جینا دوبھر کر دیں گی۔ میں بھی تفصیل میں جانے کی غلطی نہیں کروں گا، فی الحال صرف یہ بتا سکتا ہوں تمہیں جس شخص پر جیکب کا گمان ہے وہ جیکب نہیں، ایک بھٹکتی ہوئی بدرُوح تھی جو مارٹینا سے انتقام لینا چاہتی تھی..... مجھے افسوس ہے، میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''وہ رُوح تھی تو ہڈیوں کے پنجر کی شکل میں بھی کیوں باقی رہی؟'' جم نے وکیلوں کی طرح جرح کی۔ ''اگر وہ جیکب کی شکل وصورت اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی تو مکمل طور پر غائب بھی ہو سکتی تھی۔''

''میرا کہا مان لو جم.....'' میں نے اُسے اپنے لب و لہجے سے متاثر کرنے کی کوشش کی۔ ''تم ماورائی قوتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میری نظریں جو دیکھ چکی ہیں اس پر اعتماد کر لو۔ جتنا کریدو گے، بات اتنی ہی پیچیدہ ہوتی جائے گی۔''

''میں تمہارے حیرت انگیز کارناموں کا چشم دید گواہ ہوں۔'' جم نے تھوڑے توقف سے کہا۔ ''میں تمہارا مشورہ قبول کر لوں گا لیکن ایک شرط پر..... تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ جیکب کہاں گیا؟ جب تک مجھے اُس کا کوئی ٹریس (TRACE) نہیں ملتا، اُس کی شخصیت میرے ذہن میں کلبلاتی رہے گی۔''

''تم دولت علی کے سمجھانے کے باوجود اس بات پر کیوں بضد ہو کہ مارٹینا کے مرڈر میں جیکب ہی کا ہاتھ ہے؟'' جین نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے دلیل پیش کی۔ ''اگر تمہارے شبہے کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ جیکب کو میرے پاس ملازمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا وہ براہِ راست اپنا انتقام نہیں لے سکتا تھا؟''

''یہی سوالات مجھے بھی پریشان کر رہے ہیں۔'' جم اُلجھتے ہوئے بولا۔ ''کیس فائل بند کرنے کے لئے ہمیں کوئی نہ کوئی معقول وجہ تو بہرحال بتانی ہوگی۔''

''جم، میں تمہاری ذہنی کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے پہلو بدل کر کہا۔ ''دنیا میں ایسے بے شمار حیرت انگیز، پراسرار اور ناقابل یقین واقعات رُونما ہو چکے ہیں جن کے بارے میں آج تک کوئی توجیہہ نہیں پیش کی جا سکی۔ بڑے بڑے ماہرین، سائنسدان اور عالم وقت بھی بغلیں جھانکتے رہ گئے۔ پراسرار علوم سے متعلق دانشوروں کا مشورہ یہی ہے کہ ایسے معاملات کی چھان بین سے گریز کیا جائے۔ ورنہ حالات اور سنگین صورت اختیار کر لیتے ہیں۔''

''میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔ لیکن مارٹینا کے کیس میں یہ سوال بہرحال باقی رہ جاتا ہے کہ جیکب ملازمت چھوڑنے کے بعد کہاں روپوش ہو گیا؟''

''کیا تم کاغذات میں کہیں جیکب کا حوالہ دے چکے ہو.....؟'' میں نے اپنی تسلی کی خاطر دریافت کیا۔

''نہیں۔ لیکن میں ذاتی طور پر اُس وقت تک مطمئن نہیں ہوں گا جب تک جیکب کا کوئی سُراغ نہ مل جائے۔'' جم نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''میں نے اُسے بذاتِ خود مارٹینا کی لاش

کے پاس دیکھا تھا، میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میری نظروں نے دھوکہ نہیں کھایا۔"

جم ایک ذہین آفیسر تھا۔ وہ جو کہہ رہا تھا وہ غلط بھی نہیں تھا۔ یہ بات صرف میرے علم میں تھی کہ انکا کی لازوال قوتوں نے جین کو قانونی اُلجھنوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر جیک کو ہڈیوں کے پنجر میں تبدیل کر دیا تھا۔ میں جم کو کسی طرح مطمئن کرنے کی کوششوں میں مصروف تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، میں نے ریسیور اُٹھالیا۔ کال جم کے دفتر سے کی گئی تھی۔ کوئی ماتحت جم سے بات کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ریسیور جم کی طرف بڑھا دیا۔

"دولت علی۔" سارا نے مجھے مخاطب کیا۔ "مجھے یقین ہے کہ اگلی پیشی پر تم باعزت طور پر رہا کر دیئے جاؤ گے۔ جم بھی یہی کہہ رہا تھا۔"

"اس کے بعد ہم تمہاری صحت اور رہائش کا جشن ایک ساتھ منائیں گے۔" جین نے بڑے خلوص سے کہا۔ "تمہارے پاس آنے سے پیشتر میں اور ولیم راستے میں یہی پروگرام بنا رہے تھے۔"

میرے دل پر ایک گھونسہ لگا۔ میں کسمسا کر رہ گیا۔ انکا کی کوششوں نے جین اور جم کو ایک دوسرے سے خاصا قریب کر دیا تھا۔ لیکن میرے دل کے کسی گوشے میں جین کے ساتھ گزارے ہوئے تشنہ لمحوں کی کچھ حسین یادیں باقی تھیں، سارا نے بھی جین کے جملے سے کچھ اندازے قائم کر کے اُسے چونک کر دیکھا، میں سارا کی توجہ بٹانے کی خاطر بول پڑا۔

"تمہیں یاد ہے سارا؟ میں نے رابرٹ کو بے نقاب کرنے کی خاطر کس طرح اُس سراغرساں کے جسم میں تمہارے ڈیڈ لارڈ اسمتھ کی رُوح کو طلب کر کے گلوخلاصی حاصل کی تھی جو مجھ پر قاتل ہونے کا شک کر رہا تھا۔ اگر رابرٹ کی جیب سے زہر کی شیشی اور تمہاری ملزمہ لڑی کے سوٹ کیس سے دوسو پونڈ دستیاب نہ ہوتے تو شاید میں پھانسی پر لٹک چکا ہوتا۔"

سارا کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ جم جو کچھ دُور کھڑا فون پر بات کر رہا تھا، بوکھلایا ہوا درمیان میں آ گیا۔ اُس نے یقیناً کوئی ایسی خبر سنی تھی جس نے اُس کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔ وہ بری طرح نروس دکھائی دے رہا تھا۔ سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"دولت علی....." اُس نے مُردہ سی آواز میں مجھے مخاطب کیا۔ "تم نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا کہ اگر میں نے مارٹینا کے کیس میں زیادہ چھان بین کی تو نادیدہ قوتیں میرا جینا دوبھر کر دیں گی۔" اُس نے پریشانی کے عالم میں بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے اپنی بات

جاری رکھی۔ "ابھی فون پر میرے ماتحت نے اطلاع دی ہے کہ ہڈیوں کا پنجر جو ہماری تحویل میں تھا وہ بھی فرار ہو گیا....."

"فرار ہو گیا.....؟" جین نے حیرت سے وضاحت طلب کی۔ "یہ تم کیسی عجیب بات کر رہے ہو؟ تم سے یقیناً سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہو گی۔ ورنہ فرار ہونے والی بات....."

"نہیں....." جم نے دیوانوں جیسے انداز میں جین کا جملہ کاٹ کر کہا۔ "بنجمن مجھ سے اس قسم کا گھٹیا اور بیہودہ مذاق کرنے کی جسارت کبھی نہیں کر سکتا۔ جانتی ہو اُس نے فون پر مجھے کیا اطلاع دی ہے؟"

"کیا کہا ہے بنجمن نے.....؟" جین اور سارا نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

"ہڈیوں کا وہ پنجر اچانک زندہ انسانوں کی طرح اُٹھ کر ٹہلتا ہوا دفتر سے باہر چلا گیا، دفتر میں موجود عملہ اُسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا رہا۔ باہر گیٹ پر تعینات ایک مسلح گارڈ نے جرأت سے کام لے کر اُسے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اس وقت ہسپتال میں موجود ہے۔ دوسرے گارڈ کا بیان ہے کہ ہڈیوں کے اس ڈھانچے نے گارڈ کی مداخلت پر برہم ہو کر اتنی شدت سے ہاتھ گھما کر حملہ کیا تھا کہ اُس کے گال پر گہرا زخم پڑ گیا۔ تین دانت بھی ضائع ہو گئے۔" جم نے وحشت کے عالم میں سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "بنجمن اس وقت زخمی گارڈ کے ساتھ ہسپتال میں موجود ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ آفس کے باہر سڑک پر گزرتے ہوئے راہگیروں نے کسی ڈھانچے کو نہیں دیکھا۔ بنجمن نے قرب و جوار میں واقع دُکانداروں سے بھی تصدیق کر لی، کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ہمیں فوراً ہسپتال پہنچنا ہو گا۔"

جم بات مکمل کر کے تیزی سے دروازے کی جانب لپکا۔ سارا اور جین بھی بوکھلائے ہوئے انداز میں جم کے تعاقب میں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ولیم نے بھی رُکنا مناسب نہیں سمجھا۔ جاتے جاتے اُس نے ایک سرسری نظر مجھ پر ڈالی لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں بھی ایک لمحے کو دم بخود رہ گیا۔ پھر میرے ذہن میں انکا کا کہا ہوا جملہ گونجنے لگا.....

"میں کیا کچھ کر سکتی ہوں، اس کا علم تمہیں کچھ دیر میں ہو جائے گا۔"

میں اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ انکا کی قوت کا وہ انوکھا کرشمہ میری معلومات میں ایک خوشگوار اضافہ تھا۔ میں بے چینی نے اُس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا، وقت گزرتا رہا۔ رات کا کھانا میں نے اپنے کمرے میں ہی کھایا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور کہیں اُلجھ گئی ہو گی ورنہ

واپسی میں اتنی دیر نہ لگاتی۔

میں نے وقت گزارنے کی خاطر میلبا کو طلب کیا۔ وہ سہمی سمٹی کمرے میں داخل ہوئی۔ عدالت میں گواہی دینے کے بعد شاید وہ مجھ سے خوفزدہ تھی، اُس کے چہرے پر شادابی و تروتازگی کی بجائے سنجیدگی مسلط تھی۔ اس کیفیت میں بھی وہ حسین نظر آ رہی تھی۔

''میں معذرت خواہ ہوں سر۔'' اُس نے مدھم اور معصوم لہجے میں صفائی پیش کی۔ ''اگر میں گواہی نہ دیتی تو ہوٹل کی انتظامیہ مجھے برطرف کر دیتی، پولیس کے افسران اور کارندے کبھی میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔ میں..... بڑی مصیبت میں.....''

''جو ہو چکا اُسے خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔'' میں نے فیاضی کا ثبوت پیش کرنے کی خاطر اپنی بانہیں پھیلا دیں۔ اُسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ میں نے پیش قدمی کی، آگے بڑھ کر اُس کے سہمے ہوئے حسن کو بانہوں میں سمیٹا تو اُس کے چہرے کی رنگت نکھرنے لگی۔ وہ ذہین بھی تھی اور تجربہ کار بھی۔ پہلے بھی ایک بار میزبانی کے خاص فرائض کے نازک مرحلے سے گزر چکی تھی.....!!

رات میں کس وقت سویا مجھے یاد نہیں۔ دوبارہ انکا کے پنجوں کی تیز چبھن سے میری آنکھ کھلی تو رات کے تین بج رہے تھے۔ میلبا میرے پہلو میں بکھری پڑی تھی۔ میں نے انکا کی طرف دیکھا، وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ تیور بتا رہے تھے کہ اُس کے پاس میرے لئے کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔ میں نے کوئی سوال نہیں کیا، کچھ دیر خاموشی کے بعد اُس نے خود ہی کہا۔

''جمیل۔ ہمیں ہندوستان واپسی کے لئے اب اپنا رخت سفر باندھنے میں جلدی کرنی پڑے گی۔''

''کوئی نئی اطلاع.....؟''

''ہاں.....'' انکا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پُر خیال انداز میں جواب دیا۔ ''ہردوار میں بارہ برس بعد ہونے والا کمبھ کا میلہ پورے زور وشور سے جاری ہے، ہندوستان کے تمام بڑے پنڈت اور پجاری دُور دُور سے میلے میں شرکت کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اُن میں ہردوار میں واقع کالی کے بڑے مندر کا مہان پجاری پنڈت نول کشور بھی شامل ہے جو آج کل بڑی تیزی سے سر اُبھار رہا ہے۔ ہزاروں پنڈت اور پجاری اُس کے چیلے ہیں جو اُس

کے ایک اشارے پر اپنی جان بھی بھینٹ دینے کو ہر دم تیار رہتے ہیں۔''

''پنڈت نول کشور؟'' میں نے اپنے ذہن کو ٹٹولا۔ ''میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔''

''ہاں۔ پہلے وہ زیادہ مشہور نہیں تھا۔ لیکن کالی کے مندر کا پروہت ہونے کی وجہ سے اُس نے بہت جلد شہرت کے ساتھ ساتھ ایک اُونچا مقام حاصل کر لیا ہے۔ کالی اس پر بہت زیادہ مہربان ہے، بڑا کمینہ خصلت، عیار اور خطرناک آدمی ہے۔ اتنا خطرناک کہ اس سے زیادہ عمر کے پنڈت پجاری بھی اُس کے سامنے زبان کھولتے ڈرتے ہیں۔ حکومتی مشینری کے سربرآوردہ عہدیدار بھی اُس کی کسی بات کی مخالفت کرتے ہوئے گھبراتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم جیکب کے استخوانی پنجر کا قصہ پاک کرنے کی خاطر میرے سر سے اُتری تھیں۔'' میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''کیا رہا.....؟''

''جب تم سب کچھ جم کی زبانی سن چکے ہو تو مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہو.....؟'' وہ آلتی پالتی مار کر میرے سر پر بیٹھ گئی۔

''میری معلومات میں تمہاری حیرت انگیز صلاحیتوں کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔'' میں مسکرا کر بولا۔ ''ہڈیوں کا ایک پنجر پولیس کی تحویل سے نکل کر بھاگا، سراغرسانوں کے اعلیٰ دماغ معطل ہو گئے، ایک گارڈ شدید زخمی، اپنے تین دانت گنوا بیٹھا، دوسرے گارڈ کی پتلون خوف سے زرد ہو گئی، متاثرہ علاقے میں سخت خوف و ہراس، پولیس کے مسلح دستے شہر میں گشت لگاتے پھر رہے ہیں، تمام ہوائی اڈوں پر تعینات سیکورٹی کے عملے کو ریڈ الرٹ کا سگنل، شہر کے وسطی علاقے میں ایک ریٹائرڈ فوجی افسر کا حیرت انگیز بیان، اُس نے ایک انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے کو فضا میں دو سو فٹ کی بلندی پر پرواز کرتے دیکھا، پہلی نظر میں وہ یہی سمجھا تھا کہ سائنسدانوں نے نئی ساخت کا لڑاکا طیارہ ایجاد کیا ہے، ایک خاکروب نے ہڈیوں کے پنجر کو بیت الخلاء کی عقبی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا تو دہشت سے اُس کا ہارٹ فیل ہو گیا، شہر میں افراتفری، صاحب اقتدار لوگ سر جوڑے بیٹھے عوام کی بہتر خدمت پر غور وخوض کر رہے ہیں، وزیر داخلہ نے اس واقعہ کا سخت نوٹس لیا ہے، ایک پریس کانفرنس کے دوران اُنہوں نے حسب معمول بڑے ٹھوس اور دبنگ لہجے میں کہا کہ ملزم کو کیفر کردار تک پہنچانے میں حکومت کسی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرے گی، قانون شکنی اور دہشت گردی میں ملوث افراد سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا، اخباری نمائندوں نے

جب وزیر موصوف کو بتایا کہ بات کسی دہشت گرد یا اجتماعی زیادتی میں ملوث کسی فرد کی نہیں بلکہ انسانی ہڈیوں کے پراسرار پنجر کی ہے تو اُنہوں نے ڈائس پر رکھا ہوا پانی کا گلاس اُٹھایا، تیزی سے غٹاغٹ پانی پیا، پھر کانفرنس کو اگلے روز پر ملتوی کر کے واپس چلے گئے۔ دو گھنٹے بعد موصوف نے پولیس کے سربراہ کو اپنے دفتر میں طلب کر کے نادر شاہی حکم دیا کہ مجرم خواہ کوئی بھی ہو، اُسے بلا رعایت چوبیس گھنٹوں کے اندر گرفتار کیا جائے..... اگلے چوبیس گھنٹوں میں پنجر سے متعلق نہایت اہم اور سنسنی خیز اطلاعات متوقع ہیں۔'' میں نے زندہ دلی کا ثبوت دینے کی خاطر بائیں آنکھ دبا کر انکا سے کہا۔ ''اگر کل کے اخبارات میں اس قسم کی چھوٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ تمہاری اعلیٰ کارکردگی کا ذکر آ جائے تو تم راتوں رات عالمی شہرت حاصل کر لو گی، پورے لندن میں تمہارے نام کا ڈنکا بجنا شروع ہو جائے گا۔ بڑے بڑے پوسٹر نمایاں شاہراہوں پر اُونچی اُونچی بلڈنگوں پر لگے نظر آئیں گے۔ ہر زبان پر ایک ہی نام ہوگا..... انکارانی..... انکارانی..... انکارانی۔''

میری باتوں سے انکا کے چہرے کی سنجیدگی کافور ہو گئی، شوخیاں مچلنے لگیں۔

''میں یہی چاہتی ہوں جمیل۔ کہ تم ہمیشہ اسی طرح چہکتے رہو۔'' اُس نے والہانہ نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''تم نے بہت دُکھ جھیلے ہیں، بڑے صدمے برداشت کئے ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو اُس کا دل پھٹ جاتا۔ وقت نے تمہیں کبھی دو گھڑی آرام سے بیٹھنے کی فرصت نہیں دی۔ ایک ایک کر کے سب تمہارا ساتھ چھوڑ گئے، میری وجہ سے تمہیں اپنے ایک ہاتھ سے.....'' انکا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، چونک کر بولی۔ ''تم نے ابھی تک مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ تمہارا ہاتھ کس طرح ٹھیک ہوا؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے اُسے گھورا۔ ''کیا میں نے جو قوتیں حاصل کی ہیں وہ میرے کسی کام نہیں آ سکتیں؟''

''کلدیپ یا پریتم لال مہاراج.....؟'' انکا نے بڑی خوبصورتی سے میری بات ٹالتے ہوئے دریافت کیا۔

''پریتم لال۔'' میں نے عقیدت سے جواب دیا۔

''ہاں، مہاراج کی شکتی اپرم پار ہے، کلدیپ زندہ ہوتی تو مہاراج اُسے بھی آکاش کی بلندیوں سے اس پار پہنچا دیتے۔''

کلدیپ کا نام سن کر ماضی کی یادوں نے سر اُبھارا تو میرے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ انکا کو غلطی کا احساس ہوا تو جلدی سے موضوع بدلنے کی خاطر میلبا کے بکھرے ہوئے جسم اور بے ترتیب لباس کی سمت اشارہ کر کے بولی۔

''اسے اُٹھا کر دفعان کرو جمیل۔ مجھے تمہاری یہ بے شرمی اب ایک آنکھ نہیں بھاتی۔''

''یہ راستے بھی تم ہی نے دکھائے ہیں انکارانی۔'' میں نے ماضی کے جھروکوں میں جھانکا۔ ''تمہیں وہ دن یاد ہیں جب میں اپنے وطن اور والدین سے دُور ایک بلڈنگ کے معمولی فلیٹ میں رہتا تھا، سوا سو روپے ماہانہ تنخواہ کی خاطر ایک دفتر میں کلرکی کرتا تھا، بھوک لگتی تو کسی سستے سے ہوٹل میں جا کر کھانا کھا لیتا، چائے کی خواہش ہوتی تو فلیٹ پر اپنے ہاتھ سے تیار کر لیتا، رام دیال کی ماں نے سب سے پہلے مجھے تمہیں حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے انکار کر دیا، زندگی بڑے سکون اور آرام سے بسر ہو رہی تھی۔ میں راتوں رات کروڑ پتی بننے کا قائل نہیں تھا۔ لیکن تم نے..... ہاں انکارانی، تم نے از خود میرے سر پر قبضہ جما لیا، تمہارے ہی کہنے پر میں نے اُس موٹے کرسچین افسر کا سر پھاڑ دیا جس نے دفتر لیٹ پہنچنے پر مجھے سخت سست کہا اور ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔ میں کوئی اور ملازمت ڈھونڈ لیتا مگر تم نے مجھے اپنے اشاروں پر ناچنے کو مجبور کر دیا، تم اپنے نوکیلے پنجوں کی تیز چبھن سے میرے اعصاب پر قبضہ جما لیتی تھیں، میں تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔''

میں نے ایک طویل سانس لے کر بات جاری رکھی۔ ''ایک بار میں نے بڑی عاجزی سے درخواست کی تھی کہ اپنے لئے کسی اور کا انتخاب کر لو۔ تم نے سرد لہجے میں میری التجا رد کر دی۔ اس کے بعد ہماری رفاقت بڑھتی گئی۔ دولت اور شہرت ہر انسان کی بنیادی کمزوری ہے۔ تم نے مجھے فرش سے اُٹھا کر عرش پر پہنچا دیا، میں نے بھی ہواؤں میں اُڑنے کا ڈھنگ سیکھ لیا۔ یہ سب تمہاری ہی نوازشیں ہیں۔''

میں نے ایک لمحے کو خاموش ہو کر انکا کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لیا، پھر بے تکلفی سے بولا۔ ''تمہیں ایک بات بتاؤں انکارانی، جب تم میرے سر پر آئی تھیں اُس وقت میں نے اپنے ذہن کے کینوس پر ایک ڈیڑھ بالشت کی لڑکی کی خیالی تصویر بنائی تھی، نازک، حسین، خوبصورت ناک نقشے والی، اُس کے چہرے پر بلا کا حسن تھا، اُس کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹوں پر مسکراہٹیں رقص کرتی تھیں، جھیل جیسی نیلی آنکھوں میں

کنول تیرتے نظر آتے، اُس کا گفتگو کا انداز بڑا دلبرانہ ہوتا، وہ مجھے عالم تصور میں بڑی شرمیلی شرمیلی، بھولی بھالی اور معصوم معصوم سی نظر آتی تھی لیکن.....''

''لیکن کیا جمیل؟'' انکا نے ہیجان انگیز انگڑائی لے کر میری آنکھوں میں جھانکا۔ مستی بھرے انداز میں بولی۔ ''کیا اب میں کسی سے کم ہوں؟ ایمان سے کہنا۔ ''تمہیں میری قسم۔''

میں جواب میں مسکرا دیا۔ میلبا کسمسانے لگی۔ اُس نے خوابیدہ انداز میں مجھے ہاتھ بڑھا کر دوبارہ قریب گھسیٹنے کی کوشش کی، رات اُس نے کچھ زیادہ پی لی تھی جس کا خمار ابھی تک ذہن پر طاری تھا۔ انکا لال پیلی ہوگئی۔

''جمیل، اسے گھسیٹ کر کمرے سے باہر پھینک آؤ۔ ورنہ میرا جذبۂ رقابت اسے جلا کر راکھ کر دے گا۔''

میں سمجھ رہا تھا کہ انکا نے بناوٹی غصے کا اظہار کیا تھا، میں نے اُس کی بات رکھ لی۔ میلبا کو جگا کر جانے کو کہا تو اُس کی آنکھوں میں شکوے شکایت کے رنگ گھلنے لگے۔ اُس نے کوئی احتجاج نہیں کیا، لڑکھڑاتی ہوئی اُٹھی، لباس سمیٹتی خاموشی سے باہر چلی گئی۔

''تم نے غور کیا جمیل صاحب؟'' انکا نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''یہ سفید فام معاشرے کی پروردہ لڑکیاں کس قدر بے شرم، بے باک اور آوارہ مزاج ہوتی ہیں۔ اُوپر سے اُجلی، اندر سے میلی۔''

''تم نے جیکب کا کیا کیا؟'' میں نے موضوع بدل دیا۔

''میں نے اُس کے استخوانی پنجر کو دریا برد کر دیا۔'' اُس نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ جم اب بھول کر بھی تم سے اُس کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کرے گا۔''

''ہمیں جین اور ولیم کے معاملے کو بھی خوبصورتی سے نمٹانا ہوگا۔'' میں نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔

''تم میرے ہوتے کوئی فکر نہ کرو۔ میں تمہاری اگلی پیشی سے پہلے مارٹینا کے وکیل کو قابو کر کے تمام جائیداد ولیم کے نام منتقل کرا دوں گی۔ اُن دونوں کی شادی بھی ہو جائے گی۔ اس کے لئے مجھے تمہارے سر سے دو ایک روز پھر دُور رہنا ہوگا۔''

''جو کچھ کرنا ہے جلدی کر ڈالو۔ میں بھی انسان ہوں، پتھر نہیں۔'' میں نے آزردگی کا اظہار کیا۔ ''جین کی شادی کے بعد لندن میں میرا دل نہیں لگے گا۔''

''ہمیں ویسے بھی جانا ہوگا۔'' انکا سنجیدگی سے بولی۔ ''میں پنڈت نول کشور کا ذکر بلاوجہ نہیں کر رہی۔ اُس نے اور اُس کے گرگوں نے سر جوڑ کر تمہارے خلاف مشورے کرنے شروع کر دیئے ہیں، ہمیں اُن کو بروقت کوئی سبق پڑھانا ہوگا۔''

''نول کشور کو مجھ سے کیا پرخاش ہے.....؟''

''وہ بدذات بدری نرائن کا ہمنوا تھا۔'' انکا نے سرد لہجے میں کہا۔ ''پہلے بزدلوں کی طرح الگ تھلگ بیٹھا تماشہ دیکھتا رہا، اب دو چار جنتر منتر سیکھ لئے ہیں تو اُونچا اُڑنے کے خواب دیکھ رہا ہے، ہمیں اُس کا جتھا توڑنا ہوگا ورنہ وہ کنجر نچلا نہیں بیٹھے گا۔ کالی کے آشیرواد نے اُسے بڑا گھمنڈی بنا دیا ہے، اُونچے سُروں میں بات کرنے لگا ہے۔''

''کیسی عجیب بات ہے۔'' میں نے زہر خند سے کہا۔ ''جب کپالا اور نندا کی تعلیم نے مجھے صلح و آشتی کے ساتھ زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا اُس وقت بھی میں سکون کی زندگی نہیں گزار سکا۔ میں نے شاکیہ منی کے قدموں تک پہنچنے کے بعد زندہ رہنے کی خاطر اپنے انداز، اپنے تیور بدل ڈالے لیکن نتیجہ کیا برآمد ہوا؟ بدری نرائن کو امرلال جیسے مہان پنڈت کی خوشنودی حاصل ہوگئی، دشمنوں نے پھر میرے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا، میں ٹکراؤ سے بچنے کی خاطر خود پر جبر کرتا رہا، درگزر سے کام لیتا رہا، ظلم برداشت کرتا رہا..... پھر ایک دن میرے اندر بھری ہوئی بارود پر کوئی چنگاری ایسی گری کہ میں بھڑک کر شعلہ بن گیا۔ میں نے ایک ایک کر کے سب کو تہس نہس کر دیا۔ بدری نرائن کتوں کی موت مارا گیا۔ امرلال کا عبرتناک انجام بھی تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میری کلدیپ نے کالی کے قدموں میں زندگی کا نذرانہ پیش کر دیا، سب کچھ ختم ہوگیا۔ میں موت کا منتظر تھا جب جین نے آ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ لندن آتے وقت میں نے تم کو بھی الوداع کہہ دیا۔ میں باقی زندگی سکون سے گزارنا چاہتا تھا مگر قسمت نے میرے قدموں میں چکر لکھ دیا ہے، اب تم بتا رہی ہو کہ پنڈت نول کشور میرے خلاف سر اُٹھا رہا ہے، پریتم لال نے بتایا تھا کہ امرلال کا نوجوان بیٹا چندرا بھی کہیں منڈل میں دُھونی رمائے بیٹھا ہے، فتنے پھر جاگ رہے ہیں، میں کب تک برسرِ پیکار رہوں گا؟..... کب تک؟ کبھی سکون سے زندگی گزارنے کا موقع ملے گا بھی یا نہیں؟''

''ایسی مایوسی کی باتیں مت کرو جمیل۔'' انکا میرے جذبوں میں بھونچال آتا دیکھ کر سٹپٹا

گئی۔ ''میں ہوں نا تمہارے ساتھ، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''پہلے بھی تم میرے ساتھ تھیں۔'' میں مسکرا دیا۔ ''کسی کے ساتھ ہونے نہ ہونے سے کچھ نہیں ہوتا انکارانی، انسان بڑا بے بس، بڑا لاچار ہے۔ اسے اپنی کرنی آپ بھگتنی پڑتی ہے۔''

انکا سے کوئی جواب نہیں بن پڑا، پہلو بدلنے لگی۔ میں نے بھی بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ رات گزر گئی، صبح میں دیر سے بیدار ہوا، انکا سر پر نہیں تھی۔ میں نے اُٹھ کر غسل کیا، تیار ہو کر نیچے چلا گیا۔ ہوٹل کا منیجر لاؤنج میں کھڑا کسی امریکی سیاح سے پبلک ریلیشننگ کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ میں مسکراتا ہوا ڈائننگ ہال کی طرف نکل گیا، وہاں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ میں نے اپنے لئے ایسی نشست کا انتخاب کیا جہاں بیٹھ کر میں باہر کا نظارہ بھی کر سکتا تھا، آس پاس کوئی اور نہیں تھا۔ میں باہر سڑک پر دوڑتے بھاگتے لوگوں اور گاڑیوں کے ہجوم کو دیکھنے لگا۔

''میں کوئی خدمت کر سکتی ہوں سر؟'' ایک نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، ایک نوعمر سیاہ فام ویٹرس ہاتھ میں آرڈر بک لئے کھڑی پروفیشنل انداز میں مسکرا رہی تھی۔ اُسے دیکھ کر مجھے جیوری کی ممبر مورینا یاد آ گئی۔ میں اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ اُس کے پاس کسی ہندوستانی کے لئے زیادہ وقت نہیں تھا، میں واقف تھا، سیاہ فام طبقے کے غیر ملکی سفید فام افراد سے زیادہ گھلنے ملنے سے پرہیز کرتے ہیں، رنگ و نسل کے معاملے میں بہت زیادہ حساس اور قدامت پسند ہوتے ہیں، ٹورسٹ کے ساتھ بھی زیادہ بے تکلف ہونے اور گھلنے ملنے سے پرہیز کرتے ہیں، امریکہ کی طرح وہ لندن میں بھی اپنی الگ تھلگ کالونیوں میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟ میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا لیکن سفید فام لوگوں نے اپنے سیاہ فام شہریوں کے لئے جرائم میں ملوث ہونے اور منشیات کی عِلّت میں مبتلا ہونے سے متعلق بڑی کہانیاں بنا رکھی ہیں، نفرت کا اظہار کرنے کے ڈھنگ بھی نرالے ہوتے ہیں۔

''اس وقت آپ کو ریگولر بریک فاسٹ نہیں مل سکے گا۔'' اُس نے دیوار گیر کلاک کی سمت دیکھ کر مہذب انداز میں کہا۔ ''ہم وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ یین غیر ملکی مہمانوں کے لئے.....''

''میں چکن سینڈوچ اور کافی پسند کروں گا۔'' میں نے اُس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

اُس نے کھڑے کھڑے میرا آرڈر نوٹ کیا، پھر مشینی انداز میں واپس چلی گئی۔ میں نے دوبارہ باہر سڑک پر رواں دواں زندگی کے ہنگاموں میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ کچھ دیر بعد وہی ویٹرس بڑی نفاست سے میز پر میرا آرڈر سرو کر رہی تھی۔ میں دلچسپی سے اُسے دیکھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ میری نگاہوں کی تپش پا کر وہ بھی میری سمت ضرور دیکھے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ انکا سر پر ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔ وہ پل بھر میں میری گرویدہ ہو جاتی، میرے قدموں میں بکھرنے، میری بانہوں میں سمٹنے کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتی۔ میں اپنی قوتوں سے بھی اس پتھر دل نوخیز دوشیزہ کو پگھلا سکتا تھا مگر میں نے گریز کیا۔ پریتم لال کے علاوہ نندا نے بھی مجھے منع کیا تھا کہ ماورائی قوتوں کا غلط استعمال انسان کو غلط راہ پر ڈال دیتا ہے۔ انسان، انسان نہیں رہتا نفس کا غلام بن جاتا ہے۔ نفس پرستی اُسے صراطِ مستقیم سے دُور کر دیتی ہے، وہ بھٹک جاتا ہے، گمراہ ہو جاتا ہے، گمراہی اندھیروں کی پیداوار ہے۔ اندھیرے زیادہ پائیدار نہیں ہوتے، بہت جلدی دم گھٹنے لگتا ہے، قوتیں چھن جانے کا خطرہ بھی لاحق ہوتا ہے۔

نندا کہا کرتا تھا۔ ''ضبط سب سے بڑی نیکی ہے، اس کے سوا نیکی کچھ نہیں ہوتی۔ ضبط کرنے کی مشق کر۔ تیرے اندر نئے نئے جوہر پیدا ہوں گے۔ ایثار اور ضبط قائم رکھے گا تو دھرتی کی کوئی شکتی تجھے کشٹ نہیں پہنچا سکے گی، کوئی دُکھ نہیں ہوگا، من شانت رہے گا۔ یہی منش کے لئے سب سے بڑا سکھ ہے۔ میں تجھے انسان بنانا چاہتا ہوں..... انسان جو اس پاپی سنسار میں آ کر جانور بن جاتا ہے۔ میرا کہا مان تو آنکھوں کی کھڑکی بند کر دے، من کے دوار کھول لے۔ تجھے ہر طرف شانتی ہی شانتی نظر آئے گی..... اپنی دنیا میں واپس جانے کے بعد بھی نندا کی باتیں یاد رکھنا، میری باتیں گرہ سے باندھ لے۔ سنسار میں اہنسا، درگزر، تیاگ اور تپسیا کے سوا کچھ اور نہیں رکھا، باقی جو نظر آتا ہے وہ سب دھوکا ہے، فریب ہے۔ میں تجھے جو شکتی دان کر رہا ہوں کبھی اس کا غلط استعمال نہ کرنا، سب کچھ سینت کر رکھنا۔ ہاں..... اگر دشمن تیرے پیچھے لگ جائیں، تیرا سکھ چین زبردستی چھیننے کی کوشش کریں تو اپنے بچاؤ کے کارن قدم اُٹھا سکتا ہے.....''

میرے ذہن میں نندا کی نصیحتیں گونجتی رہیں، نظریں سیاہ فام حسینہ کے حسن و جمال کا طواف کرنے میں مشغول تھیں۔ نندا نے جو کچھ کہا وہ سچ تھا لیکن اس کے بعد جو میرے اُوپر بیتی وہ بھی جھوٹ نہیں ہے۔ میں نے اپنے بچاؤ، اپنے تحفظ کی وجہ سے نندا کی باتوں کو فراموش کر دیا۔ درگزر کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ بات حد سے تجاوز کرنے لگے تو زندگی برقرار رکھنے کی خاطر انسان کو اپنا دفاع کرنا پڑتا ہے۔ میں نے بھی بات حد سے گزر جانے کے بعد بدری نرائن کو مارنے کی ٹھانی تھی، جب تک میں صبر و تحمل سے کام لیتا رہا وہ شیر بن کر میرے تعاقب میں لگا رہا۔ جب میں نے مُڑ کر اُس کی آنکھوں سے آنکھیں چار کیں تو گیدڑ بن کر کالی کے مہان سیوک امر لال کی اوٹ میں دبک گیا۔ اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرنے لگا، ہیجڑوں کی طرح دُور کھڑا تالیاں بجا بجا کر میرے ساتھ مذاق کرتا رہا۔ میں نے اُس کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔ امر لال بھی کلدیپ سے پنجے لڑانے کی حسرت دل میں لئے جہنم رسید ہو گیا۔ آگ بھڑکی تو میری کلدیپ بھی اس کے شعلوں سے دامن نہ بچا سکی۔ کلدیپ کا ساتھ چھوٹا تو میری زندگی اندھیری ہو گئی۔ نندا نے جو چراغ روشن کئے تھے وہ بھی بجھ کر دُھواں دینے لگے۔ اہنسا کی تعلیم، درگزر اور ضبط سے کام لینے کی ساری نصیحتیں دھری کی دھری رہ گئیں..... میں جین کے جذبوں سے ہار کر لندن چلا آیا، کلدیپ کی جدائی مجھے اندر ہی اندر کھوکھلا کرتی رہی۔ میں نے خودکشی کی ٹھان لی، پریتم لال عین وقت پر درمیان میں نہ آ جاتا تو کہانی ختم ہو جاتی۔ اُس نے مجھ سے زندہ رہنے کا وعدہ لیا، کلدیپ کے ادھورے مشن کو پورا کرنے کا احساس دلایا، میری پشت پناہی کا وعدہ کیا، میرا حوصلہ بڑھایا تو میں زندگی کی طرف واپس لوٹ آیا، جین کے فارم ہاؤس میں دو مہینے تک ارتکاز اور مراقبے کی مشق کے بعد میں نے اپنی کھوئی ہوئی قوتیں دوبارہ حاصل کر لیں۔ لیکن ان قوتوں کا غلط استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ میں چاہتا تو بے نیازی کا اظہار کرنے والی سیاہ فام لڑکی کا غرور اور تکبر توڑ دیتا، مخفی قوتوں کو نظروں میں سمیٹ کر اُسے گھورتا، وہ جل کر راکھ ہو جاتی، میرے ہاتھ کچھ نہ آتا۔ انکا پلک جھپکتے میں اُسے میری آغوش کی زینت بنا سکتی تھی۔ میں اُس کی غیر موجودگی میں صرف آنکھیں سینک سکتا تھا، میں نے اسی پر اکتفا کی۔ وہ ناشتہ سرو کر کے چلی گئی۔ میں اُسے ذہن سے جھٹک کر مورینا کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ سیاہ فام حسینہ بھی مجھے پہلی نظر میں اچھی لگی تھی۔ اُس کی نظروں میں، میں نے اپنے لئے

التفات کی جھلکیاں بھی محسوس کی تھیں۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجے تو اس کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے، زبردستی کے سودے میں نقصان کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ مورینا کے سلسلے میں انکا کی فرمائش بھی مجھ پر قرض ہو چکی تھی، میں نے ایک عرصے سے اُسے انسانی خون فراہم کرنے کا معاہدہ توڑ رکھا تھا۔ اُس نے کبھی تجدید عہد کے لئے تقاضا بھی نہیں کیا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں ہوٹل سے باہر آ گیا۔ لندن کا موسم ہمیشہ خوشگوار رہتا ہے۔ میں دو تین گھنٹوں تک بازاروں کا بے معنی چکر لگاتا رہا، ونڈو شاپنگ سے دل بہلاتا رہا، جین سے وابستہ یادوں کو بھلانے کی کوشش کرتا رہا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ لندن سے واپسی کی اطلاع کسی کو نہ دُوں گا، جین کو الوداع کہنے کے بعد کسی اور سے رُخصتی مصافحہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

دوپہر کو تھکا ہارا ہوٹل واپس آیا تو کاؤنٹر کلرک نے بتایا کہ جم کے دفتر سے کئی فون آ چکے ہیں۔ میں نے کمرے میں جا کر کچھ دیر آرام کیا، پھر جم کو کال کیا۔

''دولت علی، تم کہاں چلے گئے تھے؟ میں تمہیں متعدد فون کر چکا ہوں۔'' فون جم ہی نے ریسیو کیا تھا۔ گفتگو کے انداز ہی سے بوکھلاہٹ عیاں تھی۔

''بہت زیادہ پریشان لگ رہے ہو.....؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟ اس وقت مجھے کسی نائٹ کلب میں جا کر خوشیاں منانی چاہئیں؟''

''مارٹینا کا کیس اُلجھ گیا ہے شاید۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے تمہیں پہلے ہی مشورہ دیا تھا کہ جیکب کو ذہن سے نکال دو۔''

''خاک ڈالو جیکب اور مارٹینا پر۔'' وہ رو دینے والی آواز میں بولا۔ ''تمہیں اب میرے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا، اس کے بغیر میں تمہیں لندن سے واپس جانے کی اجازت نہیں دُوں گا۔''

''بات کیا ہے.....؟''

''بگمن نے مجھے انفارم کرنے کے بعد اُوپر کے افسروں کو بھی حالات کی اطلاع دے دی۔ گارڈ کے زخمی ہونے کی وجہ سے وہ بہت نروس ہو گیا تھا۔'' جم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اب اُوپر سے مجھے حکم ملا ہے کہ دس روز کے اندر اندر مارٹینا کے قاتل یا قاتلوں کا سراغ لگاؤں۔ ناکامی کی صورت میں مجھے معطل بھی کیا جا سکتا ہے، سزا کے طور پر

ہیڈ کوارٹر میں پوسٹنگ ہو سکتی ہے۔"

"گویا ہڈیوں کے پنجر کی شیطانی قوتوں نے تمہیں پریشان کرنا شروع کر دیا۔" میں نے جان بوجھ کر مفہوم انداز اختیار کیا۔

"میں اسی وقت تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ تفصیل سے بیٹھ کر بات ہو گی۔"

"نہیں....." میں نے سنجیدگی سے اُسے ٹالنے کی کوشش کی۔ "موجودہ حالات میں تمہارا بار بار میرے پاس آنا مناسب نہیں ہو گا۔"

"کیوں.....؟"

"ہر بات کی وجہ جاننے کی ضد مت کیا کرو۔ میں نے تمہیں پہلے بھی تنبیہ کی تھی۔" میں نے قدرے درشت آواز میں جواب دیا۔

"دولت علی۔ میری مدد کا وعدہ کرو۔" جم بچوں کی طرح منتیں کرنے لگا۔ "اگر دس روز کے اندر تم نے کوئی حل نہ تلاش کیا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

"ایسا ہوتا ہے جم۔ میں بھی کچھ ایسے ہی حالات سے دوچار ہوں۔" میں نے کمزور آواز میں کہا۔ "ایک جھوٹے کیس میں ملوث ہونے کے بعد اب ہوٹل والوں کے برتاؤ میں بھی زمین آسمان کا فرق پیدا ہو گیا ہے۔"

"کس کی موت آئی ہے جو میرے ہوتے ہوئے تمہاری طرف ٹیڑھی نظروں سے دیکھے۔" میرا تیر ٹھکانے پر بیٹھا۔ جم کو میری مدد درکار تھی، وقت پر انسان گدھے کو باپ بنا لیتا ہے میں تو اُس پر ایک احسانِ عظیم پہلے بھی کر چکا تھا۔ وہ گرجدار آواز میں بولا۔ "دولت علی، مجھے اُس کا نام بتاؤ، صرف دس منٹ کے اندر اندر تمہیں احساس ہو جائے گا کہ جم تمہارے لئے کیا کر سکتا ہے۔"

"میں کسی فردِ واحد کی بات نہیں کر رہا۔" اس بار میں نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ "ہوٹل کی پوری انتظامیہ بے اعتنائی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ میں نے زمین اور نالی میں رینگنے والے کیڑوں کی طرف نظر نہیں اُٹھائی۔ ورنہ اگر چاہتا تو....."

"میں سمجھ گیا دولت علی۔" جم میرے جملوں کا مفہوم بھانپ گیا۔ "میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ لندن میں تمہیں ہمیشہ میرے مہمان کی حیثیت حاصل رہے گی اور کوئی میرے مہمان کی طرف سے غفلت کا مرتکب ہو۔ ایسا دوبارہ کبھی نہیں ہو گا۔"

"جم....." میں نے دل ہی دل میں مسکرا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں شاید دس روز تک لندن میں نہ ٹھہر سکوں۔ میری واپسی ضروری ہے۔ لیکن جانے سے پہلے تمہارا کام ہو جائے گا۔ ایک بات اور بھی ذہن نشین کر لو۔ تم میری واپسی والی بات کا تذکرہ کسی اور سے نہیں کرو گے، سارا سے بھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن....."

میں نے جم کو بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا، ٹھوس لہجے میں بولا۔ "ہڈیوں کے پنجر نے ایک بے گناہ گارڈ کو زخمی کر کے ان پابندیوں کی خلاف ورزی کی ہے جو نادیدہ قوتوں پر بھی عائد ہوتی ہیں۔ تم تفصیل معلوم کرنے کی ضد نہ کرنا۔ میں اب تمہیں اتنا اور بتا سکتا ہوں کہ ہڈیوں کا فرار ہو جانے والا پنجر بھی کسی خطرناک شخصیت کے اشارے پر عمل کر رہا تھا۔"

"دولت علی....." جم نے تھکے تھکے لہجے میں اپنی ضعیف الاعتقادی کا ثبوت دیا۔ "تمہاری پراسرار باتیں میرے سر سے گزر رہی ہیں۔ پہلے تو تم نے کہا تھا کہ وہی بدروح اپنا انتقام لینے کی خاطر....."

"صرف آم کھانے سے تعلق رکھو۔" میں نے اُس کا جملہ درمیان سے اُچکتے ہوئے خفگی کا اظہار کیا۔ "پیڑ گننے کی حماقت کرو گے تو شاید ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جائے... میں کوشش کروں گا کہ اصل مجرم سامنے آ کر مارٹینا کے قتل کے سلسلے میں اعترافِ جرم کر لے۔"

میں نے جملہ مکمل کرنے کے بعد فون کریڈل پر واپس رکھ دیا۔ جم نے میرے اندازے کے مطابق دوبارہ فون کرنے کی غلطی نہیں کی۔ وہ میری باتوں سے یقیناً خوفزدہ ہو گیا ہو گا۔ اب وہ دو اور دو چار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ انکا نے ہڈیوں کے پنجر کے ساتھ جو خطرناک کھیل کھیلا تھا اُس نے محکمہ سراغرسانی کے اعلیٰ دماغوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سر جوڑے بیٹھے منطقیں بگھار رہے ہوں گے، اپنا قیمتی وقت برباد کرنے میں مصروف ہوں گے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اُنہوں نے بلیک میجک کرنے والے دو چار شعبدہ بازوں کو بھی جمع کر رکھا ہو۔ میں جانتا تھا وہ تضیع اوقات کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکیں گے، ڈور کا کوئی سرا اُن کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ انکارانی کی لازوال قوتیں اُن کی ذہنی رسائی کی پہنچ سے بھی بالاتر تھیں۔ میں نے جم سے پیچھا چھڑانے کی خاطر اُسے بڑی دُور اندیشی سے دُور دُور رہنے کی تاکید کر دی تھی۔ وہ میری ذات سے چپک جاتا تو بہت سارے کام ادھورے رہ جاتے۔

میں فون نبد کر کے کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے لیٹنا چاہتا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میرے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ اُبھر آئی، مجھے علم تھا کہ اس وقت بغیر طلب کئے کون آیا ہوگا؟ میں نے اُٹھ کر اعتماد سے دروازہ کھولا، میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ دروازے پر ہوٹل کا وہی مینجر ہاتھ باندھے کھڑا تھا صبح مجھے دیکھ کر جس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی تھی۔ جم نے میری شکایت پر عمل کرنے میں خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں نے مینجر کو گھور کر دیکھا، پھر نفرت سے منہ پھیر کر دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔

''سر.....'' وہ غلاموں کے انداز میں ہاتھ باندھے باندھے میرے پیچھے لگا رہا۔ جم نے یقیناً ہوٹل کی انتظامیہ کی کسی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہوگا ورنہ سفید فام لوگوں کی تنی ہوئی گردنیں کم از کم کسی ہندوستانی کے آگے جھکنا گوارا نہیں کرتیں۔

''کیا ہوٹل کی انتظامیہ مجھے دو چار روز اور برداشت نہیں کر سکتی؟'' میں نے دیدہ و دانستہ جھلا کر کہا۔ پلٹ کر اُس کے چہرے کے تاثرت نہیں دیکھے۔

''آپ کا اندازہ غلط ہے سر۔ میں دراصل کسی اور وجہ سے.....''

''میں سمجھ رہا ہوں مسٹر مینجر۔'' میرے لہجے کی تلخی کچھ اور سوا ہوگئی۔ ''میں نے صبح تمہاری پیشانی پر اُبھرنے والی آڑی ترچھی سلوٹوں سے ایک نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔ تم اور تمہارے کارندے مجھے سکون سے نہیں رہنے دیں گے۔ ٹھیک ہے۔'' میں نے اس بار پلٹ کر ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''مجھے صرف آج کی رات اور گزار لینے دو، صبح میں ہوٹل چھوڑ دُوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''آپ ہوٹل نہیں چھوڑیں گے سر.....'' اُس نے بدستور دونوں ہاتھ ناف پر باندھ رکھے تھے، گردن جھکائے بڑی لجاجت سے بولا۔ ''اگر آپ نے ہوٹل چھوڑ دیا تو ہماری ملازمتیں بھی ختم ہو جائیں گی۔''

''میرا مذاق اُڑانے کی کوشش کر رہے ہو.....؟'' میں نے اُس کی بے بسی پر سنجیدگی سے ایک تھپڑ اور رسید کیا۔

''آئی ایم سوری سر۔'' اُس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''ہم نے آپ کو پہچاننے میں غلطی کی تھی۔ میں معافی کا خواستگار ہوں۔ مالکان نے بھی معذرت کی درخواست کی ہے، آئندہ آپ کو کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ عملے کے تمام ارکان کو سختی سے ہدایت کر دی گئی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' میں نے اس بار زہر خند سے کہا۔ ''تم لوگ آئندہ سے میرا بوٹ پالش کرنے سے بھی انکار کی جرأت نہیں کرو گے، کیوں مینجر، میں نے غلط تو نہیں کہا؟''

مینجر نے نظریں جھکا لیں، ہاتھ ملنے لگا۔ میں نے تحکمانہ انداز میں ''گٹ آؤٹ'' کا فرمان جاری کیا۔ وہ کسی پالتو کتے کے انداز میں دُم ہلاتا واپس چلا گیا، میری رگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ میں چاہتا تو براہِ راست انتظامیہ کے لوگوں کو اپنی قوتوں کے ذریعے تلوے چاٹنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن ایک گندمی رنگت رکھنے والے کے اشارے پر ایک سفید فام دوسرے سفید فام کو جھکنے اور ہاتھ جوڑ کر معافی طلب کرنے پر مجبور کرے، اس کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے.....!!

تین دن گزر گئے..... اس دوران جم اور جین دونوں کے فون آتے رہے۔ جم نے شاید جین کو بھی براہِ راست مجھ سے ملنے کو منع کر دیا تھا۔ انکا میرے سر پر واپس نہیں آئی۔ جین کی طویل باتوں سے مجھے اندازہ ہوتا رہا کہ انکا اپنے کام بڑی تیزی سے نمٹا رہی ہے۔ جین، ولیم کا ذکر کرتی تو میرے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے۔ میں موضوع بدل دیتا۔ جین کچھ دیر بعد کسی اور بہانے سے پھر ولیم کا تذکرہ چھیڑ دیتی۔ تیسری رات میں میلبا کی کمر میں بانہیں ڈالے، بالکونی میں کھڑا ہر طرف پھیلی گہری دُھند کی لطیف ٹھنڈ سے لطف اندوز ہو رہا تھا جب ولیم آ گیا۔ میلبا میرا اشارہ پا کر چلی گئی۔ ولیم کے چہرے پر خوشی دمک رہی تھی۔ میلبا کے جاتے ہی وہ بے اختیار مجھ سے گلے لگ گیا۔ اُس کا انداز والہانہ تھا، مجھے خوشی ہوئی۔ انکا نے غالباً مارٹینا کے وکیل کو اپنے اشاروں پر ناچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو آج تمہیں وہ سب کچھ مل گیا جس کے تم جائز حقدار تھے۔''

''میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں؟'' اُس کی آنکھیں نمناک ہونے لگیں۔ ''اگر میرا کوئی اپنا بزرگ بھی ہوتا تو وہ نہ کرتا جو آپ نے کیا ہے۔ میں آپ کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا، آج آپ کی اُن ماورائی قوتوں کا بھی قائل ہوگیا جن کے قصے جم بیان کرتا تھا۔''

''بھول جاؤ اُن سب باتوں کو۔'' میں نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''یہ بتاؤ کہ اب اپنے گھر میں کب منتقل ہو رہے ہو؟''

''کبھی نہیں.....'' وہ یکلخت جذباتی ہوگیا۔ ''اُس گھر کے در و دیوار سے ایسی تلخ یادیں

وابستہ ہیں کہ شاید میں وہاں ایک لمحہ بھی سکون کا سانس نہ لے سکوں۔ ماضی کی باتیں مجھے کچوکے لگاتی رہیں گی۔''

''پھر کیا سوچا ہے.....؟''

''میں اُس گھر کو بیچ دُوں گا، ایک نیا گھر آباد کروں گا۔'' وہ مجھے اپنے آئندہ کے منصوبے بتاتا رہا، میں توجہ سے اُس کی باتیں سنتا رہا۔ اُس نے درمیان میں ایک بار بھی جین کا نام نہیں لیا۔ شاید وہ ابھی تک سارا اور جم کی ان باتوں کی نفی نہیں کر سکا تھا جو اُسے میرے اور جین کے بارے میں بتائی گئی تھیں۔ میں اُس کی معصومیت، اُس کے خلوص، اُس کے جذبوں کو محسوس کرتا رہا۔ اچانک وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں، اس شرط پر کہ آپ اسے رد نہیں کریں گے۔''

''مجھے منظور ہے۔ لیکن ایک وعدہ تم بھی کرو۔'' میں نے فرار کے ایک راستے کی گنجائش نکال کر کہا۔ ''تم کوئی ایسی بات نہیں کہو گے جس سے مجھے دُکھ پہنچے۔ خلوص اور محبت انمول ہوتے ہیں، ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔''

ولیم میری بات سن کر کسمسانے لگا، سوچ میں پڑ گیا۔ میں اُس کی ذہنی کشمکش کو محسوس کرتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ ''ایک صورت ہے جو تمہاری شرط اور میری بات کا حل نکال سکتی ہے۔''

''وہ کیا.....؟'' ولیم نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''کچھ نہ کہو.....'' میں نے بزرگانہ لہجے میں بڑے پیار سے کہا۔

''آپ بہت گریٹ، بڑے عظیم ہیں مسٹر دولت علی۔'' ولیم نے لاجواب ہو کر کہا۔ ''میں آپ کے احسانوں کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکوں گا۔''

''تم اور جین ساتھ ہو کر خوشگوار زندگی گزارو، میرے لئے یہی سب سے بڑا انعام ہو گا۔'' میں نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔ ''نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔ جین سے شادی کے مسئلے پر تمہاری کوئی بات ہوئی؟''

''جین ایک دو روز میں آپ سے ملنے کے بعد کوئی آخری فیصلہ کرے گی۔''

میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی، ولیم کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا، میں اُس کے جملے پر غور کرنے لگا۔ ''جین مجھ سے ملنے کے بعد کوئی آخری فیصلہ کرے گی۔'' میرے ذہن میں

آندھیاں چلنے لگیں، ان گنت سوالات گڈمڈ ہونے لگے۔ کیا جین انکا کی کوششوں کے باوجود مجھے فراموش نہیں کر سکی؟ کیا ابھی تک اس ہنڈولے پر جھول رہی ہے جس پر میں اُس کے ساتھ تھا؟''

میرا ذہن وسوسوں سے دوچار تھا جب میلبا دوبارہ آ گئی۔ وہ مجھ سے کچھ زیادہ ہی مانوس ہو گئی تھی۔ مجھے اندازہ تھا سفید فام عورتیں، گندمی رنگ والے مشرقی شہزادوں کے والہانہ اور پُرزور اندازِ محبت کی شیدائی ہوتی ہیں۔ میں جین کے خیالوں میں بکھرا تھا۔ میلبا نے مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر لوری دی تو وقتی طور پر سکون آ گیا۔ ایک رات اور گزر گئی۔

صبح میں نے ناشتہ اپنے کمرے میں منگوا لیا، میری پیشی میں صرف دو دن اور رہ گئے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے جین کو فون کیا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتی ہے۔ اس کا بھید معلوم کر لینے کے بعد ہی میں بساط کے مُہروں کی چالیں بدلنے پر غور کر سکتا تھا۔ تین گھنٹیاں بجنے کے بعد دوسری جانب سے ماریا کی گنگناتی آواز سنائی دی۔

''کیسی ہو ماریا.....؟''

''اوہ، مسٹر دولت علی۔'' اُس کے لہجے میں خوشی کے رنگ چھلک اُٹھے۔ ''میں ابھی آپ کو یاد ہی کر رہی تھی۔''

''کیوں؟'' میں نے شوخی سے دبی زبان میں سوال کیا۔ ''کیا مورگن پھر چلا گیا؟''

''اب وہ مجھے چھوڑ کر کبھی نہیں جائے گا۔'' ماریا کے لہجے میں اعتماد تھا۔ ''پہلے ہی اپنی حرکت پر بہت شرمندہ ہے۔''

''مجھے کیوں یاد کر رہی تھیں؟''

''آپ میرے محسن جو ہیں۔'' اُس نے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ ''میں، آپ کو اکثر یاد کرتی ہوں۔''

''جین کہاں ہے.....؟''

''لباس تبدیل کر رہی ہیں۔ ویٹ کریں، میں بلاتی ہوں۔''

''ہیلو، دولت علی۔'' ایک منٹ بعد جین کی آواز سنائی دی۔ اُس کے لب و لہجے میں خوشیاں ہمک رہی تھیں۔ ''اس وقت کیسے یاد کر لیا؟''

''تم سے شکوہ کرنا تھا۔'' میں نہ چاہنے کے باوجود کہہ گیا۔ ''تین روز سے تمہاری صورت نظر نہیں آئی۔''

''جم نے کیس کی پریشانیوں کی وجہ سے روک رکھا تھا، شاید تم نے اُسے دُور رہنے کی تاکید کی تھی؟''

''وہ تاکید صرف جم کے لئے تھی تمہارے لئے تو.....'' میں کہتے کہتے رُک گیا۔

''تم چپ کیوں ہو گئے؟'' جین نے سوال کیا۔ ''کیا کہنا چاہتے تھے؟''

''مم..... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں جین۔'' میں نے سنجیدگی سے سنبھل کر کہا۔ ''کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''تم نے فون کرنے میں جلدی کر دی، مجھے اچانک دیکھتے تو حیران ہو جاتے۔''

''کیا مطلب؟'' میں چونکا۔

''میں تمہاری ہی طرف آ رہی ہوں، کہیں نکل نہ جانا۔'' جین نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ میرے ذہن میں پھر کھلبلی شروع ہو گئی۔ وہ دفتر کے معاملات میں وقت کی بڑی پابند تھی۔ میں نے نظریں گھما کر گھڑی کی سمت دیکھا، آدھے گھنٹے بعد اُسے دفتر پہنچنا تھا اور وہ میری طرف آ رہی تھی۔ میں تھکے تھکے انداز میں راکنگ چیئر پر بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

چالیس منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے اُٹھ کر دروازہ کھولا، جین میرے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اُس کے انگ انگ سے مسرتیں پھوٹ رہی تھیں۔ سفید لباس میں وہ کوئی حور نظر آ رہی تھی۔ میں بت بن گیا، دل میں اُمنڈتے ہوئے طوفان کو روکنے کی جدوجہد کرنے لگا، جین کو اندر آنے کا راستہ بھی نہیں دیا۔

''بہت ناراض ہو دولت علی؟ اندر آنے کو بھی نہیں کہو گے؟'' جین کی مترنم آواز قوتِ سماعت سے ٹکرائی تو مجھے غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے شاہانہ انداز میں اُس کا استقبال کیا۔ وہ مسکراتی، بل کھاتی اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ میں نے جان بوجھ کر اُس کے سامنے والا صوفہ منتخب کیا، درمیان میں شیشے کی گول میز بھی حائل ہو گئی۔ آگ اور پٹرول کا یکجا ہو جانا مناسب نہیں تھا۔ جین نے میری اس حرکت کو محسوس کیا، بس ایک ثانئے کو اُس کی کشادہ پیشانی پر کچھ سلوٹیں اُبھریں، پھر وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''میں مشرق کی اسی تہذیب اور احتیاط کی دلدادہ ہوں۔''

''میں سمجھا نہیں؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''تم مجھ سے دُور کیوں بیٹھے، اس کی وجہ میں جانتی ہوں۔'' اُس نے لہک کر جواب دیا۔ ''مجھے تمہاری دوستی پر ہمیشہ فخر رہا ہے، اس وقت بھی جب ہم برلن میں ایک ساتھ ہوٹل میں ٹھہرے تھے جم کے بعد بھی تم نے ایک اچھے دوست کی طرح میری دلجوئی کی تھی، ہندوستان سے لندن آنے کے لئے بھی تم نے میری بات رد نہیں کی۔ ہم آئندہ بھی ہمیشہ ایک دوسرے کے اچھے دوست ثابت ہوں گے۔''

میں گنگ رہ گیا، حیرت سے جین کو دیکھنے لگا۔ کل تک وہ میرے پہلو میں مچلنے کو مضطرب رہتی تھی، میرے قرب کو اپنے لئے زندگی کی علامت سمجھتی تھی، اُس کے جسم کے بیشتر حصوں پر میرے لبوں کی مُہر ثبت تھی۔ میں نے اُسے ہر رنگ، ہر ڈھنگ، ہر لباس میں بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اس وقت وہی جین مجھے ہمیشہ اپنی دوستی کا یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی، انکا نے اُس کی برین واشنگ میں بڑی مہارت سے کام لیا تھا۔

''جانتے ہو دولت علی۔ میں اس وقت دفتر سے چھٹی لے کر تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟'' جین نے میرے چہرے پر اُبھرنے والے نازک احساسات کا نوٹس نہیں لیا، اُس کے معصوم چہرے پر دھنک کے قرمزی رنگ بکھر رہے تھے۔ میں سمجھ گیا وہ ولیم کے ساتھ شادی کرنے کی خاطر مجھے صرف دوست سمجھ کر مشورہ کرنے آئی تھی، میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''تمہیں یاد ہے جین۔'' میں نے کہا۔ ''جب مارٹینا کی ہولناک موت کے بعد میں ہوٹل منتقل ہوا تھا، اُس وقت جیکب کے سلسلے میں تم نے مجھے فون کیا تھا، درمیان میں ولیم کا ذکر بھی آ گیا تھا۔ تم نے اُس وقت شکوہ کیا تھا کہ میں درمیان سے کوئی بات حذف کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ کچھ دنوں بعد چونکا دینے والے انکشاف کروں گا۔''

''لیکن تم نے آج تک مجھے وہ راز کی بات نہیں بتائی.....'' جین نے مجھے تیکھی نظروں سے گھورا۔ اُس کا انداز محبوبانہ تھا۔

''انکشافات اگر مناسب وقت پر کئے جائیں تو ان کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں جانتا ہوں تم اس وقت مجھ سے کس مقصد سے ملنے آئی ہو۔ میں نے اس

انکشاف والی بات کو بھی آج ہی کے دن کی خاطر بہت سنبھال کر رکھا تھا۔'' میں نے پہلو بدل کر بات جاری رکھی۔ ''تم آج مجھ سے ولیم کے بارے میں مشورہ کرنے آئی ہو اور ولیم نے بھی مجھے دوست سمجھ کر تمہارے بارے میں اپنی پسند اور چاہت کا اظہار کیا تھا۔''

جین کے چہرے پر کہکشاں دمکنے لگی، زندگی کے شوخ رنگ بکھرنے لگے۔ ان رنگوں میں میرا خونِ جگر بھی شامل تھا۔ میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔ ''ولیم ہر لحاظ سے تمہارے لئے مناسب اور بہترین انتخاب ثابت ہوگا۔ صرف ایک دُشواری ہو سکتی ہے۔''

''وہ کیا.....؟'' جین نے سہم کر دریافت کیا۔

''اسٹیٹس..... (STATUS)'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''ممکن ہے کہ تمہاری بوڑھی ماں کو.....''

''اب ایسا نہیں ہوگا دولت علی۔'' جین نے اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ ''ولیم نے مجھے کل ہی بتایا ہے کہ اُس کی کسی عزیزہ نے مرتے وقت اُس کے نام اپنی ساری جائیداد منتقل کر دی تھی۔ ولیم نے کروڑوں کی رقم کو غلط کاموں میں ضائع نہیں کیا، سنبھال کر رکھا ہے۔ اب وہ میری پسند کا مکان خریدنے کو کہہ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری زندگی خوشگوار گزرے گی۔''

''شادی کب کر رہی ہو.....؟'' میں نے بظاہر خوشی کا اظہار کیا۔ میرے دل کے ویرانوں میں دُھول اُڑ رہی تھی، گرم اور تیز آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔

''اسی ضمن میں تم سے مشورہ کرنے آئی ہوں.....'' جین اُٹھ کر میرے قریب آ گئی۔ ''تم میرے واحد دوست ہو دولت علی، میں تمہارے پُرخلوص مشوروں سے نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتی ہوں۔''

''ولیم کا کیا خیال ہے؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''ایسٹر (EASTER) میں ابھی بیس دن باقی ہیں۔ ولیم کا خیال ہے کہ ایسٹر کا مبارک دن ہمارے لئے مناسب رہے گا۔'' جین نے شرمانے کی کوشش کی تو اور قیامت بن گئی۔ اُس کے قرب کا احساس، اُس کے بدن کی تپش مجھے جھلسانے لگی۔ میں نے ضبط سے کام لیا، جین کو ولیم کے منتخب کردہ دن پر شادی کا مشورہ دیتے وقت مجھ پر کیا گزری، الفاظ ان احساسات و کرب کا احاطہ نہیں کر سکتے.....!

دوپہر کا کھانا جین نے میرے ساتھ ہی کھایا۔ وہ چلی گئی تو میری آنکھیں چھلک اُٹھیں۔

کلدیپ کے بعد ایک آخری سہارا ملا تھا وہ بھی چھن رہا تھا۔ پریتم لال کی مرضی بھی یہی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ میں جل کے اُوپر ہی اُوپر تیرتا رہوں گا، جل کی تہہ میں غوطہ نہیں لگا سکوں گا۔ میں نے اُس سے عہد کیا تھا کہ لگن منڈپ سجا کر کلدیپ کی رُوح کو اذیت نہیں پہنچاؤں گا، میں کلدیپ کے نام پر کئے گئے عہد نہیں توڑ سکتا تھا۔

''صبر سے کام لو جمیل.....'' انکا کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''میں جین کے سر پر تھی اس لئے تمہارے پاس نہیں آ سکی۔ اُس کے ذہن کو پلٹنے میں مجھے پہلی بار دُشواری کا سامنا کرنا پڑا، تمہارے پیار کے تناور درخت کی جڑیں ابھی تک اُس کے وجود میں باقی ہیں، ولیم سے شادی کے بعد بھی وہ تمہیں فراموش نہیں کر سکے گی۔ لیکن.....''

''کوئی اور بات کرو انکارانی.....'' میں نے انکا کو جین کے تذکرے سے روک دیا۔ وہ بھی ملول نظر آ رہی تھی، میرے سر پر اُداس کھڑی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ میں نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا۔ ''جیکب کی ہڈیوں کے پنجر کے فرار نے جم کے لئے نئی پریشانیاں کھڑی کر دی ہیں۔ اُس نے مجھ سے مدد کی درخواست کی ہے۔''

''میں جانتی ہوں۔ تم نے اُس سے جو وعدہ کیا ہے وہ بھی میرے علم میں ہے۔'' انکا تھکے تھکے انداز میں بولی۔ ''پانچ دنوں سے ایک لمحہ بھی آرام نہیں کر سکی۔ کبھی اس کے، کبھی کسی اور کے سر پر پھدکتی پھر رہی ہوں۔ لیکن تم پریشان نہ ہو، جم کی پریشانی دُور ہو جائے گی، اس کے علاوہ تمہارے لئے ایک خوشخبری بھی ہے میرے پاس، اگلی پیشی پر تمہیں باعزت طور پر رہا کر دیا جائے گا، جیوری کے ممبران اور جج کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تم بے گناہ ہو۔ رقم کا سفری بیگ بھی تمہیں واپس مل جائے گا۔ مورینا نے جیوری کی طرف سے سب سے زیادہ تمہاری حمایت کی ہے، آرتھر کے ستارے گردش میں آ جائیں گے، اُسے ملازمت برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔''

''تم نے رہائی کی خبر سنا کر سینے سے ایک بوجھ ہلکا کر دیا۔'' میں نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''میں پہلی فلائٹ سے لندن کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنے کی کوشش کروں گا۔''

انکا نے مجھے نظر بھر کر دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں میرے لئے ایک سوال مچل رہا تھا۔ ''جمیل، کیا تم جین کی شادی میں بھی شریک نہیں ہو گے؟'' ..... لیکن اُس نے زبان سے کچھ نہیں کہا، میرے چہرے پر اُداسی کے سائے منڈلاتے دیکھے تو زخموں کو کریدنا مناسب

نہیں سمجھا، ایک طویل جماہی لے کر سر پر لیٹ گئی۔ کچھ دیر بعد اُس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز میری سماعت سے ٹکرانے لگی۔ میں نے اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھا، پھر خود بھی بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ جین کی جدائی کا تصور، اُس کی رفاقت میں بیتی ہوئی حسین یادیں مجھے پریشان کر رہی تھیں۔ میں ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہوتا چلا گیا.....!

کوئی دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا۔ میں بوکھلا کر اُٹھا، کمرے میں گھپ اندھیرا طاری تھا۔ شام کے سات بجے تھے، انکا میرے سر پر نہیں تھی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا، اندر آنے والا مجھے اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر کر دُور تک اندر لے آیا۔ اندھیرے کے سبب میں اُسے شناخت نہ کر سکا۔ ایک لمحے میں سینکڑوں پریشان کن خیالات اُبھرے۔ میں جوابی کارروائی کی خاطر سوچ رہا تھا کہ جم کی چنگھاڑتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔

''دولت علی یور آر گریٹسٹ، مائی ڈیئرسٹ فرینڈ، آلی لویو..... آلی لویو۔'' جم خوشی میں چیخ رہا تھا۔ ''تم ناقابل تسخیر ہو۔ مجھے تم پر فخر ہے، سب کچھ کیسے ہوا؟ میں نہیں جانتا لیکن سارے افسران انگشت بدنداں رہ گئے، سب کی آنکھیں جیرالڈ کو ہتھکڑی میں جکڑا دیکھ کر پٹپٹا رہی ہیں۔ سب حیران ہیں، کسی کو یقین نہیں آ رہا کہ جیرالڈ جیسا خطرناک اشتہاری ملزم جو گزشتہ دس سالوں سے پولیس کے لئے سر درد بنا ہوا تھا، میرے ہاتھوں چوہے کی طرح پکڑا جا سکتا ہے، اُس کی زندہ یا مُردہ گرفتاری پر تین لاکھ پاؤنڈ کا انعام بھی تھا دولت علی، میری جان، مجھے بتاؤ، یہ کیسے ممکن ہوا.....؟''

بات میری سمجھ میں آ گئی، انکا کی غیر موجودگی اور جم کی اُچھل کود نے تمام گرہیں کھول دیں۔

''جم، پلیز.....'' میں نے اُس کے شکنجے سے آزاد ہونے کی کوشش کی۔ ''اپنی گرفت ڈھیلی کرو، مجھے روشنی کر کے اس بات کا اطمینان کر لینے دو کہ تمہارا ذہنی توازن ٹھیک بھی ہے یا جیرالڈ کی گرفتاری نے تمہیں دیوانہ کر دیا ہے؟''

جم کو اندھیرے کا احساس ہوا، اُس کی گرفت کمزور ہو گئی۔ میں نے کمرے کی لائٹس روشن کیں، جم کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ ''میں نے تمہیں سوتے میں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' اُس نے میرے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے تاسف کا اظہار کیا۔

''میں جو عمل تمہارے لئے کر رہا تھا اس کے لئے اندھیرا مشروط تھا۔'' میں نے

انگریزوں کی ضعیف الاعتقادی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''مجھے تفصیل بتاؤ، جیرالڈ کو گرفتار کرنے میں تمہیں کوئی جدوجہد تو نہیں کرنی پڑی؟''

''اُسے اچانک اپنے آفس میں دیکھ کر میں کچھ پریشان ضرور ہوا تھا۔'' جم نے صوفے پر ڈھیر ہو کر کہنا شروع کیا۔ ''مگر میری حاضر دماغی کام آ گئی، کوئی اشتہاری مجرم جس کے سر کی قیمت تین لاکھ پونڈ مقرر کی گئی ہو، خرگوش نہیں ہوتا جس کی آنکھوں کو تیز روشنی سے چکاچوند کر کے دبوچ لیا جاتا ہے..... جیرالڈ کے ہاتھ میں امریکن کولٹ تھا جس کی گولی دیوار کو بھی چیر پھاڑ کر نکل جاتی ہے۔ ہماری کئی ٹیمیں اُسے متعدد بار گھیر چکی ہیں لیکن وہ ہر بار ایک دو افسران کو موت کے گھاٹ اُتار کر چھلاوے کی طرح نکل جاتا تھا۔'' جم پہلو بدل کر بولا۔

''جس وقت جیرالڈ نے سرد اور سفاک لہجے میں مجھے ہینڈز اَپ کرنے کو کہا تو میری رُوح بھی فنا ہو گئی۔ میں اپنے آفس میں بالکل تنہا تھا، جس الماری کے قریب میں کھڑا تھا وہاں سے الارم بیل (ALARM BELL) بھی دُور تھی۔ موت کو سر پر منڈلاتا دیکھ کر بڑے بڑے سورماؤں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔ لیکن مجھے بروقت سوجھ گئی، میں نے جیرالڈ کی پشت کی سمت دیکھ کر ڈونٹ شوٹ (DON'T SHOOT) کے الفاظ ادا کئے تو وہ بھی میری اداکاری سے دھوکا کھا گیا، وہی ایک لمحہ مجھے درکار تھا، میں نے پل بھر میں بازی پلٹ دی۔''

''یہ محض ڈینگیں مار رہا ہے جمیل.....'' انکا نے میرے سر پر واپس آتے ہوئے شوخی سے کہا۔ ''جیرالڈ کو دیکھ کر اس کی پتلون تر بتر ہو گئی تھی، میں جیرالڈ کے سر پر نہ ہوتی تو وہ اس کا کچومر بنا کر رکھ دیتا، بڑے ہی مضبوط اعصاب اور قوتِ ارادی کا مالک تھا۔ میں نے دونوں پیروں کے تمام پنجے اس کے سر میں چبھو رکھے تھے لیکن وہ اس طرح مچل رہا تھا جیسے اس کی شریانوں میں خون نہیں، چار سو چالیس وولٹ کا کرنٹ دوڑ رہا ہو..... جم تو اُس کی آواز سن کر ہی کپکپانے لگا تھا۔''

''کیا جیرالڈ نے مارٹینا کو قتل کرنے کا اقرار کر لیا؟'' میں نے انکا کی بات ختم ہوتے ہی جم سے دریافت کیا۔

''ہاں.....'' جم نے افسرانہ انداز میں جواب دیا۔ ''اُس نے اس بات کا اقرار بھی کر لیا کہ قتل اُس نے اپنے ہاتھوں سے کیا تھا، بعد میں اُس نے ایک بدرُوح کو وہاں جیکب کی شکل میں اس لئے بھیج دیا کہ جین کا نام درمیان میں لا کر محکمہ سراغرسانی پر کیچڑ اُچھال سکے۔

''میرا ایک مشورہ ذہن نشین کرلو۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''جین اور جیکب کا تذکرہ تمہاری رپورٹ کے درمیان کہیں بھی نہ آنے پائے، ورنہ دوسری بار شاید میں بھی تمہاری کوئی مدد نہ کرسکوں۔''

''اوکے باس۔'' جم نے اُٹھ کر مجھے باقاعدہ سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اب اجازت چاہوں گا۔ صرف تمہارا شکریہ ادا کرنے کی خاطر آ گیا تھا، ورنہ دفتر میں اس وقت بھی بڑے بڑے افسران اور اخباری نمائندوں کی بھیڑ لگی ہے۔ تمہاری وجہ سے مجھے جو عزت اور شہرت ملنے والی ہے اس کا پیشگی شکریہ، میں تم سے دوبارہ بہت جلد ملاقات کروں گا۔''

جم چلا گیا تو میں نے انکا کی سمت دیکھا جو ابھی تک جم کی لن ترانی پر پیچ وتاب کھا رہی تھی۔ میں نے رُوم سروس کو کافی کا آرڈر دیا، پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ایک مرحلہ اور طے ہوا..... کل صبح میں واپسی کے لئے سیٹ بھی بُک کرالوں گا۔''

''میں سمجھ رہی ہوں جمیل کہ تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ لیکن اپنی انکا کے ہوتے تم کوئی غم نہ کرو، حالات بدلتے رہتے ہیں۔'' انکا نے مجھے ڈھارس دی، پھر مدھم لہجے میں بولی۔ ''جین کے فارم ہاؤس کب چلو گے.....؟ جین کے علاوہ اُس کی بوڑھی ماں سے بھی مل لینا، تمہاری ایک قیمتی شے بھی وہاں رکھی ہے..... سیّد مجذوب کی لاٹھی، اُسے جلدی میں بھول نہ جانا، ہوسکتا ہے کہ کبھی وہ مجھ سے زیادہ تمہارے کام آئے۔''

انکا اپنی باتوں سے میرا دل بہلاتی رہی۔ کافی نے میرے اعصاب پر تناؤ کی کیفیت کو کچھ کم کر دیا۔ رات کا کھانا میں نے پکاڈلی اسٹریٹ کے ایک شاندار ہوٹل میں کھایا، انکا ہوٹل میں بھی اپنی شرارتوں سے لوگوں کو حیرت زدہ کرتی رہی۔ میں اُس کی شوخیوں کا مقصد سمجھ رہا تھا، وہ میری خاطر کھیل تماشے کر رہی تھی۔ میں کھانا کھا کر ہوٹل سے نکلا تو انکا نے بڑی رازداری سے میری معلومات میں اضافہ کیا۔

''یہاں سے کچھ فاصلے پر سوھو کا علاقہ ہے، جہاں تہذیب کا عریاں رقص ہوتا ہے، پکاڈلی کا ریڈ لائٹ ایریا بھی قابل دید ہے، یہاں برطانوی حسیناؤں کے علاوہ غیر ملکی شکاری لڑکیاں بھی اپنے حسن کا جال لئے شکار کی تلاش میں گھومتی پھرتی ہیں۔'' انکا نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''سنا ہے کہ اُن کے جسم میں کاک ٹیل (COCKTAIL) خون

گردش کرتا ہے۔''

میں کاک ٹیل خون کی اصطلاح پر مسکرا دیا، رات ہماری واپسی دیر سے ہوئی۔ ہوٹل کا عملہ جم کی صرف ایک ''ڈوز'' سے سدھر گیا تھا، میں جتنی بار اُن کے سامنے سے گزرتا، اُن کے سر جھک جاتے، میں گردن اکڑا کر گزر جاتا۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ میں لفٹ کی طرف جانے کی خاطر کاؤنٹر کے قریب سے گزرا تو ایک نوعمر حسینہ مسکراتی بل کھاتی کاؤنٹر سے باہر آ کر بولی۔

''سر..... میڈم جین آپ کو دو بار فون کر چکی ہیں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، سر کو خفیف انداز میں ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ رات زیادہ ہو چکی تھی، مجھے جین کے روزمرہ کے معمولات کا علم تھا، وہ جلدی سونے کی عادی تھی، میں نے اُسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

دوسری صبح ناشتہ کرنے کے بعد میں نے ہندوستان واپسی کے لئے سیٹ بُک کرائی پھر جین کی طرف چلا گیا۔ اُس روز اتوار تھا، جین چھٹی والے دن دیر تک سونے کی عادی تھی، انکا راستے بھر شوخیاں کرتی رہی، میں مسکراتا رہا۔ وہ ساتھ نہ ہوتی تو وقت گزارنا مشکل ہو جاتا۔

کیب فارم ہاؤس پر رُکی تو پہلے ماریا سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ کسی کام سے باہر آئی تھی، مجھے ٹیکسی سے اُترتا دیکھ کر قریب آ گئی۔ میں نے اُسے نرتا پا بہت غور سے دیکھا، مورگن کے آجانے کے بعد وہ جسمانی طور پر پہلے سے زیادہ تروتازہ نظر آ رہی تھی۔

''کیسی ہو ماریا.....؟''

''آپ کی مہربانی سے بہت خوش ہوں۔'' اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کبھی مجھے بھی یاد کرتی ہو یا مورگن کے آنے کے بعد فراموش کر دیا؟'' میں نے دبی آواز میں سرگوشی کی، وہ میرے جملے کا مفہوم سمجھ کر اور گلنار ہوگئی۔ میں اُس کے ساتھ ساتھ مکان میں داخل ہوا، جین ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس لاؤنج میں بیٹھی کسی میگزین کے اوراق پلٹ رہی تھی۔ قریب ہی اُس کی ماں وہیل چیئر پر موجود تھی۔ جین نے مجھے خلافِ توقع دیکھا تو خوشی سے دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اُس کی ماں نہ ہوتی تو شاید میں اُس کے ہونٹوں کو آخری بار چوم لیتا لیکن یہ حسرت بھی دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ جین نے مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب ہی بٹھا لیا، جین کی ماں مجھے تشکرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''اب تو آپ خیریت سے ہیں؟'' میں نے معنی خیز لہجہ اختیار کیا۔ وہ میرے جملے میں چھپا طنز بھانپ گئی۔

''میں تمہاری شکر گزار ہوں دولت علی۔'' وہ کسمسا کر بولی۔ ''تم مجھے ہمیشہ یاد رہو گے۔'' اُس کے لہجے میں شرمندگی کا اظہار گھلا ہوا تھا۔

''میرے ساتھ میرے کمرے میں چلو۔'' جین نے اُٹھتے ہوئے مجھے ہاتھ تھام کر گھسیٹا۔ ''مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔''

میں جین کے ساتھ اُس کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس نے جیرالڈ کی گرفتاری پر حیرت کا اظہار کیا، میرا شکریہ ادا کرتی رہی۔ پھر اُس نے ولیم کی بات چھیڑ دی، میں دل پر پتھر رکھے مسکراتا رہا۔ اُس کی باتیں ختم ہوئیں تو میں نے اُسے یاد دلایا۔

''کل عدالت میں میری پیشی ہے۔''

''پریشان مت ہو دولت علی۔'' اُس نے پیار سے میرا ہاتھ تھام کر یقین دلایا۔ ''میرا دل گواہی دیتا ہے کہ کل تم باعزت طور پر رہا کر دیئے جاؤ گے، جم کا بھی یہی خیال ہے۔''

''ہاں.....'' میں نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''مجھے رہائی مل جائے گی، اس کے بعد میں ہندوستان چلا جاؤں گا۔''

''میری شادی میں تو شرکت کرو گے نا؟'' جین نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا، پھر پہلو بدل کر بولی۔ ''یہیں لندن میں کیوں نہیں رہتے؟ ہندوستان میں اب تمہارے لئے کیا رکھا ہے؟''

''تم کہتی ہو تو ضروری کام نمٹا کر واپس آ جاؤں گا۔'' میں نے جین سے آخری جھوٹ بولا۔ انکا کسمسا کر رہ گئی۔

مجھے جین کے اصرار پر دوپہر کے کھانے کے لئے رُکنا پڑا۔ سب ہی میری آؤ بھگت میں لگے رہے، ماریا پیش پیش تھی، مورگن نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جین کی بوڑھی ماں کی نگاہیں بھی بار بار مجھ سے ایک ہی بات کہتی رہیں۔

''مجھے معاف کر دینا دولت علی، میں نے تمہارے بارے میں غلط اندازے لگائے تھے، تم بالکل مختلف ثابت ہوئے.....''

میں کھانے سے فارغ ہو کر جانے لگا۔ جین مجھے ٹیکسی تک رُخصت کرنے آئی۔ ماریا اور

مورگن بھی اُس کے پیچھے پیچھے تھے۔

''دولت علی۔'' جین نے مجھ سے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے بڑے لاڈ سے کہا۔ ''میری شادی پر تمہیں کوئی ایسا آئٹم پیش کرنا ہوگا جو سارے مہمانوں کو حیرت زدہ کر دے۔''

''میں دوسروں کی بات نہیں کرتا۔'' میں نے دل مسوس کر جواب دیا۔ ''البتہ تم ضرور حیران رہ جاؤ گی۔''

جین کے فارم ہاؤس سے واپسی پر انکا ساتھ نہ ہوتی تو شاید میرا دل پھٹ جاتا، اب صرف وہی میری مونس وغمخوار رہ گئی تھی۔ میرے دُکھ سکھ کی رفیق۔ میں سید مجذوب کی لاٹھی کو سینے سے لگائے بیٹھا رہا، انکا میرے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر معصوم شرارتیں کرتی رہی، لطیفے سناتی رہی۔ سفر آسانی سے کٹ گیا.....!

دوسرے روز میں عدالت میں پیش ہو گیا۔ دو کیس کے بعد میرا نام پکارا گیا۔ میں سینہ تانے کٹہرے میں جا کھڑا ہوا، آرتھر کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ سرکاری وکیل بھی اپنی نشست پر بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ شاید اُنہیں بھی فیصلے کی بھنک مل گئی تھی۔ جج اپنے سامنے رکھی فائل پر جھکا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ میں نے جیوری کے ممبران کی طرف دیکھا، مورینا سے میری نظریں چار ہوئیں، آج وہ خاص طور پر بن سنور کر آئی تھی۔ میں اُس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ اُس کے انگ انگ سے مستی پھوٹ رہی تھی۔

''دیکھ رہے ہو جمیل؟'' انکا نے سرگوشی کی۔ ''آج یہ کیسی پٹاخہ لگ رہی ہے۔ تمہیں اپنا وعدہ تو یاد ہے.....؟''

''تم جانتی ہو انکا رانی۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''آج رات میری روانگی ہے۔ صبح دو بجے کی فلائٹ سے میں لندن کو گڈ بائی کہہ کر ہندوستان کے لئے پرواز کر جاؤں گا۔ جاتے جاتے مجھے کچھ ضروری کام بھی سرانجام دینے ہیں۔''

''میں تمہارے سارے کام کر دُوں گی، تم میری خاطر تھوڑا سا وقت نکال لو۔'' انکا، مورینا کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''ہم آرتھر کو کوئی سبق دیئے بغیر چلے گئے تو اُسے باتیں بنانے کا موقع مل جائے گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب تم خوب سمجھ رہے ہو جمیل۔'' انکا نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''تم جانتے ہو کہ

خون میری غذا ہے، تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد مجھے انسانی خون کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب تم بڑی پابندی سے میری ضرورت کا خیال رکھتے تھے، اب میں تم سے اصرار نہیں کرتی، کسی اور ذریعے سے اپنی غذا کا بندوبست کر لیتی ہوں۔ لیکن آج مورینا کے چہرے کی ملاحت دیکھ کر میری بھوک بھڑک اُٹھی ہے، اُس کا گداز جسم، اُس کے بھرے بھرے گال، میں نے کبھی کسی سیاہ فام عورت کا خون نہیں پیا۔ سنا ہے ان کے خون میں ایک خاص لذت ہوتی ہے۔ سن رہے ہو جمیل؟ میرے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے ہیں، آج تم اپنی انکارانی کی درخواست رد نہ کرنا۔ میں تمہارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

میں نے ایک عرصے بعد انکا کے لب و لہجے میں وہی خوفناک غراہٹ سنی جو پہلے اکثر سنا کرتا تھا۔ مورینا کو وہ ایسی خونخوار بلی کی طرح گھور رہی تھی جو کسی کبوتر کو شکار کرتے وقت ہر خطرے سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔ میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ جج کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''مسٹر دولت علی، تم نے گزشتہ پیشی پر عدالت سے پولیس آفیسر مسٹر لوئیس آرتھر سے تین باتیں دریافت کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ عدالت نے تمہیں اس کا موقع دیا تھا۔ تم دو باتیں دریافت کر چکے ہو، کوئی ایک آخری بات رہ گئی ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہ عدالت تمہیں ایک خاص وجہ سے مسٹر آرتھر سے کوئی مزید سوال کرنے کا موقع فراہم نہیں کر سکتی۔''

''گویا یہ معزز عدالت اپنے وعدے سے منحرف ہونے کا اعتراف کر رہی ہے۔'' میرے لہجے میں طنز تھا۔

''تم جو چاہو سوچو، عدالت کسی کے ذہن پر پہرے نہیں بٹھا سکتی۔'' جج نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ انکا میرے سر پر پہلو بدلنے لگی۔ جیوری کے ممبران ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ مورینا کے مسکراتے ہوئے ہونٹوں پر اُداسی کے بادل تیرنے لگے، آرتھر کی نگاہوں میں اُمید کی کرن ٹمٹمانے لگی، سرکاری وکیل چونک کر جج کی طرف دیکھنے لگا۔ میرے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہونے لگیں، ایک لمحے کو عدالت کے وسیع ہال میں موت کا سناٹا طاری رہا، پھر جج نے مجھے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''مجھے اس بات کا اعلان کرتے ہوئے کوئی جھجک نہیں محسوس ہو رہی کہ تمہارے کیس کا

فیصلہ لکھا جا چکا ہے۔ قانون کی رُو سے تم اگر چاہو تو اس عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل کا حق رکھتے ہو۔'' جج نے تھوڑا توقف کیا، عدالت میں پھر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ انکا کی وحشت قابل دید تھی۔ جج کی آواز دوبارہ گونجی۔

''جیوری کے ممبران کی متفقہ رائے کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اور قانونی دستاویز کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ عدالت تمہیں مسٹر آرتھر سے تیسری بات دریافت کرنے کا موقع دیئے بغیر..... باعزت طور پر بری کرتی ہے اور مسٹر آرتھر کو پابند کرتی ہے کہ وہ دس روز کے اندر اندر تحریری وضاحت پیش کریں کہ انہیں تمہارے خلاف غلط کیس بنانے کے جرم میں ملازمت سے معطل کیوں نہ کر دیا جائے۔ یہ عدالت سرکاری وکیل کو حکم دیتی ہے کہ وہ اپنی موجودگی میں تمہاری رقم فی الفور پولیس سے واپس دلائے۔ تم تفصیلی فیصلے کی نقل ایک ہفتے بعد حاصل کرنے کے مجاز ہو گے۔''

جج فیصلہ سنانے کے بعد اپنے چیمبر میں چلا گیا، انکا نے میرے سر پر دھمال شروع کر دی۔ آرتھر کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی، مورینا کے ہونٹوں پر دوبارہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ جیوری کے دوسرے ممبران جج کے فیصلہ سنانے کے انوکھے انداز پر ہنس ہنس کر آپس میں باتیں کرنے لگے۔ میں آرتھر کو نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھورنے لگا جو سکتے کی کیفیت سے دوچار تھا۔ سرکاری وکیل نے سفری بیگ اور ننانوے ہزار دو سو پونڈ کی رقم واپس کرنے میں خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا۔ وہ مجھ سے رقم گننے کی درخواست کر رہا تھا۔ میں نے اُس کی تیار کردہ رسید پر رقم گنے بغیر بے پرواہی سے دستخط کئے اور سفری بیگ اُٹھا کر باہر آ گیا..... ہوٹل پہنچنے سے پہلے میں نے مشرقی روایت کے پیش نظر ننانوے ہزار ایک پونڈ کا بینک ڈرافٹ جین کے نام تیار کرا لیا۔ میں نے وہ بینک ڈرافٹ ایک مختصر الوداعی پیغام کے ساتھ ایئر پورٹ سے فارم ہاؤس کے پتے پر بھیجنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ انکا نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ اُس نے مورینا کے سلسلے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق ہے۔ میں نے اُسے ٹٹولنا مناسب نہیں سمجھا۔

دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد میں سونے کے ارادے سے لیٹ گیا، شام کو میں نے ہوٹل کا حساب چکتا کر دیا۔ اُن سے میں نے یہی کہا کہ میں اپنے ایک مقامی دوست کے گھر منتقل ہو رہا ہوں، یہ تاکید بھی کر دی کہ میرے سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھیں۔ وہ جم سے

خوفزدہ تھے، مجھے یقین تھا کہ میری ہدایت کی خلاف ورزی نہیں کریں گے.....!

ہوٹل سے نکل کر میں نے ایک کیب ڈرائیور کو انگیج کیا اور لندن کی سڑکوں کے بے معنی چکر لگانے لگا۔ جین سے جدائی کا خیال مجھے بری طرح ڈس رہا تھا۔ میں کسی زمانے میں عیاشی کے لئے مے نوشی کرتا تھا۔ اُس روز میں نے ایک بار میں رُک کر غم غلط کرنے کی خاطر تین پیگ حلق میں انڈیل لئے۔ مجھے بار میں جاتا دیکھ کر کیب ڈرائیور نے حساب کرنے کی درخواست کی، عام طور سے لندن میں ایسا نہیں ہوتا لیکن ڈرائیور نے اپنی ایک مجبوری اور وقت کی تنگی کا اظہار کیا تھا اس لئے میں نے اُسے جانے دیا۔ میں نے کافی عرصے بعد پی تھی اس لئے میرے قدم تھوڑے تھوڑے بہکنے لگے۔ لیکن میرے ہوش وحواس پوری طرح کام کر رہے تھے۔ میں فٹ پاتھ پر کھڑا کسی دوسری کیب کا انتظار کر رہا تھا جب ایک میرون رنگ کی لمبی سی گاڑی میرے سامنے آ کر رُک گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر مورینا کو دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔

''آپ، مسٹر دولت علی.....'' اُس نے بڑی بے تکلفی کا اظہار کیا۔ ''کہاں جانا ہے؟''

''جہاں آپ لے جانا چاہیں۔'' میں روانی میں کہہ گیا۔ شاید نشے کا اثر تھا جس نے مورینا کو دیکھ کر مجھے بے باک بنا دیا تھا۔ اُس نے میری بات کا برا نہیں مانا، ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔ میں نے اُس کی دعوت رد نہیں کی۔ گاڑی دوبارہ حرکت میں آئی تو میں نے ڈیش بورڈ کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میں تفریح کے ارادے سے نکلا تھا لیکن اطلاعاً عرض ہے کہ میں آج رات دو بجے کی فلائٹ سے واپس ہندوستان جا رہا ہوں۔ مجھے گیارہ بجے ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔ آپ کا ایک قرض چکتا کرنا تھا اس لئے ساتھ بیٹھ گیا۔''

''ڈونٹ وری۔ میں آپ کو وقت سے پہلے ایئرپورٹ پہنچا دُوں گی۔'' اُس نے مترنم آواز میں جواب دیا، پھر مسکرا کر بولی۔ ''قرض والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''آپ نے جیوری کی ایک معزز اور معتبر ممبر ہونے کے باوجود جس طرح میرے حق میں رائے دی میں اس کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔''

''حیرت انگیز.....'' اُس نے ایک خاص ادا سے شانے اچکا کر دریافت کیا۔ ''آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں نے آپ کو سپورٹ کیا تھا؟''

''اگر میں صاف گوئی سے کام لوں تو آپ خفا تو نہیں ہوں گی؟'' میں نے اُس کے سراپا

کا جائزہ لیا۔ وہ جیتی جاگتی قیامت نظر آ رہی تھی۔

''علم نجوم.....؟'' اُس نے میری طرف قاتلانہ نظروں سے دیکھا۔

''جی نہیں..... آپ کی مخمور اور حسین آنکھیں جو دل کا بھید نہیں چھپاتیں.....'' میں نے شاعرانہ انداز اختیار کیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟'' مورینا کا لہجہ معنی خیز تھا۔ وہ اتنی جلدی مجھ سے بے تکلف ہو جائے گی، مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ میں نے جسارت سے کام لے کر اُس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ہمارے درمیان سے رسمی تکلف کی عارضی دیوار سرکنے لگی۔ بے تکلفانہ گفتگو کا دور شروع ہوا تو میرے جسم پر چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ میرے ہاتھ کی شوخیاں حدود سے تجاوز کرنے لگیں۔ کچھ شراب کا اثر تھا، کچھ مورینا کے مہکتے گداز جسم کا سحر انگیز نشہ، ضبط کے بندھن ٹوٹنے لگے۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کچھ دیر بعد مورینا نے گاڑی ساحلی علاقے میں ایک الگ تھلگ بنے خوبصورت ہٹ کے سامنے روکی۔ ہم نیچے اُترے۔ سرد ہوا کے جھونکوں نے ہمارا استقبال کیا، وہ بے تکلفی سے میرا ہاتھ تھام کے ہٹ کے اندر لے گئی جس کی نفاست اور قیمتی اشیاء قابل دید تھیں لیکن میرے لئے اس وقت سب سے زیادہ قیمتی شے مورینا تھی جو قدم قدم پر میرے جنون کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی، مجھ سے بڑھ چڑھ کر بے باکی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

میں اُس کے گداز وجود کو بانہوں میں سمیٹے بستر پر دراز ہوا تو اچانک مجھے انکا کا خیال آ گیا۔ میں نے اُسے دیکھنے کی کوشش کی، وہ سر پر موجود تھی۔ میں مسکرا دیا، سمجھ گیا کہ اُس نے عدالت میں مورینا کے بارے میں کہی ہوئی اپنی بات منوانے کے لئے کون سا راستہ اختیار کیا ہے؟ مورینا کا شراب خانے کے سامنے گاڑی روک کر میرے ساتھ بے تکلفی سے پیش آنا، مجھے لفٹ دینا، ساحلی علاقے کی اس پُرسکون ہٹ تک لانا، میری شوخیوں کو برداشت کرنا، سراہنا، یہ سب یوں ہی تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس کی پشت پر انکارانی کا ہاتھ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ مورینا کے سر کو اپنا مورچہ بنا چکی تھی۔ راوی میرے حق میں چین لکھتا تھا۔ میں وقت گزاری کی خاطر ہوٹل سے نکلا تھا، غم غلط کرنے کی خاطر میں نے شراب کا سہارا لیا تھا۔ مجھے سکون کی تلاش تھی۔ جین کا تصور مجھے بے چین کر رہا تھا۔ مورینا نے بانہیں پھیلا کر

میرے نفس کو اُکسایا، میں سب کچھ بھول کر اُس کی بانہوں میں سمٹ گیا، اُس کی ایک ایک حرکت ہیجان انگیز تھی، مجھے وقت کا احساس نہیں رہا۔ مورینا جیسی سیاہ فام حسینہ، اُس کے جسمانی نشیب و فراز اور پُرسکون ماحول میسر ہو تو وقت کا دھیان کس کمبخت کو رہ سکتا ہے؟ میں بھی اُس کے وجود میں تحلیل ہو کر ہر فکر سے بے نیاز ہو گیا۔ وہ سرکش موج کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی تھی۔ میں ماہر پیراک کی طرح ہاتھ پاؤں چلاتا رہا۔ ساحل پر پہنچ کر دونوں نڈھال ہو گئے۔ اُس کی سانسیں بکھرنے لگیں۔ میری طوفانی شدتیں بھی نڈھال ہو گئیں!

''دولت علی۔'' اُس نے میرے کشادہ سینے پر سر رکھ کر بڑی بے حیائی سے اعتراف کیا۔ ''تم گندمی رنگت کے لوگ ہمارے ساتھیوں سے زیادہ وحشی ہوتے ہو، کسی ظالم درندے کی مانند اپنے شکار کو بھنبھوڑ ڈالنے کی خو بو تمہاری فطرت میں رچی بسی ہوتی ہے۔ مجھے تم لوگوں کا یہ انداز اچھا لگتا ہے۔ جہاں کھل کر بات کرنے کی اجازت نہ ہو، وہاں گفتگو کا مزہ نہیں آتا..... یو آر ریئلی ونڈرفل۔''

مورینا ساری رات گزارنے کے موڈ میں تھی۔ انکا نے میرے سر پر آ کر کہا۔

''تم نے کہا تھا کہ گیارہ بجے ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔ اس وقت ساڑھے نو بج رہے ہیں۔ دیر مت کرو، میری خاطر گول میز سے پھل کاٹنے والا چاقو اُٹھا کر مورینا کے اُبلتے ہوئے سینے میں گھونپ کر نکل جاؤ، باہر گاڑی موجود ہے۔ کسی بات کی فکر نہ کرنا، میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔''

میں نے سر پر نگاہ ڈالی۔ انکا کے چہرے پر آدم خور درندوں جیسی تمام علامتیں موجود تھیں۔ میرے لئے یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں تھی۔ میں نے جلدی سے اُٹھ کر انکا کی فرمائش کی تکمیل کی۔ مورینا کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اُس کے سینے سے گاڑھا گاڑھا خون بھل بھلانے لگا..... کمرے میں ''سڑپ، سڑپ'' کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔ میں سمجھ گیا کہ انکا نے خون پینے کا عمل شروع کر دیا ہے۔ میرا نشہ ہرن ہو گیا۔ میں نے برق رفتاری سے لباس پہنا، باہر آ کر گاڑی سٹارٹ کی، ہٹ سے ہوٹل اور ہوٹل سے سیّد کی لاٹھی اور ایک سفری بیگ اُٹھا کر ایئرپورٹ پہنچتے پہنچتے ساڑھے گیارہ بج گئے۔ میں نے گاڑی پارکنگ لاٹ میں چھوڑنے سے پہلے تمام ممکنہ فنگر پرنٹس مٹا دیئے تھے۔ مجھے زیادہ فکر بھی نہیں تھی۔ لندن سے میرا تعلق ختم ہونے میں زیادہ دیر نہیں رہ گئی تھی۔

بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے بعد میں نے بینک ڈرافٹ اور جین کے نام مختصر پیغام والے لفافے کو سپرد ڈاک کیا، فضائی کمپنی کی خاتون کی مترنم آواز بار بار مائیک پر اُبھر رہی تھی۔ وہ مسافروں سے جہاز میں بیٹھنے کی درخواست کر رہی تھی۔ دو بجنے میں پانچ منٹ باقی رہ گئے تو میں نے جین کے نمبر ڈائل کئے۔ چھ سات گھنٹیوں کے بعد دوسری طرف سے جین کی نیند میں ڈوبی آواز اُبھری۔

''جین.....'' میں نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں شادی کی پیشگی مبارکباد پیش کرتا ہوں، ولیم کے ساتھ خوش رہنے کی کوشش کرنا۔''

''دولت علی، تم..... تم نے اس وقت رات کے دو بجے مجھے شادی کی مبارکباد دینے کی خاطر سوتے سے جگایا ہے؟'' جین نے اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا، پھر پریشان لہجے میں پوچھا۔ ''تم خیریت سے تو ہو؟..... کہاں سے فون کر رہے ہو؟''

''میں ایئرپورٹ سے بول رہا ہوں۔'' میں نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''آدھے گھنٹے بعد میرا جہاز لندن کی سرزمین چھوڑ کر فضا میں بلند ہو جائے گا۔ اپنا خیال رکھنا، زندگی رہی تو شاید پھر کسی موڑ پر تم سے.....''

''دولت علی۔'' جین نے تڑپ کر بے چینی کا اظہار کیا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم نے مجھ سے ملنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی اور میری شادی.....''

''خدا حافظ جین۔'' میں نے ریسیور ہک پر رکھ دیا اور گیٹ نمبر اٹھارہ کی سمت تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔ میرے دل کی کیا کیفیت تھی، اس کا صحیح اندازہ کون لگا سکے گا.....؟؟

❁❁❁

برٹش ایئر لائنز کے دیو پیکر طیارے نے زمین سے فضا کی بلندیوں کی طرف پرواز کی تو جین سے میرا تمام رشتہ جیسے کچے دھاگے کی مانند ٹوٹ گیا۔ اُس کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

''دولت علی، میری شادی پر تمہیں کوئی ایسا آئٹم پیش کرنا ہوگا جو سارے مہمانوں کو حیرت زدہ کردے''

میں اُس کی شادی پر لندن میں ہوتا تو اُس کی آخری خواہش ضرور پوری کرتا۔ ایسے ہنگامے کرتا کہ سارا انگلستان ششدر رہ جاتا۔ وہ بھی کیا یاد کرتے کہ کسی ہندوستانی سے پالا پڑا ہے۔ لیکن میں نے خاموشی سے واپسی کا پروگرام مرتب کرلیا۔ اب وہاں رُکنے سے فائدہ بھی کیا تھا؟ میں جین کو کسی اور کی بانہوں میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے زندگی کے آخری لمحوں میں مجھے اپنی بھرپور جوانی کی بیساکھی کا سہارا دیا تھا، اُس کے احسان بے شمار تھے۔ میں نے اُسے ولیم کے محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر کچھ حساب بے باق کردیا۔ لیکن اُس کے قرب کے حسین، مہکتے، گنگناتے لمحوں کو اس سے قریب رہ کر یکسر نظرانداز کردینا میرے اختیار میں نہیں تھا، سو میں نے جین ہی سے نہیں، لندن سے بھی منہ موڑ لیا۔

جین کی یاد آئی تو میں نے نشست کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں، میرے ذہن کی اسکرین پر گزرے دنوں کی تلخ وشیریں یادیں رینگنے لگیں، جین سے دُور رہنے کی خاطر میں نے ماریا کو اپنی عارضی دلبستگی کا ذریعہ بنالیا، جین کے فارم ہاؤس سے منتقل ہوکر ہوٹل کی رہائش اختیار کی جہاں میلبا جیسی معصوم مگر تجربہ کار حسینہ میرا دل بہلاتی رہی۔ مجھے سیاہ فام مورینا کی یاد آئی جسے دیکھ کر انکا بھی دیوانی ہوگئی تھی۔ وہ لندن میں میرا آخری شکار تھی۔ اُسے ساحلی علاقے کی ہٹ میں چھوڑ کر میں ایئرپورٹ چلا آیا، انکا ابھی تک اُس کے کھولتے خون کی سرد پڑتی حرارتوں کو اپنے وجود میں منتقل کرنے میں مصروف ہوگی۔

لندن سے میری واپسی کی اطلاع سن کر جین دیوانی ہوگئی ہوگی۔ اُس نے بہت کچھ سوچا ہوگا، مختلف امکانات اُس کے ذہن میں کلبلائے ہوں گے، اُس کی رات کی نیند خراب ہوگئی ہوگی۔ شاید اُس نے سارا کو فون کیا ہو؟ جم کو ٹٹولا ہو؟ جم سے میری اچانک واپسی کی بات کی ہو، پھر تھک ہار کر اپنے دل کی دھڑکنوں میں گم ہوگئی ہو.....

وقت آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا۔ میرے برابر کی نشست خالی تھی۔ میں نے جین کو ذہن سے نکال کر ہندوستان کے بارے میں غور کرنا شروع کردیا، پریتم لال نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ جو کام کلدیپ ادھورے چھوڑ گئی وہ مجھے نمٹانے ہوں گے۔ اُسی نے بتایا تھا کہ پنڈتوں اور پجاریوں کی ٹولی پھر میرے خلاف محاذ آراء ہو رہی ہے۔ بدری نرائن کے سر پھرے چیلوں نے اُس کی چتا کی راکھ کو ایک لٹیا میں محفوظ کرلیا تھا، دریا برد نہیں کیا، سر جوڑ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ میرے کریا کرم کے بعد ہی وہ اپنے گرو کی راکھ کو تبت کی کسی چوٹی پر بکھیریں گے۔

امرلال کے اکلوتے بیٹے چندرا نے بھی میرے خلاف کچھ ٹھان رکھی تھی، اُس نے اپنے خون سے ماتھے پر تلک لگا کر کالی کے قدموں میں بیٹھ کر قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اپنے باپ کا انتقام چکتا نہیں کرے گا، کسی عورت کے جسم کو ہاتھ نہیں لگائے گا، پریتم لال کی اطلاع کے مطابق وہ وندھیاچل کی کسی پہاڑی گپھا میں آسن جمائے بیٹھا مہان شکتی حاصل کرنے کی خاطر جاپ میں مگن تھا۔ انکا نے مجھے پنڈت نول کشور کے بارے میں بتایا تھا کہ ہردوار میں بیٹھا پجاریوں کی فوج تیار کر رہا تھا، کالی کے مندر کا بڑا پروہت ہونے کی وجہ سے اُس کی رسائی دُور دُور تک تھی۔ ہزاروں ناعاقبت اندیش پجاری اُس کے اشارے پر سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار بیٹھے تھے، نول کشور میرے بدترین دشمن بدری نرائن کا ہمنوا تھا۔ پہلے وہ بزدلوں کی طرح دُور بیٹھا بدری نرائن کے بھیانک انجام پر سر پیٹتا رہا، اب اُسے کالی کی خوشنودی حاصل ہوئی تو مجھے ٹھکانے لگانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

لندن میں سکون کی زندگی گزارنے کے بعد مجھے ہندوستان جانے کی کیا ضرورت تھی؟ کلدیپ نے امرلال کو جس طرح کتوں کی موت مارا تھا اس کا ایک ایک منظر میرے ذہن، میرے دل و دماغ پر نقش تھا، کلدیپ نے پہل نہیں کی تھی۔ امرلال کو کلدیپ کی آشیرباد نے گھمنڈی بنا دیا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کلدیپ نے میری خاطر اپنی زندگی

بھینٹ دینے کا وعدہ کر کے کالی کا اعتماد حاصل کیا ہوگا۔ وہ ایک ایک کر کے اپنے ترکش کے سارے تیر آزماتا رہا، کلدیپ اذیتیں برداشت کرتی رہی، چٹان کی طرح کھڑی رہی، کسی موقع پر اُس کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ پھر جواب میں کلدیپ نے پلٹ کر وار کیا تو امرلال جان بچانے کی خاطر اس پرانے مندر کی طرف بھاگا جہاں مالا کو قید کیا گیا تھا۔ کلدیپ نے اُس کی تمنا نہیں پوری ہونے دی۔ امرلال کی موت بڑی عبرتناک تھی۔ بدری نرائن اور امرلال کی موت کے بعد کھیل تماشے ختم ہو گئے تھے۔ کلدیپ کی موت کے بعد میں تنہا رہ گیا، مجھے زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ میں نے انکا کو بھی سر سے دُور کر دیا، بمبئی کی فٹ پاتھ پر موت کے انتظار میں ایڑیاں رگڑتا رہا۔ اُس وقت بھی کسی نے میری سمت آنکھ اُٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ اُن کے دلوں پر جمیل احمد خان کی دھاک بیٹھی تھی، بدری نرائن اور امرلال کی موت نے اُنہیں خوفزدہ کر رکھا تھا، وہ چوہوں کی طرح بلوں میں دبک گئے، کوئی ایک بھی ایسا مرد ثابت نہیں ہوا جو میرے سامنے آتا، مجھ سے آنکھ ملا کر بات کرتا۔ اب چیونٹیوں کے پر نکل رہے تھے.....!

پریتم لال نے لندن کے ہسپتال میں عین وقت پر سامنے آ کر میرا راستہ نہ کاٹا ہوتا تو کہانی ختم ہو چکی ہوتی۔ کوئی رونے والا نہ ہوتا۔ رکن الدین کو موت کی خبر ملتی تو فُل اور فاتحہ کی رسم ادا کرنے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا؟ چچا اور اُن کے گھر والے بھی آنسو بہانے کے بعد دوبارہ زندگی کے ہنگاموں میں گم ہو جاتے۔ شبّن خان کف افسوس ملتا رہ جاتا۔ ایک تزئین ایسی تھی جو بڑے دنوں تک میری جدائی کا سوگ مناتی رہتی۔ میں نے اور کلدیپ نے اُسے بیٹیوں کی طرح اپنایا تھا۔

تزئین کی یاد آئی تو میرا دل تڑپ اُٹھا، وہ غریب بھی میری وجہ سے دو بار میرے دشمنوں کی کمینگی کا شکار ہو چکی تھی، وہ بدذات مجھے کمزور کرنے کی خاطر اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔ اب بھی اُنہیں علم ہوگا کہ میرے واقف کاروں میں سے کون کہاں کہاں ہو گا؟ ہندوستان میں میری واپسی اُن کے لئے پھر وبالِ جان بن سکتی تھی لیکن میں پریتم لال کی بات نہیں ٹال سکا، کلدیپ نے میری خاطر اپنی جوانی کی خوشیوں اور اُمنگوں سے منہ موڑ کر میسور کی پہاڑیوں پر زندگی بتا دی۔ منڈل میں بیٹھی مجھے مضبوط کرنے کی خاطر دیوی دیوتاؤں کے لئے جاپ کرتی رہی، امرلال سے مجھے بچانے کی خاطر اُس غریب نے کالی

کے چرنوں میں قربانی پیش کرنے کا عہد کر لیا۔ وہ اپنا فرض پورا کر کے دنیا سے منہ موڑ گئی۔ میں اُس کے ادھورے کام پورے کرنے کی بجائے منہ چھپا لیتا تو میرا ضمیر مجھے کبھی معاف نہ کرتا۔ ایک پھانس سینے میں چبھتی رہتی.....!

میں اپنے خیالات میں مستغرق تھا جب ایک نسوانی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"مسٹر، یہ لاٹھی سیٹ سے ہٹا لیجئے.....پلیز۔"

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا، وہ ایک حسین دوشیزہ تھی، اندر کے اکھاڑے کی کوئی اپسرا تھی، پری تھی، حور تھی جو بڑی تمکنت سے کھڑی سیّد مجذوب کی اس لاٹھی کی طرف اشارہ کر رہی تھی جو میں نے خالی سیٹ سے ٹکا دی تھی۔ مجھے تعجب ہوا، جہاز کو ایئرپورٹ سے روانہ ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا، وہ اچانک کہاں سے نمودار ہو گئی؟

"یہ میری سیٹ ہے....." اُس نے میری حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بڑے پُروقار لہجے میں کہا۔ "میں جہاز میں سوار ہونے کے بعد ایئر ہوسٹس کی اجازت سے اپنے ایک واقف کار کے ساتھ کچھ دیر کے لئے فرسٹ کلاس میں چلی گئی تھی، جہاز میں کچھ اور نشستیں بھی خالی ہیں۔" اُس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے تکلفی سے بات جاری رکھی۔ "اگر آپ کہیں تو میں کسی دوسری خالی سیٹ پر.....؟"

"جی نہیں....." میں نے جلدی سے سیّد مجذوب کی لاٹھی اپنی طرف کر لی۔ اُس کے مہکتے وجود سے دُوری اختیار کرنا کفرانِ نعمت سے کم نہیں تھا۔ قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے بیشتر مسافر اُسے حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ صرف دیکھے جانے کے نہیں، چاہے جانے کے قابل تھی۔ میرا بس چلتا تو اُسے اپنی پلکوں پر بٹھا لیتا، دل کی گہرائیوں میں چھپا لیتا۔

وہ اپنے قیامت جسم کو ہلکا سا بل دے کر خالی نشست پر بیٹھی تو اُس کے بدن کی خوشبو مجھے مسحور کر گئی۔ میری نظریں اُس کے سراپا میں گم ہو گئیں۔ وہ دراز قد اور سیمیں بدن تھی، قدرت نے اُسے بڑی فرصت میں تخلیق کیا ہوگا، اُس کے جسم کے ایک ایک نشیب و فراز اپنی مثال آپ تھے، میری نظریں بہکنے لگیں۔ اُس کی بکھری ہوئی دراز زلفیں شانوں پر ناگنوں کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ اُس کی شبنمی آنکھیں، اُس کے چہرے پر کھیلتی ہوئی مدھم معصوم مسکراہٹ، اُس کے ہونٹوں کا گداز، اُس کے گلابی گالوں کا نکھار، صراحی دار گردن،

سینے کا زیر و بم، لباس کی سرسراہٹ، بھینی بھینی خوشبو جو ذہن کو خوابوں کی دنیا کی سیر کرائے، سب کچھ قابل دید تھا۔ وہ قدرت کی تخلیق کا ایک حسین و جمیل شاہکار تھی۔ متحرک مجسمہ تھی، میں اُس کے حسن کی رعنائیوں میں غرق ہو گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں ان گنت حسین چہرے دیکھے تھے، مجھے اُن کے قرب کی لذتوں سے سرشار ہونے کا شرف حاصل تھا، وہ میری آغوش میں کھلی کتاب کی طرح پڑی رہتی تھیں، میں اُنہیں ورق ورق پڑھتا تھا۔ لیکن وہ ان سب سے منفرد تھی۔ میری حسن شناس نگاہوں کے لئے ایک نادر اضافہ تھی۔ مجھے اُس کے ہم سفر ہونے پر فخر محسوس ہوا۔ دوسروں کی نگاہوں میں رقابت کے جذبے مچلنے لگے۔

''آپ تنہا ہیں.....؟'' میں نے مہذب لہجے میں دریافت کیا۔

''جی نہیں.....'' اُس کے شیریں لبوں کو جنبش ہوئی۔ شوخی سے بولی۔ ''آپ بھی تو ساتھ ہیں۔''

میں لاجواب ہو گیا۔ سینکڑوں مسافروں سے بھرے جہاز میں اُس کی بے باکی کا کیا جواب دیتا؟

''آپ کا شبھ نام.....؟'' اُس نے مجھے کسمساتا دیکھ کر مترنم لہجے میں دریافت کیا۔

''جمیل احمد خان.....'' میں نے دھڑکتے دل سے جواب دیا۔ اُس کے ماتھے کی بندیا دیکھ کر مجھے اُس کے ہندو ہونے کا شبہ ہوا تھا۔ اُس نے میرا شبھ نام پوچھ کر میرے شبہے کی تصدیق کر دی۔

''میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' اُس کے لہجے میں تاسف اتر آیا۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ کسی وچار میں گم تھے جب میں نے.....''

''جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''یونہی لندن کے کچھ ساتھیوں کو یاد کر رہا تھا۔''

''آپ لندن کس لئے آئے تھے؟''

''سیر و تفریح کی خاطر.....''

''کوئی اور آپ کے ساتھ نہیں آیا.....؟''

''نہیں.....'' میں نے جان بوجھ کر مختصر جواب دیا۔

''اوہ.....'' اُس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔ ''پھر تو آپ بڑا اکیلا محسوس کرتے

ہوں گے۔''

''کرتا تھا.....اب نہیں۔''

''شباب کیا ہو گیا.....؟'' وہ میری بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکی۔

''اب آپ جو ساتھ ہیں۔'' میں نے جسارت سے کام لیا، اُسی کا جملہ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ واپس لوٹا دیا۔

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' وہ مسکرا دی۔ ''سفر اچھا کٹ جائے گا۔''

''میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں؟'' میں نے حسن کی سرکشی کو تنکھیوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''امریتا.....''

''سندر نام ہے، بالکل آپ ہی کی طرح.....'' میں روانی میں کہہ گیا۔ اُس نے برا نہیں منایا، مسکرانے لگی۔

ہمارے درمیان اجنبیت کا احساس ختم ہونے لگا۔ میں نے اُسے ٹٹولنے کی خاطر دریافت کیا۔

''آپ لندن کس کے پاس گئی تھیں.....؟''

''تھا ایک کام.....'' اُس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ ''آپ کو تفصیل نہیں بتا سکتی۔''

''آپ کے پتا جی کیا کرتے ہیں.....؟''

''لمبا سفر ہے۔'' اُس نے سرگوشی کی۔ ''آپ اتنی جلدی جلدی سب کچھ پوچھ لیں گے تو باقی کیا رہ جائے گا؟''

جہاز کا عملہ ڈرنکس کی ٹرالی لئے آ گیا تو مسافر کھانے پینے میں مصروف ہو گئے۔ ہمارے درمیان اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ امریتا بہت جلدی مجھ سے گھل مل گئی تھی۔ مجھے اس کی اُمید نہیں تھی۔

''ایک بات پوچھوں آپ سے، برا تو نہیں منائیں گے؟'' اُس نے جوس کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

''آپ ایک نہیں دس باتیں پوچھ سکتی ہیں۔'' میں نے فیاضی کا ثبوت پیش کیا۔

''بھگوان نہ کرے آپ کو ٹانگوں کا کوئی روگ تو نہیں ہے؟''

''یہ اندازہ آپ نے کیسے لگایا.....؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''آپ کے ساتھ یہ لاٹھی دیکھ کر.....'' امریتا نے لاٹھی پر نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ.....'' میرے ذہن میں سیّد مجذوب اُبھر آیا۔ ''یہ میرے ایک دوست کی نشانی ہے۔ میں اسے کبھی خود سے جدا نہیں کرتا۔''

''دوست.....اور.....لاٹھی، بڑی حیرت کی بات ہے۔'' اُس نے بڑا لطیف طنز کیا۔

''ہر شخص سے پھول ملنے کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔'' میں نے معنی خیز انداز اختیار کیا۔

''کیوں نہیں کی جاسکتی؟'' وہ بڑے قاتلانہ لہجے میں بولی۔ ''تن اُجلا ہو، من میں میل نہ ہو، بول سچے ہوں تو منش کی منوکامنائیں اوش پوری ہوتی ہیں۔''

''آج کل ایسے دل والوں کو تلاش کرنے کی خاطر پوری دنیا کھنگالنی پڑے گی۔'' میں نے دیدہ ودانستہ افسردگی کا اظہار کیا۔ ''اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔''

''آپ مجھے اندر سے دُکھی نظر آتے ہیں۔'' وہ کھانے سے ہاتھ روک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اُس کی غزالی آنکھوں میں مستیاں ناچ رہی تھیں۔

''ہونٹوں کی مسکان کبھی کبھی دھوکہ بھی دے جاتی ہے۔'' میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ ''دل کا بھید ہر کوئی نہیں جان سکتا۔''

''آپ کا کوئی اپنا بچھڑ گیا ہے شاید۔'' امریتا نے اپنائیت سے پوچھا۔ ''کون تھا.....؟''

''آپ جل پانی کرتی رہیں۔ میں نے اُسے اُکسانے کو کہا۔ ''میں اپنی کتھا سنانے بیٹھ گیا تو آپ بور ہو جائیں گی۔ دوسرے کے دُکھ کون بانٹتا ہے؟''

''ایک بات کہوں.....؟''

''کہیئے.....'' میں نے سرد آہ بھری۔

''مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاسکتا۔'' وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے بولی۔ ''زندہ رہنے کے کارن بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، بڑی کٹھنائیاں بھوگنی پڑتی ہیں، لوہا زنگ پکڑ لے تو کسی کام کا نہیں رہتا، یہی حال منش کا ہے، کوئی روگ لگے اور اس کا بروقت علاج نہ کرایا جائے تو وہ اور بگڑ جاتا ہے۔ جیون کھٹارے کو گھسیٹنے کے لئے زور تو لگانا پڑتا ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانے سے کام نہیں چلتا، ایک راستہ کھوٹا ہو جائے تو دوسرا کھوجنا پڑتا ہے، جیون پرماتما کی سب سے سندر دین ہے، اس کی سندرتا کو بڑھانے کی

خاطر کانٹوں کی نہیں، مہکتے پھولوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو رُوٹھ جائے اُسے منایا جاسکتا ہے، جو بچھڑ جائے اُسے بھولنا پڑتا ہے، یہی دنیا کی ریت ہے۔ جو اس ریت کو توڑ دے وہ بھیڑ سے الگ ہو جاتا ہے، اکیلا بھٹکتا رہتا ہے، اپنی منزل سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے۔'' وہ بڑی روانی سے زندگی کا فلسفہ بیان کر رہی تھی۔ ''ندی کے دو پاٹ کی مثال لے لیں، وہ آپس میں کبھی نہیں ملتے لیکن پانی کا بہاؤ جاری رہتا ہے، بہاؤ تھمنے لگے تو جیون نیا ڈگمگانے لگتی ہے، اسے کنارہ نہیں مل پاتا، کہیں راستے میں ٹھپ ہو جاتی ہے۔ اسے آگے بڑھانے کے لئے منش کو اپنی شکتی استعمال کرنی پڑتی ہے۔ وہ نراش ہو جائے تو کہانی آگے نہیں بڑھ سکتی، کہانی کو آگے بڑھانے کی خاطر کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑتا ہے.....'' وہ سانس لینے کو رُکی۔

''آپ نے کہاں سے سیکھ لیں یہ باتیں؟'' میں سوال کر بیٹھا۔

''سنسار کی بھیڑ چال نے سکھا دیں۔'' اُس کے گداز ہونٹوں پر ایک اُداس تبسم مچل کر رہ گیا۔ ''جو چیزیں اُوپر سے سندر نظر آئیں، کومل دکھائی دیں، اندر سے بھی ان کا اتنا ہی سندر ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ کنویں کی گہرائی کا اندازہ لگانے کے کارن نیچے جانا پڑتا ہے، ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی، رسموں کو نبھانے کے لئے، سماج میں پگ کی جھوٹی شان برقرار رکھنے کی خاطر چاندی پر سونے کا پانی چڑھانا پڑتا ہے، ملمع کئے ہوئے زیوروں، گہنوں سے کام چلانا پڑتا ہے، سرخ جوڑے میں لپٹی سہمی سہائی نئی نویلی دُلہن کے ماتھے پر جھلملاتے، جگمگ کرتے ٹیکے کی بھاگیہ (قسمت) میں کیا لکھا ہے؟ یہ کون جان سکتا ہے.....؟''

''مت کیجئے ایسی باتیں۔'' میں اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو نہ پا سکا۔ اُسے ٹوک کر بولا۔ ''کہیں آپ کو میری نظر نہ لگ جائے۔''

وہ بولتے بولتے رُکی تو مجھے یوں لگا جیسے فضا کی ساری نغمگی ختم ہو گئی ہو، سارے سازوں کی آواز ایک ساتھ خاموش ہو گئی ہو۔ میری بات سن کر اُس کی مخمور نگاہوں میں جگنو چمکنے لگے، ستارے جھلملانے لگے۔ اُس کی سنجیدگی میں مسرتوں کے رنگ گھلے تو وہ اور زیادہ حسین بن گئی، اُس کی نگاہیں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ اُسے شاید خوشی تھی کہ وہ میرا دُکھ بانٹنے میں کامیاب ہو گئی۔ میرے سینے میں ارمان ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ قرب و جوار کی نشستوں پر بیٹھے ہوئے مسافروں کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے، وہ میری قسمت پر رشک کر رہے تھے، میرا سینہ فخر سے اور تن گیا۔ میں حسن و جمال کے اس شاہکار کو والہانہ

نظروں سے دیکھ رہا تھا جو میرے ایک جملے سے خاموش ہو کر کسی حسین مجسمے کی طرح اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی اُس معصوم بیر بہوٹی کی مانند جو ذرا سی آہٹ پا کر اپنے سرخ مخملی جسم کو اپنے وجود میں سمیٹ کر ہر خطرے سے بے نیاز سمجھنے لگتی ہے۔ امریتا بھی میرے جذبات میں اُٹھنے والی طغیانی سے بے خبر تھی۔

''اتنے غور سے میرے چہرے پر کیا تلاش کر رہی ہو.....؟'' میں نے بے تکلفی بڑھانے کی خاطر 'تم' کا صیغہ استعمال کیا۔

''میں آپ کو کیا سمجھوں؟'' اُس کے لبوں کو جنبش ہوئی تو دانتوں کے موتی بکھرتے نظر آئے۔ اُس نے بڑی معصومیت سے بات جاری رکھی۔ ''کوئی شاعر، کوئی چتر کار، مصنف، نغمہ نگار، کوئی سنگتراش یا..... جادوگر؟''

''اس کے علاوہ بھی بہت سارے شعبے باقی رہ جاتے ہیں۔'' میں نے دبی زبان میں کہا۔

''وہ آپ بتا دیں.....؟'' اُس نے اپنی صراحی دار گردن کو ذرا خم دے کر اپنی تمام تر توجہ میری جانب مبذول کر لی۔

''تم مجھے کوئی دیوانہ بھی کہہ سکتی ہو، کوئی راہ بھٹکا ہوا مسافر جس کی کوئی منزل نہ ہو، کوئی دیوداس، مجذوب، عقل و خرد سے بیگانہ کوئی پاگل، کوئی پجاری جو دیوی کے چرنوں پر سارا جیون بھینٹ کر دینے کے بعد بھی شانت نہیں ہوتا، بیاکل ہی رہتا ہے۔''

''آج اگر میں یہ فلائٹ مس کر دیتی تو مجھے ہمیشہ دُکھ رہتا۔'' امریتا کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

''وہ کیوں.....؟'' میں انجان بن گیا۔

''آپ جیسا متر نہ مل پاتا.....'' اُس کے جملے میں بڑی گہرائی تھی، اُس کی آنکھوں سے چھلکنے والی شراب مجھے مدہوش کر گئی۔

''جانتی ہو امریتا، مسافر ایک دوسرے سے کیوں ملتے ہیں؟'' میں نے اُسے اپنے تجربے کی بھٹی میں پگھلانے کی خاطر ایک طویل سانس لے کر پوچھا۔

''کیوں.....؟'' وہ مجسم اضطراب نظر آنے لگی۔

''ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کی خاطر.....''

''ضروری تو نہیں.....'' اُس نے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ ''ساتھ آٹھ گھنٹے کا سفر کسی مسافر کی آخری منزل نہیں ہوتا۔ لگن سچی ہو، پریم پوتر ہو اور من میں کسی سے ملنے کی آشا ہو تو

جیون کے کسی موڑ پر کبھی بھی، کہیں بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔''

''ہاں، تم شاید ٹھیک کہتی ہو۔ منش کو اتنی جلدی نراش نہیں ہونا چاہئے۔''

''آپ نے ہندی زبان باقاعدہ سیکھی ہے یا مجھے خوش کرنے کی خاطر بول رہے ہیں؟''

اُس کے لہجے میں شوخی تھی، شرارت تھی۔ میں نے موقع ضائع نہیں جانے دیا، اُس کی نیلگوں آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''تمہیں خوش کرنے کی خاطر تو میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

''سچ.....؟'' وہ اور زیادہ بے تکلف ہو گئی۔ ''مجھے یقین نہیں آتا.....''

''آزما کر دیکھ لو۔'' میں نے اُس کی نگاہوں میں چھلکتے ہوئے ساغر میں ڈوب جانے کی جسارت کی، اُس نے خفگی کا اظہار نہیں کیا، بڑی محبوبیت سے ہونٹوں پر تبسم سجا کر بولی۔

''آزمائی ہوئی چیزوں کو دوبارہ پرکھنے کی کیا ضرورت ہے.....؟''

''کیا مطلب.....؟'' میں چونکا، میرے ذہن میں اُن لاتعداد مہ جبینوں کے چہرے اُبھر کر گڈمڈ ہونے لگے جو کسی نہ کسی انداز مین میرے تصرف میں آ چکی تھیں۔ کبھی کسی سے رات کے اندھیرے میں انکارانی نے ملاقات کرا دی، کبھی سابقہ تجربوں کی روشنی میں، میں نے کسی پر کمند ڈال دی، میں نے ان مہ جبینوں، شعلہ بدن حسیناؤں، زہرہ جبینوں کی کوئی فہرست مرتب نہیں کی تھی۔ کس کس کو یاد رکھتا؟ کسے بھول جاتا؟ کون کہاں ملی تھی؟ کن حالات میں میری سرکشی اور بدنصیبی کا شکار ہوئی تھی؟ کسے یاد تھا.....؟

میرے ذہن میں کھلبلی مچ گئی، میں ماضی کی تاریک کوٹھڑی میں دفن چہروں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا، شاید کوئی امریتا سے ملتی جلتی صورت نظر آ جاتی تو میں کوئی خوبصورت بہانہ تراش کر اُسے بہلا دیتا..... مجھے مایوسی ہوئی، ماضی کے دُھندلکوں سے کوئی ایسی صورت نہیں اُبھری جس پر امریتا کا گمان کیا جا سکتا۔ وہ اُن سب سے منفرد تھی۔ ٹہنی پر مچلتے مہکتے تازہ گلاب کی مانند۔ اُس کی آنکھوں کی معصومیت، چہرے کا بھولپن، بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ ابھی تک کسی مرد کی آغوش کی تپش کی آنچ نے اس کے کومل جسم تک شرف باریابی کا اعزاز حاصل نہیں کیا۔ یہ میرا مشاہدہ تھا، ایک تجربہ کار شکاری کی سوچ تھی جس میں کسی ترمیم اور اضافے کی گنجائش نہیں تھی۔

'پھر..... وہ کون تھی؟' میں اپنے آپ سے اُلجھنے لگا، کئی وسوسوں نے مجھے گھیرنے کی

کوشش کی۔ ''ممکن ہے وہ مجھے کسی اور طرح سے جانتی ہو؟ اس نے کہیں کسی کے ساتھ مجھے دیکھ لیا ہو..... میری روندی ہوئی لڑکیوں میں سے کسی نے اسے میری داستان سنا دی ہو..... اسے کہیں سے میری تصویر کے دوسرے رُخ کی بھنک مل گئی ہو.....'' بہت سارے امکانات تھے، سچائی کی راہ پر چلنے والوں کو دنیا بہت جلد فراموش کر دیتی ہے، وہ اکثریت میں زیادہ نہیں ہوتے، گناہ کے راستوں پر مسافروں کی بھیڑ بھاڑ زیادہ ہوتی ہے پھر بھی انہیں یاد رکھا جاتا ہے، عنوان سے خاکے بنائے جاتے ہیں، خاکوں سے کہانی اُبھرتی ہے، کہانی میں زیب داستان کے لئے رنگ بھرے جاتے ہیں تاکہ سننے والا متاثر ہو، افسانوں میں اسی طرح جوڑ لگتے جاتے ہیں، بات ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک منتقل ہوتی رہتی ہے، یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا، ہمیشہ جاری رہتا ہے، سینہ بہ سینہ چلتا رہتا ہے۔ نیک پروین کی باتیں ذہنوں میں زیادہ دنوں بسیرا نہیں کرتیں، اُمراؤ جان اَدا گھنگھرو باندھے دل و دماغ میں تھرکتی رہتی ہے۔

امریتا کا جملہ میرے ذہن میں سیارے کی طرح گردش کرتا رہا۔ میں نے اپنی زندگی کی پوری لغت کھنگال ڈالی، مجھے اس کا کوئی سراغ، کوئی سرا نہیں ملا۔

''کیا سوچنے لگے.....؟'' امریتا کی آواز مندر کی گھنٹیوں کی طرح میری سماعت سے ٹکرائی۔ میں کسمسا کر رہ گیا، کیا جواب دیتا؟

''آپ مسلمان ہیں، آواگون پر یقین نہیں رکھتے، اس لئے اُلجھ گئے۔'' اُس نے معصومیت سے کہا۔ ''میں نے آپ کو چھیڑنے کی خاطر یونہی ایک بات کہہ دی تھی۔ شاید ہم پچھلے جنم میں کبھی مل چکے ہوں.....''

''آپ وشواس رکھتی ہیں ان باتوں پر.....؟'' میں نے اطمینان کا سانس لے کر پوچھا، دل سے ایک بوجھ اُتر گیا۔

''پہلے نہیں تھا، آج کچھ کچھ ہو رہا ہے۔'' اُس نے پھر ایک مبہم بات کہہ دی۔

''میں سمجھا نہیں.....؟'' میرے دل کا چور پھر خوفزدہ ہو گیا۔

''اگر میں پچھلے جنم میں آپ سے نہ ملی ہوتی تو اتنی جلدی بے تکلف نہ ہوتی۔'' وہ مسکراتے مسکراتے یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ ''آپ پہلے پرش ہیں جسے دیکھ کر مجھے یوں جان پڑا جیسے میں آپ کو برسوں سے جانتی ہوں۔''

''میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں؟'' میں نے اُسے شوخ نظروں سے دیکھا۔ ''اپنے جسم پر چٹکی بھر کر تصدیق کروں کہ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟''

''میں نے آپ سے ایک جھوٹ بھی بولا ہے۔'' اُس نے میری بات کا جواب دینے کی بجائے مسکرا کر اعتراف کیا۔ ''میں فرسٹ کلاس میں کسی واقف کار کے ساتھ نہیں، اپنے گرو کے ساتھ بیٹھی ہوں۔ آپ کو جہاز میں چڑھتا دیکھ کر مجھے ایسا ہی لگا..... جیسے میں آپ کو پہلے سے جانتی ہوں، بہت سوچ وچار کے بعد آپ سے ملنے کی ٹھان لی۔ گرو مہاراج سے ایک سہیلی سے ملاقات کا بہانہ کر کے آئی ہوں۔ اب آ گیا (اجازت) دیں۔ زندگی رہی تو پھر کبھی ملاقات ہو گی۔''

وہ مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اُٹھی۔ میں نے اُسے روکنا چاہا، وہ مجسم شراب تھی، حلق کے نیچے اُترنے سے پہلے نشہ کر گئی تھی۔ میرے حلق میں کانٹے چبھنے لگے، جسم پر شہد کی مکھیاں ڈنک مارنے لگیں، پانی سے بھرا گلاس سامنے ہو اور ایک قطرہ بھی پیاسے کے حلق میں نہ ٹپکے تو پیاس کی شدتیں اور بڑھ جاتی ہیں، میں بھی اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ وہ آہستہ سے کمر کو لوچ دے کر سیٹ کے درمیان سے نکل گئی۔ جاتے جاتے اُس نے اپنے کھانے کی ٹرے میرے سامنے رکھ دی۔ میری بے چین نظریں اُس کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ ڈار سے بچھڑی کسی ہرنی کی طرح چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی فرسٹ کلاس میں چلی گئی۔ درمیان میں پردہ حائل ہو گیا۔ حسرتیں مچل کر رہ گئیں۔ اُس کے وجود کا مہکتا مسکراتا عکس میرے ذہن میں لہراتا رہا۔

امریتا کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن کسنی میں ہی اُسے دل کے تاروں کو چھو لینے کا فن آ گیا تھا۔ میں بڑی دیر تک اُسی کے بارے میں سوچتا رہا، ایئر ہوسٹس آئی۔ کھانے کی ٹرے دیکھ کر کاروباری مسکراہٹ اُس کے لبوں پر پھیل گئی۔

''سر..... آپ نے کچھ کھایا نہیں.....؟''

خوبصورت یونیفارم میں اُس کا دراز قد بھلا لگ رہا تھا۔ وہ خوش شکل تھی، میک اپ کے کمال نے اُس کے حسن کو اور سجا بنا کر نکھار دیا تھا، تنگ یونیفارم اُس کے جسم سے دھینگا مشتی کرتا نظر آ رہا تھا۔ یہ سب من چلے مسافروں کے دل بہلانے کے ڈھنگ ہوتے ہیں۔ پرانے جال میں نئی مچھلیاں نہیں پھنستیں۔ میں نے بھی کھیل کے میدان میں پہلی بار قدم

نہیں رکھا تھا، اب ریٹائرمنٹ کا وقت قریب آنے کو تھا، میری تجربہ کار نگاہوں میں دُھول نہیں جھونکی جا سکتی تھی۔ ایئر ہوسٹس ایک کاغذی پھول تھی، مہک سے بے نیاز۔ امریتا تر و تازہ گلاب تھی جس کی نازک پنکھڑیوں پر کسی بھنورے کی نظر نہیں پڑی تھی۔ بڑا فرق تھا دونوں میں۔

''بھوک نہیں ہے.....'' میں رسماً مسکرا دیا۔

''آپ کی ساتھی کہاں چلی گئیں؟'' اُس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

''فرسٹ کلاس میں.....'' میں سنجیدہ ہو گیا۔ وہ خاموشی سے برتن سمیٹ کر چلی گئی۔ میں نے مسافروں کی سمت دزدیدہ نظروں سے دیکھا، اب کوئی میری طرف متوجہ نہیں تھا۔ سب کے دل کو قرار آ گیا تھا۔ میں نے آنکھ بند کر کے دوبارہ پشت سے سر ٹکا لیا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی کو میں نے ٹانگوں کے درمیان محفوظ کر رکھا تھا، میرے ذہن پر بدستور امریتا کا تصور کلبلا رہا تھا، میں اُسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اُس کی معصوم باتیں صدائے بازگشت بن کر میرے کانوں میں گونج رہی تھیں، مجھے کسی کروٹ چین نہیں مل رہا تھا۔ معاً میرے دل میں ایک خیال اُبھرا۔ میں نے ارتکاز اور مراقبے کی بے شمار مشقیں کر رکھی تھیں، میں دُور ہونے کے باوجود امریتا کے قریب پہنچ سکتا تھا، اُس کے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر معلوم کر سکتا تھا کہ اُس نے مجھ سے جو باتیں کی تھیں اس میں کیا سچ تھا، کیا جھوٹ تھا؟ میں اُس کے ذہن میں گھس کر اُسے دوبارہ اپنے پاس آنے کا حکم دے سکتا تھا۔ میرے پاس پراسرار طاقتوں کے ذخیرے کی کوئی کمی نہیں تھی، انکا ہوتی تو ایک اشارے میں میری مشکل آسان کر دیتی، امریتا نہ چاہنے کے باوجود میرے قریب آ جاتی۔ میں پھر اُس کی خوبصورت چھیڑ چھاڑ سے محظوظ ہونے لگتا، انکا اُس کے سر پر بیٹھی رہتی، مسافروں کی نگاہیں پھر ہماری طرف اُٹھنے لگتیں۔ اُن کے دلوں پر آرے چلتے، میں مسکراتا رہتا۔ ہم گھل مل کر باتیں کرتے رہتے، مجھے کچھ دریافت کرنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑتی، امریتا از خود اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیتی، کوئی راز، راز نہ رہتا۔ لیکن انکا اس وقت میرے سر پر نہیں تھی۔ ابھی تک سیاہ فام مورینا کا ''کاک ٹیل'' خون پینے میں مصروف ہو گی۔ نہ ہوتی تو پلک جھپکتے میں واپس آ جاتی۔

میں نے ارتکاز کا حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اسی وقت میرے سر پر ایک

خوشگوار دھماکہ ہوا..... میں نے عالم تصور میں دیکھا، انکارانی میرے سر پر موجود تھی۔ اُس کا چہرہ خون کی طاقت ور غذا حاصل کر لینے کی وجہ سے تمتما رہا تھا۔ قندھاری انار کی مانند اُس کے ہونٹوں کی لالی بڑھ گئی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں خمار ہی خمار تھا۔ دونوں ہاتھ کولہوں پر جمائے میرے بالوں کے درمیان کھڑی مجھے بڑی خمار آلود نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''کاک ٹیل خون کا تجربہ کیسا رہا.....؟'' میں نے دریافت کیا۔

''ایک دم ایکسیلنٹ..... ونڈر فُل۔'' انکا نے نشے میں لڑکھڑاتے ہوئے کسی حسین، کافر ادا فرنگن کی نقل اُتاری۔

''بہت خوش نظر آ رہی ہو..... انکارانی۔''

''نو، نو.....'' وہ کولہے مٹکانے لگی۔ ''انکا نہیں..... صرف رانی کہو جمیل، اپنے دل کی رانی، کوئن آف ہارٹ۔''

''میں نے تمہارے بہت رُوپ دیکھے ہیں، آج ایک نئے رُوپ میں نظر آ رہی ہو.....'' میں مسکرا دیا۔

''نظر مت لگاؤ مائی سویٹ ہارٹ۔'' وہ دل پر ہاتھ رکھ کر ایک ادا سے بولی۔ ''بہت عرصے بعد میری خواہش کی تکمیل ہوئی ہے، مورینا کے خون کی لذت..... اُف..... آہ.....'' انکا ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ ''میں نے تم سے غلط نہیں کہا تھا، سیاہ فام عورتوں کے خون کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ میرے حسن کے نکھار کو ذرا تنقیدی نظروں سے دیکھو، کیا اس وقت میں کسی مس یونیورس سے کم نظر آ رہی ہوں؟ ایمان سے فیصلہ کرنا، ڈنڈی مارنے کی نہیں ہو گی، تمہیں میری قسم۔''

''تم تو ہمیشہ سے سدا بہار ہو، البتہ آج تمہارے جوبن پر ایک نیا نکھار دیکھ رہا ہوں۔''

''جمیل.....'' انکا نے محبوبانہ انداز میں سرد آہ بھری۔ ''ایسی ہی پیاری پیاری باتیں کیا کرو..... اُداس مت ہوا کرو۔''

''یہ اداکاری کب تک جاری رہے گی؟'' میں نے پہلو بدل کر کہا۔ ''مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں بھی کرنی ہیں۔''

''مجھے تمہیں ستانے میں مزہ آتا ہے۔'' جواب میں وہ سر پر اوندھی لیٹ گئی، دونوں کہنیوں کو بالوں پر ٹیک کر اپنا چہرہ ہتھیلیوں پر رکھ کر بڑے مستانہ انداز میں ٹانگیں فضا میں

آگے پیچھے لہراتے ہوئے بولی۔ ''تم قسمت کے بڑے دھنی ہو جمیل، بڑے بڑے پنڈت پجاری مجھے حاصل کرنے کے لئے برسوں منڈل میں بیٹھے جاپ کرتے رہتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے۔ کوئی کسی مرگھٹ کے ویرانے میں میرے خواب دیکھتے دیکھتے لڑھک جاتا ہے، چیل کوے اُس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے ہیں، کوئی کسی برف پوش پہاڑی کی گپھا میں بیٹھے بیٹھے سردی سے اکڑ کر جم جاتا ہے، اس کی چتا کو آگ بھی نصیب نہیں ہوتی..... ایک تم ہو، وہ پہلے شخص جس نے انکارانی کا دل موہ لیا۔ میں نے خود سے تمہارے سر پر سہرا کر لیا۔''

''اور کچھ.....؟''

''ہاں.....'' انکا نے بڑے جذباتی انداز میں جواب دیا۔ ''آج میں نے پہلی بار تمہیں اپنا دل چیر کر دکھانے کی کوشش کی ہے، آج مجھے مت ٹوکنا جمیل، آج صرف مجھے بولنے دو، تم سنتے رہو۔''

''جلدی جلدی کہہ ڈالو، میرے پاس وقت کم ہے.....''

''ایسی بے رُخی سے بات مت کرو۔'' وہ ٹھنک کر بولی۔ ''آج تم نے میرے جوبن کے نکھار کی بات کی ہے، مجھے اچھا لگا۔ یقین جانو، اگر میں حقیقت کا رُوپ اختیار کر سکتی تو تمہاری زندگی میں میرے سوا کوئی دوسری عورت قدم رکھنے کی جرأت نہ کر پاتی۔ میں رُوپ بدل بدل کر تمہارے اندر چھپے ہوئے شیطان کو گدگداتی رہتی، تم سے چہلیں کرتی، تمہارے دل کو گرماتی، تم اپنے داؤ پیچ اختیار کرتے، میں اپنی اداؤں سے تمہیں دیوانہ کر دیتی، مزہ دوآتشہ ہو جاتا۔ کبھی میں رُوٹھ جاتی، تم میری ناز برداریاں کرتے، کبھی تم خفا ہو جاتے تو میں تمہارے گلے میں بانہیں ڈال کر جھول جاتی، میرا قرب تمہاری خفگی کی ساری پول کھول دیتا.....''

''باقی آئندہ.....'' میں نے موضوع بدل دیا۔ ''تم نے لندن سے روانگی سے قبل آرتھر کو مزہ چکھانے کی بات کی تھی؟''

''ارے ہاں.....'' انکا اُٹھ کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی، سنجیدگی سے بولی۔ ''میں تمہیں بتانا بھول گئی کہ اب پولیس آفیسر لوئیس آرتھر کو دن میں تارے نظر آنے لگیں گے۔''

''میں سمجھا نہیں.....'' میں نے وضاحت طلب کی۔

''ایک طرف اُس غریب کو اپنی ملازمت بچانے کے لئے عدالت میں اس بات کا

تحریری وضاحتی جواز پیش کرنا ہوگا کہ اُس نے تمہارے خلاف جھوٹا کیس بنانے کی غلطی کیوں کی؟ دوسری طرف مورینا کی لاش اُس کے گلے پڑ جائے گی۔''

''مورینا کی لاش سے آرتھر کا کیا تعلق؟'' میں چونکا۔

''وہ تمہیں جس ہٹ میں لے گئی تھی وہ کسی اور کی نہیں..... آرتھر کی ملکیت تھی۔'' انکا کے گلابی ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیلنے لگی، چٹخارہ لیتے ہوئے بولی۔ ''وہ کار بھی آرتھر کے ایک قریبی دوست کی تھی جسے تم ایئرپورٹ پر چھوڑ آئے ہو۔ آرتھر گلے گلے پھنس چکا ہے۔ مورینا کی پوسٹ مارٹم رپورٹ سامنے آئے گی تو پورے لندن میں کہرام مچ جائے گا۔ میں نے اُس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑا..... پولیس آفیسر کا دوسرا خطرناک رُوپ، اُس نے جیوری کی ایک ممبر کو ریپ کرنے کا بعد اُس کا خون پی ڈالا، فلموں کا ڈریکولا انسانی شکل میں..... اخبار کی یہ سرخیاں تہلکہ مچا دیں گی، ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوگا، خود آرتھر بھی اپنے بارے میں یہ سب کچھ سننے کے بعد غش کھا کر گر پڑے گا، بڑے بڑے دماغ چکرا جائیں گے، لوگ سہم کر راتوں کو گھر سے نکلنا چھوڑ دیں گے۔''

''کچھ کل کے بارے میں بھی سوچ لو.....'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ بمبئی ایئرپورٹ پر کچھ لوگ ہمارے سواگت کے لئے تیار بیٹھے ہوں۔''

''میں تمہارا اشارہ سمجھ گئی.....'' انکا اُٹھ کر میرے سر پر ٹہلنے لگی۔ اُس کے چہرے کے تاثرات گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے لگے، ایک لمحہ پیشتر وہ موج مستی کی باتیں کر رہی تھی، آرتھر کو چوہے دان میں پھنسا کر خوش گپیوں میں مگن تھی اور اب اُس کے چہرے پر بھڑکتی آگ کے شعلوں کی لپٹ کپکپا رہی تھی..... ''تم فکر مت کرو جمیل، میں جو تمہارے ساتھ ہوں.....''

''تم اُس وقت بھی میرے ہمراہ تھیں جب اُس حرامزادے امرلال نے اپنے جنتر منتر سے میری معصوم کلدیپ کو بدری نرائن کی موجودگی میں ننگا کر دیا تھا، اُس غریب کے ننگے بدن پر بڑے بڑے آبلے اُگ آئے تھے۔ میں بھی ششدر رہ گیا تھا، کلدیپ کا کالی کو دیا ہوا وچن کام نہ آتا تو میری اور تمہاری قوتیں دھری کی دھری رہ جاتیں۔ لن ترانیوں کا بھرم خاک میں مل جاتا، ترکی تمام ہو جاتی، امرلال کے اشارے پر وہ حرامی بدری نرائن، میرا سب سے بڑا دشمن، میرا سر کاٹ کر کسی بڑے مندر کے دروازے پر لٹکا دیتا..... پجارنیں

اور دیو داسیاں کالی کی شان میں بھجن الاپنے لگتیں، میری کہانی ختم ہو جاتی۔ تم کسی اور کے سر پر چلی جاتیں۔''

''ایسی باتیں مت کرو جمیل۔'' انکا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''اس بار ویسا نہیں ہو گا۔''

''پھر کیا ہوگا.....؟'' میں نے جھلا کر پوچھا۔ ''کیا تم جادو کی چھڑی گھماؤ گی اور وہ سب ہیجڑے بن کر ٹھمکنے لگیں گے؟''

''مجھے سوچنے دو۔'' انکا کے چہرے پر طاری سنجیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ میں اُس کے تیور دیکھتا رہا، میں جانتا تھا وہ کمزور نہیں ہے، لازوال قوتوں کی مالک تھی، زمین کے اندر گھپ اندھیروں میں جھانک سکتی تھی، سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر سکتی تھی۔ اُس کے پنجوں کی تیز چبھن انسانی ذہن کو ہپناٹائز کر سکتی تھی۔ کسی بھی شخص کو اپنا معمول بنا کر اُس کا بھید جان سکتی تھی، اشاروں پر نچا سکتی تھی۔ پریتم لال کے علاوہ کلدیپ کی آتما نے بھی مجھے انکا کی قوتوں سے استفادہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اُنہوں نے غلط نہیں کہا ہوگا لیکن میں انکا کی مجبوریوں سے بھی واقف تھا، پراسرار قوت رکھنے والوں پر بھی کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ کئی موقعوں پر میں نے انکا کو سہم کر نظریں چراتے بھی دیکھا تھا، پریتم لال کو دیکھ کر اُس کے چہرے کا رنگ فق ہو جاتا تھا، کلدیپ کی موجودگی میں وہ میرے سر سے اُتر جاتی..... سادھو جگدیو بھی اُسے ایک بار جاپ منتر کے ذریعے قابو کر کے میرے حوالے کر چکا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہندوستان کے بڑے بڑے جغادری پنڈت اور پجاری انکا کے حصول کی خاطر جاپ کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ انکا ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے۔ لیکن دیوی دیوتاؤں کے معاملے میں وہ بھی ایک خاص حد تک محدود رہنے کی پابند تھی۔

جو میری ماضی کی داستان پڑھ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بالشت بھر کی وہ فتنہ میری زندگی میں کیا کیا گل کھلا چکی ہے۔ وہ میرے سر پر نہ آتی تو یہ سارے ہنگامے بھی نہ ہوتے، نہ مجھے اس کی کہانی رقم کرنی پڑتی، نہ آپ کو اس کا انتظار رہتا۔ مگر اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انکا ایک حیرت انگیز طلسمی قوت کا نام ہے۔ وہ جب مسکراتی ہے تو فطرت کی تمام رنگینیاں اُس کے ننھے سے وجود میں سمٹ آتی ہیں۔ جب اُس کی آنکھوں سے شعلے لپکتے ہیں تو بڑے بڑے سورما کانپ اُٹھتے ہیں، وہ دشمنوں پر قہر بن کر ٹوٹنے میں اپنا ثانی

نہیں رکھتی۔ اس کے لئے وقت اور فاصلوں کی کوئی قید نہیں، اندھیرے اس کا راستہ نہیں روک سکتے، طوفان کی شدتیں اُسے دیکھ کر اپنا رُخ بدل دیتی ہیں۔ وہ جس پر بجلی بن کر ٹوٹی اُسے جلا کر راکھ کر دیا، میں نے جو چاہا اُس نے پورا کیا۔ وہ میری پابند نہیں تھی۔ میں نے اُسے حاصل کرنے کی خاطر نہ بدن پر بھبھوت ملا، نہ پیشانی پر زردی تھوپی، نہ حصار میں بیٹھ کر کوئی جنتر منتر پڑھے۔ وہ از خود میرے سر پر آ گئی۔ اُس نے مجھے اذیتیں پہنچائیں، ایک ہاتھ سے بھی محروم کر دیا، لیکن ان اذیتوں کے مقابلے میں اُس کے احسانات بے شمار ہیں۔ ہمارے درمیان بس اچانک ایک رشتہ قائم ہو گیا۔ وہ میری زندگی کا ایک اٹوٹ انگ بن گئی..... وقتی جدائی ہم دونوں کے پیروں میں مجبوریوں کی بیڑیاں ڈال دیتی، وہ کسی دوسرے کے قبضے میں چلی جاتی تو غیروں کی طرح نظریں پھیر لیتی۔ جب دوبارہ واپس آتی تو میرے گن گانے لگتی۔ میں اُس کا عاشق تھا، وہ میری محبوبہ تھی۔ میری خوشی کی خاطر اُس نے بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے۔ میں بھی کئی بار اُس کی خاطر موت کے منہ میں چھلانگ لگا چکا تھا۔

میں انکا کو سر پر ٹہلتے دیکھتا رہا، اُس کی اضطرابی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ کبھی وہ ہونٹ چبانے لگتی، کبھی ٹہلتے ٹہلتے رُک کر اس طرح خلاء میں گھورنے لگتی جیسے کسی خطرے کی بو سونگھ رہی ہو۔ کبھی اس طرح ہاتھ ملنے لگتی جیسے کسی غلطی پر کف افسوس مل رہی ہو۔ میں نے اُسے اس قدر بے چین کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''کس غم میں دُبلی ہو رہی ہو انکارانی؟ کچھ مجھے بھی تو بتاؤ.....''

''تمہارا اندازہ غلط نہیں تھا۔'' اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اُنہیں تمہاری واپسی کی خبر ہو گئی ہے۔''

''اچھا ہے.....'' میں زہر خند سے بولا۔ ''زندگی میں ایک ٹھہراؤ آ گیا تھا، ہنگامے دوبارہ شروع ہوں گے تو وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوگا۔''

''وہ تمہاری وحشتوں کی کہانی نہیں بھولے۔'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''پنڈت نول کشور نے کالی کے پورے مندر کے گرد منڈل کھینچ رکھا ہے، خود اندر بیٹھا اپنے چیلوں کو پیادوں کی طرح آگے بڑھنے پر اُکسا رہا ہے۔''

''میں جانتا ہوں، تم منڈل میں داخل نہیں ہو سکتیں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں

جواب دیا۔

''جمیل۔'' اُس نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''تم جو کہہ رہے ہو، وہ غلط نہیں ہے۔ میری مجبوریوں کا فائدہ اُٹھا کر دشمن تم پر وار کر جاتے ہیں، لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تمہارے ساتھ مہاراج پریتم لال کا آشیر باد بھی ہے، سیّد مجذوب کی کراماتی لاٹھی بھی ہے، نندا کے خون سے اشنان کر کے تم نے جو شکتیاں حاصل کی تھیں اس کا ذکر کمپالا بھی کر چکا ہے۔ مجھے یاد ہے جب میں پریتم لال کے سر پر تھی تو تم نے مجھے بھی دھتکار دیا تھا، میں اُس وقت پریتم لال کی غلام تھی، اُس کے قبضے میں تھی۔ میں تمہاری لال پیلی آنکھیں دیکھ کر آگ بگولا ہوگئی، میں نے تمہیں قابو کرنے کی کوشش کی لیکن تم پر میرا کوئی وار کارگر نہ ہو سکا، میں نے تمہیں یہ بات پہلے نہیں بتائی۔''

''آج کیا ضرورت پیش آگئی.....؟'' میں نے بیزاری کا اظہار کیا۔

''میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ تم نول کشور کے مقابلے میں زیادہ شکتی کے مالک ہو مگر ..... جوش میں آ کر ہوش سے بیگانہ ہو جاتے ہو۔ میری بات بھی نہیں سنتے۔ اس بار ایسا مت کرنا۔'' انکا نے میری سابقہ غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے بل کھا کر کہا۔ ''کنجروں کے ساتھ جنگ کرتے وقت تمہیں میرے مشوروں کا خیال رکھنا ہوگا۔ ہم دونوں مل کر ہزاروں پنڈت پجاریوں کا کریا کرم کر سکتے ہیں، میری بات دھیان میں رکھنا، بھول مت جانا۔''

''کل کی فکر چھوڑو انکارانی، میں نے یونہی ایئرپورٹ پر سواگت والی بات کہہ دی تھی۔'' میں نے ذہن پر طاری کسلمندی دُور کرنے کی خاطر بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ ''جو مقدر میں رقم کر دیا گیا اسے کوئی نہیں ٹال سکتا، کل کے غم میں گھلنے کی بجائے جو کچھ آج ہاتھ آ رہا ہو اُسے سمیٹنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔''

''تم مجھے اندر سے کچھ بے چین نظر آ رہے ہو۔'' انکا نے مجھے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ''کیا بات ہے؟ مجھے نہیں بتاؤ گے؟''

''ہم جس جہاز میں سفر کر رہے ہیں اس میں ایک قیامت بھی ساتھ ہے۔'' میں نے امریتا کو یاد کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے وہ میرے ساتھ بیٹھی کسی اور دنیا کی سیر کرا رہی تھی، اُس کی نگاہوں میں جادو تھا، بڑی مقناطیسی شخصیت کی مالک تھی، میرے دل میں نقب لگا کر چلی گئی۔ میں مسافروں کی وجہ سے اُس کا ہاتھ نہیں تھام سکا، اس

سے پہلے میں نے اُس جیسی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔''

''کہاں چلی گئی.....؟''

''فرسٹ کلاس میں۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''اپنے گرو کے پاس... چیلا ٹاپتا رہ گیا۔''

''گرو کے پاس.....؟'' انکا کی نگاہوں میں تجسّس کا رنگ اُبھرنے لگا۔ اُس نے خلاء میں گھورنا شروع کیا۔ اُس کی آنکھیں حلقوں میں بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھیں، گرو کا لفظ سن کر وہ نہ جانے کس فکر میں مبتلا ہوگئی تھی۔

''تم اُس کے سر پر چلی جاؤ انکارانی۔'' میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔ ''وہ ساتھ ہوگی تو سفر آسانی سے کٹ جائے گا۔''

''جمیل۔'' انکا نے میری بات نظر انداز کر کے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''اس جہاز میں بھی ہمارے لئے ایک خطرہ موجود ہے۔ مجھے دیکھنا پڑے گا کہ تم کس گرو کی بات کر رہے ہو۔ وہ جو کوئی بھی ہے، میری نگاہوں سے بچ نہیں سکے گا، تم کچھ دیر صبر کر لو۔ میں ابھی اپنا شکار تلاش کر کے واپس آتی ہوں۔''

انکا میرے سر سے اُترنے کو پر تول رہی تھی جب جہاز کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ مسافروں کے چہرے زرد پڑ گئے۔ مائیک سے میزبان خاتون کی آواز اُبھرنے لگی۔

''مسافروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی حفاظتی بیلٹ باندھ لیں۔ جہاز کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے، معمولی سی فنی خرابی پیدا ہوگئی ہے جسے ماہرین کچھ دیر میں ٹھیک کر لیں گے..... شکریہ۔''

''یہ جھوٹ ہے.....'' انکا تلملا کر بولی۔ ''جہاز فنی خرابی کی وجہ سے نہیں، کسی اور وجہ سے ڈگمگایا ہے۔''

''اور کیا وجہ ہو سکتی ہے.....؟''

''ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' وہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''تم نہیں دیکھ سکتے جمیل، لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ دُھوئیں کی ایک چادر میری نظروں کے سامنے پھیل رہی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں.....؟'' میں نے سیّد مجذوب کی لاٹھی پر گرفت مضبوط کر لی۔

مسافروں کے ہونٹ متحرک نظر آنے لگے۔ وہ موت سے نجات حاصل کرنے کی خاطر

اپنے اپنے انداز میں دُعائیں مانگ رہے تھے۔ اُن کے چہروں پر خوف طاری تھا۔ کچھ دیر پہلے خوش گپیوں میں مصروف افراد اب سہمے سہمے بیٹھے تھے۔ ایک ہی جھٹکے نے اُن کے سارے حوصلے پست کر دیئے، شکلوں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ مہ جبینیں اپنی اپنی نشستوں پر پہلو بدلنے لگیں، موت کے تصور نے اُنہیں ہراساں کر دیا تھا۔ جہاز نے دوسرا جھٹکا کھایا تو ضبط کا بندھن بھی ٹوٹ گیا۔ متعدد مرد و خواتین گھٹی گھٹی آواز میں چیخ اُٹھے۔ انکا وحشت سے آنکھیں پھاڑے کچھ تلاش کر رہی تھی، مسافروں کی چیخ کی آوازیں سن کر ایئر ہوسٹس قدم بڑھاتے سامنے آ گئی۔

''آپ لوگوں نے افراتفری پھیلانے کی کوشش کی تو ہمیں مزید دُشواریوں کا سامنا درپیش ہوگا۔'' اُس نے ہاتھ میں دبے مائیک پر بلند آواز میں کہا۔ ''پلیز، ہمارے ساتھ تعاون کریں، اپنی اپنی نشستوں پر سکون اور اطمینان سے تشریف رکھیں۔ ہمارے فضائی انجینئرز نے فنی خرابی دریافت کر لی ہے، پانچ دس منٹ بعد ہم دوبارہ سکون سے سفر کر رہے ہوں گے.....''

انکا کی نظریں کسی دبیز چادر کے اس پار دیکھنے میں مصروف تھیں۔

''تم کیا محسوس کر رہی ہو.....؟'' میں نے اس بار اُسے ٹھوس لہجے میں مخاطب کیا۔

انکا کی آنکھوں نے اِدھر اُدھر دیکھنا بند کر دیا۔ اُس کی نظریں میری نشست سے دو قطار آگے بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ عمر کے مسافر پر جم گئیں، اُس کے تیور غضبناک ہونے لگے۔

''میں نے اُسے پا لیا ہے۔'' اُس نے ادھیڑ عمر والے مسافر کو قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''جہاز میں کوئی فنی خرابی نہیں ہوئی، یہ سب اُسی پنڈت نول کشور کی حرامزدگی معلوم ہوتی ہے جو دُور بیٹھا کھیل تماشے کر رہا ہے۔''

''تم نے کسے پا لیا ہے.....؟'' میں نے جھلا کر پوچھا۔ ''مجھے کھل کر بتاؤ، تم کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا محسوس کر رہی ہو.....؟''

''اُس نیلے کوٹ والے کو دیکھ رہے ہو جو معصوم بنا بیٹھا بے پرواہی سے میگزین کے ورق اُلٹ پلٹ کر رہا ہے۔'' انکا نے ادھیڑ عمر والے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں نے تم سے دُھویں کی جس دبیز چادر کا ذکر کیا تھا وہ سمٹ کر اُسی نیلے کوٹ والے کے جسم میں داخل ہوئی ہے۔ میں اس کے سر پر جا رہی ہوں۔ جب تک اُسے قابو نہیں کیا جائے گا جہاز معمول کی

پرواز اختیار نہیں کر سکتا۔''

''کون ہے وہ.....؟'' میں نے پہلو بدل کر دریافت کیا۔

''وہ خود کچھ بھی نہیں ہے، کسی دوسرے کے اشارے پر درمیان میں آ گیا ہے۔'' انکا پُرخیال انداز میں بولی۔ ''تم نے ریموٹ سے چلنے والے کھلونے دیکھے ہیں، نیلے کوٹ والا صرف ایک کھلونا ہے جسے کوئی اور کنٹرول کر رہا ہے۔ وہ ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں، اُلجھانے کے سپنے دیکھ رہے ہیں، خود کو بچانے کی خاطر بے زبان بکروں کی قربانی پیش کرنے پر تل گئے ہیں۔ تم فکر نہ کرو، میرے پنجوں کی چبھن ابھی دُودھ کا دُودھ پانی کا پانی کر دے گی، تم دیکھنا اُس چنڈال کی زبان ابھی کیسی فرفر چلتی ہے۔''

میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن انکا رینگ کر سر سے اُتر گئی۔ میں اندھیرے میں ہاتھ پیر مارنے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا؟ میں کنکھیوں سے نیلے کوٹ والے کو دیکھتا رہا، انکا کے سر سے اُترنے کے کچھ لمحوں بعد وہ بڑے اطمینان سے اپنی سیٹ سے اُٹھ کھڑا ہوا، کوٹ اُتار کر نشست پر ڈال دیا، پھر قمیض اُتارنے لگا تو کئی مسافروں کی نظروں میں آ گیا۔ ایک اسٹیورڈ تیزی سے لپکتا اُس کے قریب پہنچا۔

''آپ آرام سے بیٹھ جائیں جناب۔ ابھی جہاز.....''

اسٹیورڈ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا، نیلے کوٹ والے نے بڑے اطمینان سے اسٹیورڈ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اُسے پیچھے ہٹانا چاہا، اسٹیورڈ حیرت انگیز طور پر اُچھل کر کئی فٹ دُور جا گرا۔ میرا ماتھا ٹھنکنے لگا، وہ کوئی طاغوتی قوت ہی تھی جس نے اسٹیورڈ کو گیند کی مانند اُچھال دیا تھا۔

''اشوک.....'' برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی نوجوان خاتون نے نیلے کوٹ والے کو حیرت بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔ ''تم دیوانے تو نہیں ہو گئے ہو؟''

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ قمیض اُتار کر خاتون کے چہرے پر ڈال دی، اب وہ پتلون کے بٹن کھول رہا تھا۔ میں سمجھ گیا، انکا کے پنجوں کی تیز چبھن نے اُس کا دماغ اپنے قبضے میں کر لیا ہوگا، وہ اُسی کے اشارے پر عمل کر رہا تھا، شاید انکا اس طرح میرے دشمنوں کو باور کرانا چاہتی تھی کہ انہوں نے جمیل احمد خان کو گھیرنے کی کوشش کر کے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔

''مسٹر.....'' جس خاتون کے چہرے پر اشوک نے قمیض پھینکی تھی اُس کے برابر والی

سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص جو ڈیل ڈول میں اشوک سے کہیں زیادہ تندرست وتوانا نظر آ رہا تھا چیخ کر بولا۔ ''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا.....؟''

اسٹیورڈ کی مدد کو جہاز کے عملے کے ایک دو افراد اور بھی آ گئے۔ اشوک نے پتلون بھی اُتار کر پھینک دی۔ انڈرویئر اور بنیان میں وہ بڑا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ خواتین مسافروں نے نظریں جھکا لیں۔ عملے کے افراد اُس کی طرف لپکے لیکن اس سے پہلے ہی اشوک نے اُس شخص کے گلے پر ہاتھ ڈال دیا جس نے اُسے للکارنے کی جسارت کی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اُس نے مسافروں کے علاوہ عملے کے افراد کو بھی خوفزدہ کر دیا۔ اشوک نے اپنے سے دوگنے زیادہ ڈیل ڈول والے کو ایک ہاتھ سے اس طرح گردن تھام کر اُٹھا لیا جیسے وہ پلاسٹک کا بنا ہوا ہو۔

''تم.....'' اشوک نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ ''تم نے ابھی میرے دماغ کے بارے میں کچھ ریمارکس پاس کئے تھے، میں سن نہیں سکا۔ کیا تم اپنا جملہ دہرا سکتے ہو.....؟''

''نن.....نہیں، نہیں۔'' فضا میں جھولتا ہوا شخص گھگھیانے لگا۔ ''میں نے..... کچھ..... کچھ نہیں کہا..... مجھے معاف کر دو۔''

ذرا سی دیر میں جہاز کے اس حصے میں جہاں اشوک موجود تھا مسافروں کی بھیڑ لگ گئی، عملے کے افراد کا حوصلہ بڑھا، اُنہوں نے آگے بڑھ کر اشوک کو دبوچ لیا۔ میں خاموش بیٹھا دل ہی دل میں مسکراتا رہا، جہاز نے ڈگمگانا بند کر دیا۔ اس کی پرواز معمول پر آ گئی۔ باہر کا موسم خوشگوار تھا۔ اندر انکا دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھانے کی خاطر اپنی لازوال قوتوں کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس قسم کے کھیل تماشے میرے لئے نئے نہیں تھے، میرے ذہن میں صرف ایک سوال کلبلا رہا تھا۔ ''اشوک کو کس نے قربانی کا بکرا بنانے کی کوشش کی تھی.....؟''

میری نظریں بدستور اشوک پر جمی تھیں جسے عملے کے افراد نے پکڑ رکھا تھا۔ کچھ دیر پیشتر اُس کی طاقت کے کرشمے نے بہتوں کو ششدر کر دیا تھا، اب وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے موقع کی نزاکت کو محسوس کر رہا تھا، حواس باختہ نظر آ رہا تھا، ایک ایک کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک اُس نے واویلا شروع کر دیا۔

''چھوڑ دو..... بھگوان کے لئے مجھے چھوڑ دو، میں نردوش ہوں، میں نے کچھ نہیں کیا۔''

جہاز کے عملے کے افراد نے اُسے گھسیٹ کر کچن کی طرف لے جانے کی کوشش کی۔

اشوک کے اندر پھر شیطانی قوت جاگ اُٹھی۔ اُس نے کچکچا کر دونوں ہاتھ جھٹک دیئے۔ جن افراد نے اُسے مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا وہ اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ اشوک کی نگاہوں میں پھر وحشت نظر آنے لگی، مسافروں نے سیٹوں سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا۔ اشوک کی نگاہیں شعلے اُگلنے لگیں۔ اُس نے بلند آواز میں گرج کر کہا۔ ''اب کسی نے میرے شریر کو ہاتھ لگایا تو اُسے جلا کر بھسم کر دُوں گا، میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔ جیون پیارا ہے تو بھاگ جاؤ۔ میری شکتی اگر جہاز کو جھٹکے دے سکتی ہے تو تم کو بھی ایک ایک کر کے نرک میں جھونک سکتی ہے.....''

اشوک واہی تباہی بکتا رہا، عملے کے افراد سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔ میں اپنی سیٹ پر بیٹھا اُسے دلچسپ نظروں سے دیکھتا رہا، کھیل کی ابتداء ہو چکی تھی۔ نول کشور کے گرگوں نے شاید مجھے خوفزدہ کرنے کی خاطر اشوک کے جسم میں آگ بھر دی تھی۔ انکا نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ پنڈت نول کشور دو چار جنتر منتر سیکھ کر اپنی اوقات بھول گیا ہے، خود منڈل میں چھپا بیٹھا تھا، دوسروں کو میرے خلاف آگے بڑھا رہا تھا۔ اُس ذلیل پنڈت نے میری اور بدری نرائن کی جنگ کا آخری تماشہ نہیں دیکھا تھا، دیکھ لیا ہوتا تو خم ٹھونک کر میدان میں کودنے کی غلطی کبھی نہ کرتا۔ امرلال بھی کالی کے زعم میں کلدیپ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ اُس کی عبرتناک موت کی کہانی بھی سن لی ہوتی تو نول کشور میرے مقابلے پر آنے کی جسارت کبھی نہ کرتا، اُسے میری وحشتوں کا علم نہیں ہو گا، دوسروں کی زبانی بدری نرائن اور امرلال کی موت کے من گھڑت قصے سن کر اُس کی غیرت نے جوش مارا ہو گا، دیوی دیوتاؤں کے مقابلے پر ایک مسلمان کا جھنڈا بلند دیکھ کر وہ اندر ہی اندر ضرور تلملایا ہو گا۔ پہلے مقابلے پر نہیں آیا، پردوں میں چھپا بیٹھا خوف سے کپکپاتا رہا۔ اب کالی کے مندر کا بڑا پروہت بن جانے کے بعد اُس کی رگِ حمیت پھڑ پھڑانے لگی۔ دھرم کے نام پر پنڈت پجاریوں کی فوج جمع کر رہا تھا، جمیل احمد خاں کو للکارنے کی بھول کر رہا تھا۔

میرے اندر اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ انہی پنڈت پجاریوں نے میری زندگی کا سکون لوٹا تھا، ایک ایک کر کے جینے کے سارے سہارے چھین لئے، میں کمپالا کی ہدایت پر اہنسا کی تعلیم پر عمل کرتا رہا، شاکیہ منی کی زندگی کے زریں اصولوں کو اپنا کر سکون سے وقت گزارنے کی کوشش کی تو وہ پھر میرا راستہ کاٹنے لگے۔ میں نے ضبط سے کام لیا۔ نندا نے مرتے

مرتے مجھے جو مہان شکتیاں دان کی تھیں اگر میں اُن میں سے کسی ایک کا مظاہرہ کرتا تو دشمنوں کے سینے جھلس جاتے، اُن کے جسموں پر آبلے پڑ جاتے، پریتم لال کا نام لے کر اُن کی بربادی کا خیال دل میں لاتا تو سب تہس نہس ہو جاتے، میدان صاف ہو جاتا، میں اکیلا دندناتا پھرتا، کوئی مقابلے پر آنے کی جرأت نہ کرتا، میں جدھر سے گزرتا وہ میرے قدموں پر سر رکھنا اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتے، میں ٹھوکریں مارتا آگے گزر جاتا، وہ ہاتھ باندھے گڑگڑاتے رہتے، قصہ پاک ہو جاتا، کوئی اندیشہ، کوئی خطرہ سر اُٹھانے کی کوشش نہ کرتا، میں نے سر جھکا کر کمپالا کے بتائے ہوئے راستوں پر قدم رکھا تو وہ گلی کے کتوں کی طرح بھونکنے لگے..... پریتم لال نے شاید اسی لئے مجھے خودکشی کے ارادے سے روکا تھا، اُس نے مجھے کلدیپ کے چھوڑے ہوئے ادھورے کاموں کو پورا کرنے کی تلقین کی تھی، اُس کی دُوررس نگاہوں نے میرے اندر جھانکنے کے بعد ہی کچھ فیصلہ کیا ہوگا، اُسے میری طاقت کا علم مجھ سے زیادہ تھا، نہ ہوتا تو مجھے پنڈت پجاریوں کی سرکوبی کی ذمہ داری کبھی نہ سونپتا۔ وہ مہان پجاری تھا، بڑی مہان شکتیوں کا مالک تھا۔

مجھے میسور کا واقعہ یاد آیا۔ میں نے مالا کو چھیڑنے کی کوشش کی تو پریتم لال کے لاغر، کھڑکھڑاتے جسم کی تمام ہڈیاں چٹخنے لگی تھیں، کلدیپ خوفزدہ ہو کر اُس کے قدموں میں گر پڑی، انکا نے کسمسانا شروع کر دیا۔ میں نے اُس کے قدموں میں گر کر اپنی غلطی کی معافی طلب کی۔ اُس نے انکا کو میرا خون پینے کا حکم دیا، انکا بھی انکار کی جرأت نہ کر سکی۔ اسی پریتم لال نے جب لندن کے ہسپتال میں سیّد مجذوب کی لاٹھی دیکھی تو حیرت سے اُس کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں، سکتہ کی کیفیت سے دوچار ہو گیا، مجھے اُس کا جملہ یاد آیا، پریتم لال نے بڑی حیرت بھری آواز میں کہا تھا۔

''مجھے مجبور نہ کر..... میں اس پوتر لاٹھی کے بارے میں اپنی زبان نہیں کھول سکتا..... کیول اتنا سمجھ لے کر اگر میں اپنی تمام شکتیاں دان کر کے بھی اس لاٹھی کو حاصل کر سکتا تو یہ سودا میرے لئے بہت سستا ہوتا، اسے بہت سنبھال کر رکھنا، کھومت دینا.....''

میرے پاس انکا کی پراسرار قوت بھی تھی جو اس وقت اشوک کے سر پر بیٹھی دشمنوں کو اپنی قوت کی ایک جھلک دکھانے میں مصروف تھی۔ میں ایک تماشائی کی حیثیت سے خاموش بیٹھا رہا۔

''اس جہاز پر ایک گرو گھنٹال بھی براجمان ہے۔'' اشوک نے سینہ ٹھونک کر بلند آواز میں کہا۔ ''میں اُسے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں، وہ میرے سامنے آ جائے۔ دوسری شکل میں مجھے کوئی اور اوپائے کرنا ہوگا۔''

اچانک جہاز کو ایک اور شدید جھٹکا لگا، سیٹوں کے درمیان کھڑے ہوئے مسافر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے، ایک دوسرے سے ٹکرا گئے، کچھ اوندھے منہ فرش پر گر پڑے، خود اشوک بھی اپنے آپ کو نہ سنبھال سکا، میں ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا، مجھے امریتا کی رُسوائی منظور نہیں تھی، گرو سامنے آ جاتا تو مسافروں کی آوارہ نظریں اُس سیمیں بدن کے جسم کو بھی میلا کرنے سے باز نہ آتیں۔ میں نے انکا کو واپس بلانے کی بجائے آگے بڑھ کر سیّد مجذوب کی لاٹھی گھما کر اشوک کو ماری، وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے جانور کی طرح بلبلانے لگا، دوڑ کر میرے قدموں سے لپٹ گیا، رقت بھری آواز میں ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''مجھے شما کر دو مہاراج۔ مجھ سے بڑی بھول ہو گئی، میں تمہیں پہچان نہیں سکا۔''

مسافروں کی نظریں حیرت سے میری سمت اُٹھنے لگیں۔ انکا میرے سر پر واپس آ گئی، کسمسا کر بولی۔ ''تم نے یہ کیا حماقت کی.....؟ تمہیں درمیان میں نہیں آنا چاہئے تھا۔''

''اشوک نے گرو کو کیوں للکارا تھا.....؟'' میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''اُسے میں نے مجبور کیا تھا.....''

''کیوں.....؟''

''مجھے غلط مت سمجھو۔'' انکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اشوک صرف ایک کھلونا ہے، اس کا ریموٹ کنٹرول کسی دوسرے کے پاس ہے۔''

''گرو کا نام درمیان میں کیسے آ گیا.....؟'' میں نے برہمی کا اظہار کیا۔

''تم کچھ نہیں سمجھ رہے ہو۔'' انکا تلملانے لگی۔ ''کوئی میری آنکھوں کے درمیان دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کر رہا تھا، میں اس دیوار کو توڑنا چاہتی تھی.....''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے.....'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''تم..... تم اپنی انکارانی پر شبہ کر رہے ہو.....؟'' انکا کی نگاہوں میں شکوہ تھا۔

''تم نے بہت کھیل تماشے دکھا لئے، اب مجھے بھی کچھ من مانی کر لینے دو۔''

''میرا مشورہ مان لو جمیل۔'' اُس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''پہلے بھی تم نے جوش میں آ

کر.....''

''ہاں.....'' میں جذباتی ہوگیا۔ ''میں پہلے بھی ہوش گنوا کر بہت کچھ کھو چکا ہوں، بہت کچھ نہیں.....سب کچھ۔ اب کیا باقی رہ گیا.....ایک میری ذات ہے، اسے بھی کھو جانے دو، زندگی کی پرواہ کس بدنصیب کو ہے.....''

''میں ہاتھ جوڑتی ہوں، میرا کہنا مان لو۔ تم درمیان سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ میں اس دیوار کو نہیں توڑ سکوں گی جو ابھی تک میری نظروں کے سامنے ہے۔'' انکا کا اضطراب بڑھنے لگا۔

''نہیں مہاراج، نہیں.....'' اشوک دیوانوں کی طرح چیخ کر بولا۔ ''اس کا کہا نہ ماننا، بڑے گھاٹے میں رہو گے۔''

''تم.....'' میں نے چونک کر اشوک کو دیکھا۔ ''تم کس کی بات کر رہے ہو.....؟''

''جب تم سمجھ رہے ہو مہاراج تو میری زبان کیوں کھلواتے ہو؟''

''کون ہو تم.....؟'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا، مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، اشوک نے یقیناً انکا کو دیکھ لیا تھا۔ مگر یہ کیسے ممکن ہوا.....؟ میرے ذہن میں آندھیوں کے جھکڑ چلنے لگے۔

''اپنا سیوک سمجھ لو مہاراج، میں تمہارے چرنوں میں اپنے جیون کی بھینٹ دے کر اس دیوار کو درمیان سے ہٹا دوں گا، تمہارے سر پر بیٹھی سندری دیوار کے اس پار نہ دیکھ سکے گی، اسی میں تمہاری مکتی ہے۔''

''جمیل.....'' انکا بھی حیرت سے اُچھل پڑی۔ ''سن رہے ہو، یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

میں بھی سٹپٹا گیا۔ میں نے ارتکاز میں جا کر اشوک کی اصلیت معلوم کرنے کی ٹھانی، لیکن مجھے اس کا موقع نہیں ملا، اشوک نے دیوانوں کی طرح اپنا سر اِدھر اُدھر مارنا شروع کر دیا، خود کو لہولہان کر ڈالا۔ جو عورت قریب بیٹھی تھی، دوڑ کر اُس کے خون میں لتھڑے جسم سے لپٹ کر دھاڑیں مارنے لگی۔

''پران ناتھ، یہ تم کیا کر رہے ہو؟ میں کس کے سہارے زندہ رہوں گی؟''

''مجھے آ گیا دو مہاراج۔ میرا سمے پورا ہو گیا۔'' اشوک نے عورت کے بین کرنے پر دھیان نہیں دیا، میری طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا، پھر اُس کی گردن ایک طرف

ڈھلک گئی.....سب دم بخود رہ گئے۔

میں پلٹ کر اپنی نشست پر ڈھیر ہو گیا۔ اشوک کی بیوہ دھاڑیں مار رہی تھی، لوگوں نے نہ پکڑا ہوتا تو شاید وہ بھی جان دینے سے گریز نہ کرتی۔ جہاز کے عملے کے علاوہ مسافروں کی بڑی تعداد مجھے معنی خیز نظروں سے گھورنے لگی۔ انکا علیحدہ پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

انکا کے بارے میں اشوک کے جملے میرے وجود کے سناٹے میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔ میں کوئی نتیجہ نہ اخذ کر سکا.....!!

اشوک میرے ذہن میں کسی سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

جو حالات پیش آئے تھے وہ میرے لئے حیران کن تھے، انکا نے کہا تھا کہ اُس کے اور اشوک کے درمیان دُھوئیں کی ایک چادر حائل ہے جسے وہ گرانا چاہتی تھی، اشوک انکا کے بیان کے مطابق ایک کھلونا تھا جسے ریموٹ کے ذریعہ کوئی اور کنٹرول کر رہا تھا۔

''کون تھا وہ.....؟''

انکا پراسرار قوتوں کی مالک تھی، میرا ماضی اور انکا کا وجود ایک دوسرے سے مربوط تھا۔ میں اُس کی تمام صلاحیتوں کا علم رکھتا تھا، وہ میری رگ رگ سے واقف تھی لیکن اشوک کے سلسلے میں اُس کی بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ کہیں نہ کہیں کوئی سقم ضرور تھا جو میرے ذہن کو اُلجھا رہا تھا، ایک سوال رہ رہ کر میرے وجود میں چکرا رہا تھا۔

''اگر اشوک محض ایک کھلونا تھا جسے کوئی دوسری قوت دُور بیٹھی اپنے اشاروں پر نچا رہی تھی تو اُس نے انکا کو کس طرح دیکھ لیا؟ انکا کی باتیں کس طرح سن لیں؟ وہ میرا دشمن ہوتا تو مجھے انکا کی باتوں پر عمل کرنے سے کیوں روکتا؟''

میرے دل و دماغ میں جنگ جاری تھی۔ میں اشوک کے معمہ کو جتنا حل کرنا چاہتا تھا وہ اتنا ہی اُلجھتا جاتا۔ اُس کی لاش میرے راستے کی دُشواری بن سکتی تھی، مرتے وقت اگر وہ بدبخت مجھے مہاراج کہہ کر مخاطب نہ کرتا تو میرے پاس دامن بچانے کی خاطر کئی جواز موجود تھے، میں سینکڑوں بہانے تراش سکتا تھا، لیکن مرنے والے کی بیوہ گواہ تھی کہ میرے لاٹھی مارنے کے بعد ہی اس حرامزادے نے اچانک کینچلی بدلی تھی، لاٹھی کی کرامت تھی یا کسی نادیدہ قوت کا کرشمہ جس نے انکا کو بے نقاب کر دیا، اس سے پیشتر میرے اور انکا کے درمیان ہونے والے راز و نیاز کو پریتم لال، سادھو جگدیو اور بدری نرائن کے علاوہ کوئی نہیں سن سکتا تھا، مطلب واضح تھا، کسی مہان شکتی کے مالک پنڈت یا پجاری نے انکا اور اشوک

کے درمیان تنا ہوا پردہ سرکا دیا، بھید کھل گیا، پریشانیاں بڑھ گئیں۔

میں نے اُکتا کر آنکھیں کھولیں، جہاز کے عملے نے اشوک کے خون کے دھبے مٹانے میں بڑی عجلت سے کام لیا تھا، اشوک کی لاش کے علاوہ اُس کی بیوہ بھی نظر نہیں آئی۔ مسافروں کے چہرے دُھواں دُھواں نظر آ رہے تھے، جب میں امریتا کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا اس وقت اُن کی آنکھوں میں رقابت کے جذبے کلبلا رہے تھے، اب وہ مجھے بار بار دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں سے خوف مترشح تھا، اشوک کی پشت پر کون تھا؟ میں یہ نہ جان سکا مگر اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس نادیدہ قوت نے بساط کا رُخ اپنے حق میں کر لیا تھا، نہ انکا دیوار پاش پاش کر سکی نہ میرا ارتکاز کسی کام آ سکا، سب کچھ اتنی جلدی پیش آیا کہ عقل حیران رہ گئی۔

میرے دشمنوں نے یقیناً خود کو منظم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہوگا، وہ میری واپسی کی بھنک پاتے ہی صف آراء ہو گئے۔ ہندوستان کی سرزمین پر قدم ٹکانے کا موقع نہیں دیا، فضا میں ہی پہلا وار کر گئے، میں کوئی جوابی کارروائی نہ کر سکا۔ وہ دُور بیٹھے میرے اضطراب کا تماشہ دیکھ رہے ہوں گے، انکا کی ناکامی پر ناچ گا رہے ہوں گے، خوشیوں سے اُن کے دل سرشار ہوں گے، پہلی کامیابی حاصل کر لینا بڑی بات ہوتی ہے، انسان کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں، وہ زیادہ منظم ہو جاتا ہے، اعتماد بڑھ جاتا ہے۔ کامیابی کے سپنے دیکھنا شروع کر دیتا ہے، اپنی صفوں کو نئے انداز سے ترتیب دیتا ہے، منصوبے بناتا ہے، اس پر غور کرتا ہے پھر بڑے یقین سے دوسرا قدم آگے بڑھاتا ہے، پہلی کامیابی اُسے فتح کے راستوں پر گامزن کرنے میں بڑی مؤثر ثابت ہوتی ہے، میرے دشمن ان ہی کیفیتوں سے دوچار ہوں گے۔ انہوں نے پنڈت نول کشور کے سامنے اپنی کامیابی، اپنے کارناموں کا احوال بڑھا چڑھا کر سنایا ہوگا، نول کشور کا سینہ اور تن گیا ہوگا۔ اُس نے اپنے گرگوں کو شاباش دی ہوگی۔ کالی کے قدموں میں قربانیاں پیش کی ہوں گی، بھنگ اور شراب کے پیالے بھی حرکت میں آئے ہوں گے، کئی دیوداسیاں اپنے کنوار پن سے ہاتھ دھو بیٹھی ہوں گی۔ ہنگاموں کے درمیان اُن کی چیخوں کی آوازیں پنڈت پجاریوں کے شور شرابے میں دب کر رہ گئی ہوں گی۔ خوشیوں کا جشن بھرپور انداز میں مناتے وقت چھوٹی موٹی بھول چوک کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ میں کئی بار اپنی نظروں سے یہ کھیل تماشے دیکھ

چکا تھا۔ محبت اور جنگ میں کسی حربے کے استعمال کی ممانعت نہیں ہوتی، سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ میں بھی کئی موقعوں پر انکا کے منع کرنے کے باوجود بدری نرائن کی تلاش میں کالی کے مندر میں دندناتا ہوا گھس چکا تھا۔ جن پجاریوں نے میرا راستہ روکنے کی حماقت کی، میرے غضب کا شکار ہو گئے۔ جن پجارنوں نے ہاتھ باندھ کر بنتی کی، میں نے اُن کے سندر شریر پر اپنی وحشتوں کی مُہر لگا دی، روندتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ مجرد زندگی گزارنا آسان نہیں ہوتا، آگ اور پٹرول کا ساتھ ہو تو ایک چنگاری بھی بڑی تباہ کاریوں کا سبب بن جاتی ہے۔ پجارنیں اور دیوداسیاں بھی کسی چنگاری، کسی شعلے سے کم نہیں ہوتیں، اُن کے اُجلے اور بے داغ دامن کی کہانیاں محض فریب ہیں، ہٹے کٹے پجاری اور سرمنڈے پنڈت امرت رس پی کر بہکتے ہیں تو جانے کتنی معصوم پجارنیں ان کی لپیٹ میں آ کر عزت وعفت کا بھرم کھو بیٹھتی ہیں، انہیں دبا کر رکھا جاتا ہے، زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ کوشش بھی نہیں کرتیں، خون ایک بار منہ کو لگ جائے تو پھر عادت بن جاتا ہے۔ ہوا زیادہ بھر دی جائے تو غبارہ دھماکے سے پھٹ جاتا ہے۔ لاوا زیادہ بھر جائے تو آتش فشاں بھی اپنا منہ کھول دیتا ہے۔ کئی لوگ کام آ جاتے ہیں، کئی بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں، ان کی جگہ نئی آبادیاں اُگ آتی ہیں۔ یہی حال پجارنوں اور دیوداسیوں کا بھی ہے۔ جو زبان کھولنے کی جرأت کرتی ہے یا تو اُس کی زبان کاٹ دی جاتی ہے یا پاپ کا الزام لگا کر دیوی کے چرنوں میں بلی چڑھا دیا جاتا ہے۔ دوسری خوف سے زبان پر تالے ڈال لیتی ہیں..... وقت کا پہیہ گھومتا رہتا ہے۔

میں عجیب ذہنی کرب میں مبتلا تھا، انکا کی پراسرار قوتیں بھی کسی کام نہ آ سکیں۔ میں بھی اشوک کی اصلیت بے نقاب کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ میں خود کو بڑا مجبور محسوس کر رہا تھا۔ اشوک کو دُور بیٹھ کر ذہنی طور پر کنٹرول کرنا ممکن تھا لیکن اُس کی بینائی کو اتنی بصیرت عطا کر دینا کہ وہ انکا کو دیکھ سکے حیرت انگیز بات تھی۔ وہ شخص یقیناً مافوق الفطرت قوتوں کا مالک تھا جس نے اشوک کے ذریعے مجھے اپنی برتری کا پیغام دیا تھا، طرح طرح کے قیاس میرے ذہن میں گھر کرنے لگے، عجیب عجیب خیالات مجھے اُلجھانے لگے۔ انکا نے کہا تھا کہ اشوک صرف معمول ہے، عامل کہیں اور بیٹھا ہے۔ اُس نے دُھوئیں کی دبیز چادر کو بھی نظروں کے سامنے لہراتا دیکھ لیا تھا۔ لیکن میری مداخلت نے کھیل خراب کر دیا، نادیدہ قوت نے اشوک کو مار کر سارے نشانات مٹا دیئے، میرے لئے پریشانیاں کھڑی کر

دیں۔

میں نے ابھی شکست تسلیم نہیں کی تھی، بلکہ یوں کہا جائے کہ جمیل احمد خان نے اپنی زندگی کی لغت سے شکست اور ناکامی کے الفاظ کاٹ دیئے تھے تو غلط نہ ہوگا۔ میری داستانِ المناک پڑھنے والے جانتے ہیں کہ میں نے تنہا ہونے کے باوجود ہندوستان کے پنڈت پجاریوں کی ناک میں دم کر رکھا تھا، بدری نرائن جیسا مہان پنڈت بھی مجھ سے دُور بھاگتا تھا، امر لال اُس کی پشت پناہی کو نہ اُٹھ کھڑا ہوتا تو بدری نرائن کا انجام زیادہ بھیانک ثابت ہوتا۔ جب کمپالا سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی، میں نے ارتکاز اور مراقبے کی مشقوں کے بارے میں صرف سنا تھا، عمل نہیں کیا تھا۔ اس وقت بھی میں نے کبھی قدم پیچھے ہٹانے کی غلطی نہیں کی۔ میں نے کئی موقعوں پر انکا کے مشورے بھی قبول نہیں کئے، مجھے اپنی اس غلطی کے عوض نقصان بھی اُٹھانا پڑا لیکن مایوسی نے بھی کبھی میرے حوصلے پست نہیں کئے، میری وحشتیں اور بڑھ گئیں، اگر میں ڈرپوک ہوتا تو پریتم لال کے لاکھ کہنے کے بعد بھی ہندوستان واپسی کا ارادہ کبھی نہ کرتا، لندن میں میرے لئے کس بات کی کمی تھی؟ انکا میرے ساتھ تھی، میں دل کھول کر عیش کر سکتا تھا، سکون و آرام سے زندگی گزار سکتا تھا۔

نشیب و فراز سے گھبرا جانا بزدلی ہے، زندگی کے گراف میں اگر اُتار چڑھاؤ نہ ہوتا تو کوئی لطف بھی نہیں ہوتا۔ ایک ہی ڈگر پر چلتے چلتے انسان بہت جلد اُکتا جاتا۔ راستوں کے درمیان موڑ نہ آئیں تو سفر زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ جس نے اشوک کو کنٹرول کیا تھا میں اُس سے خائف نہیں تھا، وہ سامنے ہوتا تو میں اُسے مردوں کی طرح للکارتا لیکن وہ چھپ گیا۔ میرا ذہن اُس کو تلاش کرنے کے سلسلے میں اُلجھ رہا تھا، پشت سے چھرا گھونپنے والوں کو مرد نہیں، بزدل کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ آنکھ مچولی کھیلنا بچوں کو زیب دیتا ہے۔ مرد میدان چھپ کر وار نہیں کرتے، سامنے آ کر، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک دوسرے کو للکارتے ہیں، زندگی ہتھیلی پر رکھ کر پھرنے والے بدمست لوگ موت سے نہیں ڈرتے، موت اُن سے کتراتی رہتی ہے.....

میں نے انکا کی طرف نظر ڈالی، وہ ملی جلی کیفیت میں مبتلا تھی۔ کبھی وہ مضمحل انداز میں سر ڈال دیتی، کبھی اُس کی نگاہوں میں انگارے بھڑک اُٹھتے، چنگاریاں چٹخنے لگتیں، وہ ضرور مجھ سے شاکی ہوگی۔ میں نے اُس کا کہا نہیں مانا، ورنہ شاید وہ اس موذی پنڈت یا پجاری کو

بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو جاتی جو سانپ کی طرح ایک بے گناہ کو ڈس کر نکل گیا، ہم لکیر پیٹتے رہ گئے۔

''اب سوگ منانے سے کیا حاصل ہوگا انکا رانی؟'' میں نے اُسے سپاٹ لہجے میں مخاطب کیا۔ ''جو ہونا تھا ہو چکا.....''

جواب میں انکا نے مجھے خشمگیں نظروں سے دیکھا، پھر ہونٹ چبانے لگی۔

''میرا خیال ہے مورینا کا، کاک ٹیل خون تمہیں راس نہیں آیا..... آئندہ سیاہ فام عورتوں کے خون سے پرہیز ہی کرنا۔''

انکا میرے طنز پر بپھر گئی۔ اُس کی آنکھوں میں طاغوتی قوتوں کا بھیانک رقص شروع ہو گیا، نگاہوں میں خون اُتر آیا۔ لیکن غیض وغضب کی یہ کیفیت زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی، شاید اُس نے میرے سینے کی گہرائیوں میں جھانک کر میرے کرب کا اندازہ لگا لیا تھا چنانچہ جلد ہی موم کی طرح پگھل کر بولی۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ جوش میں مت آنا۔ تم نے میری بات نہیں مانی، وہ جو بھی تھا اُسے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔''

''اچھا ہوا.....'' میں نے مسکرا کر دل کی بھڑاس نکالنی چاہئے۔ ''پہلے ہی موقع پر غریب تمہارے یا میرے ہاتھوں مارا جاتا تو اُس کی حسرتیں دل کی دل ہی میں گھٹ کر رہ جاتیں۔''

''وہ تمہاری غلطی سے فائدہ اُٹھا کر کوئی ہلاکت خیز وار کر جاتا تو.....؟'' انکا نے کسمسا کر سوال کیا۔

''تو کیا ہوتا.....؟'' میں نے بے پروائی کا اظہار کیا۔ ''دو فریقوں کی جنگ میں ہمیشہ ایک کو شکست ہوتی ہے۔ وہ کامیاب ہوتا تو میں مارا جاتا۔ مجھے زندگی کی کوئی تمنا بھی نہیں ہے۔''

''جلے کٹے..... دل جلانے والی باتیں کیوں کر رہے ہو؟'' انکا تلملا کر بولی۔ ''میں نے تمہیں دُور اندیشی سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا، جلدی میں کوئی قدم اُٹھانے سے پرہیز کی درخواست کی تھی۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے اُسے ٹٹولنے کی خاطر دریافت کیا۔ ''کیا اشوک کی موت میں پنڈت نول کشور کا ہاتھ نہیں ہو سکتا؟''

''نہیں.....''

''تم اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتی ہو؟''

''جمیل.....'' انکا نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا۔ ''میرا تمہارا جنم جنم کا ساتھ ہے۔ تم میری طاقت سے بخوبی واقف ہو، میرے امکان میں کیا ہے کیا نہیں، تم بارہا اس کا تجربہ کر چکے ہو، آج انجان کیوں بن رہے ہو.....؟''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' میں نے رُوکھے لہجے میں کہا۔ انکا کی کہی بات نظر انداز کر گیا۔

''اشوک کے مرتے ہی میں نے سب سے پہلے پنڈت نول کشور کی خبر لی تھی۔'' انکا نے میری بے رُخی کا اثر لیتے ہوئے اُداس آواز میں جواب دیا۔ ''وہ اس وقت کالی کے پجاریوں کو پرشاد بانٹنے میں مصروف ہے۔ میری بات کا یقین کرو، نول کشور کے فرشتوں کو بھی جہاز پر ہونے والے حادثے کا کوئی علم نہیں ہے۔''

''اشوک کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے انکا کو چھیڑنے کی خاطر مسکرا کر کہا۔ ''کیا وہ خوش نصیب نہیں تھا جو مرنے سے پیشتر تمہارے حسن کا دیدار کر گیا؟ تمہاری مدھر آواز سن لی اُس نے؟''

''بات مذاق میں مت ٹالو.....'' انکا نے اُٹھ کر میرے سر پر ٹہلنا شروع کر دیا۔ ''اشوک نے مجھے دیکھ لیا، میری تمہاری باتیں بھی سن لیں، یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اُس کی پشت پر جو بھی تھا مہان شکتی کا مالک تھا۔ اُس نے تمہیں میری صلاح نہ ماننے کو کہا تھا، اس کی بات کا معمہ حل ہو جائے تو میں اس کے پرکھوں کو بھی ڈھونڈ نکالوں گی جس نے مرنے والے کو اتنی شکتی دان کر دی تھی کہ وہ انکا کو دیکھ سکے۔''

''تمہارے حسن کا نظارہ تو مہاراج پریتم لال بھی کر چکا ہے۔ سادھو جگدیو بھی فیضیاب ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے کلدیپ نے بھی تمہیں ضرور دیکھا ہوگا۔ اور بھی کئی نام میرے ذہن میں گردش کر رہے ہیں۔ تمہارے وہ آقا جو تمہیں کئی بار مجھ سے چھین چکے ہیں، یاد ہے تمہیں.....؟''

انکا کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا، اُسے میری تلخ باتوں سے دُکھ پہنچا تھا، اُس نے اظہار نہیں کیا، بڑی ہمت سے میری کڑوی کسیلی باتوں کا زہر پی گئی، ضبط سے کام لے

کر بولی۔

''میں پورے وثواس سے کہہ سکتی ہوں کہ اشوک کے پیچھے کسی ایسی ہی شکتی کا ہاتھ ہے جو مہاراج پریتم لال، امر لال اور تمہاری کلدیپ سے کم مہان نہیں ہو سکتی۔ یہ بدری نرائن، تربینی، شیو چرن، سادھو جگدیو اور پنڈت ہری چرن کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ تمہاری انکارانی کو کسی دوسرے کی نظر میں لا سکیں.....''

میں انکا کی بات سن کر چونکا، اگر اس کا اندازہ درست تھا تو میرے لئے احتیاط شرط تھی، میرے اعصاب جھنجھنانے لگے، انکا کی پراسرار قوتیں لازوال تھیں، وہ میری محبوبۂ دلنواز تھی، میری عاشق تھی، پرستار تھی، میری محسنہ تھی، وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی، دغا نہیں کر سکتی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لمحوں لمحوں کے گواہ تھے۔ اُس کا عشق سچا تھا، وہ میرے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتی تھی، اُس نے غلط نہیں کہا تھا۔ اگر وہ کسی اور وجود میں سامنے آنے کا اختیار رکھتی تو شاید میری زندگی میں نرگس، مالا رانی اور کلدیپ کو کبھی نہ آنے دیتی۔ ان سیمیں بدن زہرہ جبینوں کو بھی میرے پاس پھٹکنے کی اجازت نہ دیتی جو میری بانہوں میں مچلتی رہتی تھیں، انکا رانی میری وحشتوں کا تماشہ دیکھتی رہتی، پھر بڑی حسرت سے آنکھیں موند کر کروٹ لے لیتی۔ وہ میری دوست تھی، میری صلاح کار تھی، رفیق تھی، آشنا تھی، ہم دونوں ایک جان دو قالب تھے۔ میں ہزاروں موقعوں پر اُس کی وفا کو آزما چکا تھا، وہ مخلص تھی، مہربان تھی، کروٹ کروٹ میری شریک رہ چکی تھی۔ میں اُس کی وفا پر شک نہیں کر سکتا تھا۔

''کیا سوچنے لگے جمیل.....؟'' اُس نے مجھے اُلجھتا دیکھ کر بڑے پیار سے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ اشوک کی پراسرار موت کے سلسلے میں پولیس مجھے بھی ضرور ٹٹولے گی؟''

''فکر مت کرو، میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔'' اُس نے بڑی لگاوٹ سے کہا، پھر رینگ کر میرے سر سے اُتر گئی۔ اُس نے واپسی میں دیر نہیں لگائی، میں اُس کے جانے کے بعد پھر اشوک کا معمہ حل کرنے میں اُلجھ گیا تھا جب مجھے اُس کی آمد کا احساس ہوا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا، وہ کسی خیال میں مستغرق تھی، بڑی سنجیدہ سنجیدہ سی نظر آ رہی تھی۔

''کوئی نئی اطلاع.....؟''

''ہاں.....'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''اشوک کی لاش کو کچن میں رکھا گیا ہے۔ اُس کی بیوہ کے علاوہ کسی کو اُدھر جانے کی اجازت نہیں ہے، قریب بیٹھے مسافروں کو درخواست کر کے دوسری خالی سیٹوں پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ میں جہاز کے کپتان کے سر پر بھی گئی تھی، اُس نے بمبئی ایئر پورٹ پر اپنے آفس کو حادثے کی اطلاع دے دی ہے، صرف تمہاری نہیں، اشوک کے آس پاس بیٹھے دوسرے مسافروں سے بھی پوچھ گچھ ہوگی۔ ہو سکتا ہے کچھ افراد کو تفتیش کی خاطر بمبئی میں کچھ دنوں کے لئے رُکنے پر بھی مجبور کیا جائے۔''

''اشوک کی بیوہ کی کیا رائے ہے اپنے شوہر کی موت کے بارے میں؟'' میں نے بر سبیل تذکرہ دریافت کر لیا۔

''وہ ابھی تک اشوک کی موت کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے۔'' انکا تھوڑے توقف سے بولی۔ ''میں نے سب سے پہلے اُسی کے ذہن کو پڑھا ہے، اشوک ایک سلجھا ہوا بردبار اور ذہین شخص تھا، اُس کی پوری زندگی میں کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، میرا مطلب ہے کوئی ایسا واقعہ یا ایسی قابل ذکر بات نہیں ہوئی جو اُسے فاتر العقل ثابت کر سکے۔ جس انداز میں وہ آج نظر آیا اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا، وہ اپنی دھرم پتنی رنجنی کو بہت پیار کرتا تھا، اُن کی شادی دس سال پیشتر ہی ہوئی تھی۔ قسمت کی بات ہے کہ اُن کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ لیکن آج کل رنجنی کے اندر ایک زندگی کلبلا رہی ہے، دو ماہ بعد وہ ایک بچے کو جنم دے گی۔ ایسے موقع پر اشوک کی موت نے اُس کو ہلا کر رکھ دیا ہے، کبھی وہ سر پیٹنے لگتی ہے کبھی سکتے کی حالت سے دوچار ہو جاتی ہے۔'' انکا نے سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''رنجنی کے من میں تمہارے خلاف کوئی زہر نہیں ہے، لیکن وہ یہ بات ضرور سوچ رہی ہے کہ تم نے اشوک کو لاٹھی کیوں ماری تھی.....؟''

''اور کچھ.....؟'' میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔

میرا خیال ہے کہ تمہیں کچھ دنوں بمبئی میں رُکنا پڑے گا۔'' انکا نے کہا۔ ''اچھا ہی ہے، اسی بہانے تزئین اور سیّد غوث سے بھی تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔''

''تم نے ابھی پنڈت نول کشور کے بارے میں کہا تھا کہ وہ اشوک کی موت کے حادثے سے بے خبر ہے.....؟'' میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔ تزئین اور سیّد غوث کا نام سن کر میرا دل مچلا تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر موضوع بدل دیا۔

''ہاں، میں نے یہی کہا تھا۔'' انکا نے مجھے غور سے دیکھا۔ ''تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''تم نے بتایا تھا کہ اُس مردود پنڈت نے کالی کے مندر کے چاروں طرف منڈل کھینچ رکھا ہے؟''

''میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔'' انکا کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ ''میں کسی منڈل میں داخل نہیں ہوسکتی لیکن کسی کے سر پر پنجے چبھو کر اپنے حکم پر نچا سکتی ہوں۔ میں نے پنڈت نول کشور کے ایک چیلے کو اپنا معمول بنا کر مندر میں بھیجا تھا۔ جب وہ باہر آیا تو میں نے اُسی سے ساری بات معلوم کر لی.....''

''یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم اب ذہنی طور پر بالغ ہوتی جا رہی ہو.....''

''جمیل.....'' انکا نے میری بات کا جواب دینے کی بجائے سنجیدگی سے پوچھا۔ ''میں نے تم سے تزئین کا ذکر کیا تھا، تم بات گول کیوں کر گئے.....؟''

''میں فی الحال اپنوں سے دُور رہنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے سرد آہ بھری۔ ''پچھلی بار میرے دشمنوں نے مجھے گھیرنے کی خاطر میرے رفقاء، میرے عزیزوں کو بلاوجہ اذیت سے دوچار کیا تھا۔ ہوسکتا ہے اس بار بھی وہ اپنے گھٹیا پن کا مظاہرہ کریں۔ میں صورت حال کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد ہی کوئی قدم اُٹھاؤں گا۔''

''اسی طرح دُور اندیشی سے کام لیا کرو.....'' وہ چہک کر بولی۔

''طنز کر رہی ہو؟'' میں نے انکا کو تیز نظروں سے دیکھا، وہ کوئی جواب دینے کی بجائے ہاتھوں کا تکیہ سر کے نیچے رکھ کر کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ میں اپنے خیالوں میں گم ہوگیا۔

مسافروں کی نظریں بار بار میری سمت اُٹھ رہی تھیں۔ میں نے نشست سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔ میرے ذہن میں پھر اشوک کے ساتھ پیش آنے والا حادثہ اُبھر آیا۔ انکا نے مجھے اُس کی بیوہ رنجنی کے بارے میں جو کچھ بتایا اُسے جان کر مجھے دُکھ ہوا۔ میں نے طے کرلیا کہ رنجنی کی مدد کرنے سے کبھی غافل نہیں ہوں گا، میں اشوک کی پراسرار موت کا ذمہ دار نہیں تھا لیکن رنجنی کے غم میں ضرور شریک ہوسکتا تھا۔

میں بڑی دیر تک حالات کے تانے بانے سلجھاتا رہا، میرے ذہن میں امریتا کا حسین تصور بھی اُبھرا، میرا دل اُسے ایک نظر اور دیکھنے کو مچلا۔ میں نے ضبط کا مظاہرہ کیا۔ جو حالات پیش آچکے تھے اس کے تحت امریتا سے ملاقات کا ماحول خوشگوار نہیں تھا، مجھے خوشی

تھی کہ انکا بھی اشوک کے معاملے میں اُلجھ کر اُسے فراموش کر چکی تھی۔ میں امریتا کے حسین تصور سے دل بہلا رہا تھا جب ایک سوال بڑی سرعت سے میرے ذہن میں اُبھرا۔ ''انکا نے اشوک کے سر پر مسلط ہونے کے بعد اُس کو گرو کو للکارنے پر کیوں مجبور کیا تھا؟ کیا وہ گرو وہی تھا جس کا ذکر امریتا نے کیا تھا یا انکا کا اشارہ کسی اور گرو کی طرف تھا.....؟''

''خواتین وحضرات توجہ فرمائیں۔'' مائیک پر اعلان شروع ہوا۔ ''میں اس فلائٹ کی سینئر ایئر ہوسٹس اسٹیفی جان آپ سے مخاطب ہوں، آپ سے درخواست ہے کہ اپنی نشستوں کو درست کرلیں اور سیفٹی بیلٹ باندھ لیں۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اب سے پندرہ منٹ بعد ہم بمبئی کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر لینڈ کریں گے۔ میں کیپٹن کی جانب سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے برٹش ایئر لائنز کے ذریعے سفر کیا اور آئندہ بھی ہمیں خدمت کا موقع دیتے رہیں گے۔

خواتین وحضرات، پرواز کے دوران جو اتفاقیہ حادثہ پیش آیا ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں، آپ سے ایک بار پھر درخواست ہے کہ اپنی اپنی نشستیں درست کرلیں، سیٹ بیلٹ باندھ لیں اور جہاز جب تک رُک نہ جائے اپنی اپنی نشستوں پر اطمینان اور سکون سے بیٹھے رہیں.....شکریہ۔''

اعلان کے مطابق ٹھیک پندرہ منٹ بعد طیارے نے لینڈ کیا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا، انکا بھی بیدار ہوگئی۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی بدستور میرے ہاتھ میں تھی، مسافروں کے چہروں پر اب سکون نظر آرہا تھا۔

جہاز کے رُکنے کے بعد مسافروں نے اپنا اپنا سامان سمیٹنا شروع کیا۔ پہلے فرسٹ کلاس اور بزنس کلاس کے مسافروں کو اُترنے کی اجازت ملی، میرے اختیار میں ہوتا تو اُڑ کر امریتا تک پہنچ جاتا لیکن حالات نے اجازت نہیں دی۔ کچھ دیر بعد اکانومی کلاس کے مسافروں کی طویل قطار میں بھی حرکت پیدا ہوگئی۔ میں بھی آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا آگے بڑھنے لگا۔ جہاز کے بعد برج سے گزر کر وسیع ہال میں پہنچا تو وہاں پولیس کی بھاری تعداد پہلے سے موجود تھی۔ ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہاتھ میں بید لئے سینہ تانے کھڑا تھا، مجھے اُس کی شکل کچھ جانی پہچانی لگی۔ اُس کے ساتھ دو انسپکٹر بھی تھے۔

جہاز کے عملے اور رنجنی کی نشاندہی پر چار مسافروں کو روکا گیا، میں بھی اُن میں شامل

تھا۔ باقیوں کو جانے کی اجازت مل گئی۔ رنجنی کی حالت غیر ہو رہی تھی اس لئے اُسے باہر لے جایا گیا۔ ڈپٹی اور اُس کے ساتھ انسپکٹر مجھے اور میرے ساتھ رُکنے والے باقی تین مسافروں کو نگاہوں نگاہوں میں ٹٹولتے رہے۔ ڈپٹی کی نظر بار بار میری جانب اُٹھ رہی تھی۔ وہ میرے ہاتھ میں دبی لاٹھی کو بغور دیکھ رہا تھا، دبی زبان میں انسپکٹروں کے ساتھ ساتھ کھسر پھسر بھی کر رہا تھا۔

میرے لئے وہ سچویشن نئی نہیں تھی، پہلے بھی متعدد موقعوں پر پولیس سے میرا واسطہ پڑ چکا تھا۔ میں چاہتا تو اُن کے ذہنوں کو تسخیر کر کے اُن کی نگاہوں کے سامنے سے گزر جاتا، وہ مجھے روکنے کی ہمت نہ کر سکتے۔ لیکن بعد میں میری تلاش شروع ہو جاتی، بات بڑھ جاتی۔ میرے ساتھ ''مفرور'' کا دُم چھلا لگا دیا جاتا۔ چنانچہ میں صبر سے کام لیتا رہا۔ دوسرے تین افراد خاصے مضطرب نظر آ رہے تھے۔ خاص طور پر بھاری ڈیل ڈول والے اُس شخص پر لرزہ سا طاری تھا جس نے پتلون اُتارتے وقت اشوک کو للکارا تھا۔

ہمارے پاسپورٹ پولیس نے قبضے میں لے لئے تھے۔ اُن کی نظریں پاسپورٹ میں درج ضروری کوائف پر بھی منڈلا رہی تھیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ گزرنے کے بعد ہمیں پولیس کی کار میں کسی تھانے پر لے جایا گیا۔ تھانے پہنچنے تک ڈپٹی یا انسپکٹروں نے ہم سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کی، مہذب انداز میں پیش آتے رہے۔ تھانے پہنچ کر ہمیں ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ دو مسلح گارڈ ہماری نگرانی پر تعینات کر دیئے گئے۔ انکا میرے سر پر بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اُس کی بے چینی دیدنی تھی، کبھی وہ کچھ دیر کے لئے میرے سر سے اُتر جاتی، کبھی دوبارہ آ جاتی۔

''کس اضطراب سے دوچار ہو رہی ہو میری جان؟'' میں نے اُکتاہٹ دُور کرنے کی خاطر انکا کو پیار بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔

''تم نے ڈپٹی کو پہچانا.....؟''

''ہاں، آں.....'' میں بے پرواہی سے بولا۔ ''صورت کچھ جانی پہچانی لگ رہی ہے۔''

''تمہاری اس کی ملاقات شبّن خان کے قمار خانے اور اڈے پر ہو چکی ہے، اُس وقت یہ انسپکٹر تھا، بڑا چلتا پرزہ آدمی ہے۔'' انکا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''اس کی ترقی میں اس کی خوبصورت اور نوجوان بیوی سروجنی کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ پہلے یہ ایک چھوٹے سے مکان

میں رہتا تھا، سروجنی سے شادی کرنے کے بعد اس کی قسمت کی لاٹری کھل گئی، کئی حقدار افسروں کو نظر انداز کر کے اسے انسپکٹر سے ڈپٹی بنا دیا گیا۔ اب چوپاٹی کے ایک اپارٹمنٹ میں رہتا ہے جہاں بڑے بڑے کروڑ پتی رہتے ہیں، بڑا کائیاں اور کمینہ خصلت ہے، میٹھی چھری کی طرح..... سروجنی کی وجہ سے اُونچے حلقوں میں بھی دُور دُور تک پہنچ رکھتا ہے۔ اس سے محتاط رہنے کی کوشش کرنا، تھانے میں برف خانے کے چمار کی طرح اکڑتا ہے، افسروں سے بھی نہیں ڈرتا۔ گھر پر سروجنی کو لکشمی سمجھ کر اس کے تلوے چاٹتا رہتا ہے۔''

''تم سروجنی کے سلسلے میں میرا اشتیاق بڑھا رہی ہو۔'' میں نے سرسراتی آواز میں جواب دیا۔

''فکر مت کرو، میں اُسے بھی تمہاری آغوش میں مچلنے پر مجبور کر دُوں گی۔''

میں انکا سے چٹخارے لے لے کر سروجنی کی باتیں کرتا رہا۔ وہ مجھے ڈپٹی اور سروجنی کے بارے میں ایک ایک بات تفصیل سے بتاتی رہی۔ اندر سے بلاوے آنے شروع ہو گئے، باری باری ایک شخص کو ایک وقت میں طلب کیا گیا۔ میرا نمبر سب سے آخر میں آیا، انکا پہلو بدلنے لگی۔ میں اُس کے اضطراب کا مقصد سمجھ رہا تھا، سروجنی کے ذکر کے دوران وہ کئی بار نگاہوں نگاہوں میں درخواست کر چکی تھی کہ میں خود کو قابو میں رکھوں، بے لگام ہونے کی کوشش نہ کروں، جوش سے پرہیز کروں، ہوش سے کام لوں۔ میں نے اسے کھل کر کہنے کا موقع نہیں دیا، سروجنی کا ذکر میرے لئے زیادہ لذت انگیز تھا، پولیس سے میری پرانی شناسائی تھی۔ میں نے جین کے فارم ہاؤس میں دو ماہ تک ارتکاز اور مراقبے کی مشقیں کرنے کے بعد بہت ساری قوتیں دوبارہ حاصل کر لی تھیں۔ مجھے کسی بات کا ڈر یا خوف نہیں تھا۔

ڈپٹی کے کمرے کے باہر مجھے بیس منٹ تک کھڑا رکھا گیا، میں سمجھ رہا تھا کہ نفسیاتی حربوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ میں نے کوئی احتجاج نہیں کیا، دیوار سے ٹیک لگائے انکا سے سروجنی کی باتیں کرتا رہا..... جب دروازے پر کھڑے سنتری نے اشارہ کیا تو میں نے قدم بڑھائے۔

''یہ لاٹھی باہر چھوڑ دو.....'' سنتری نے مجھے ٹوکا۔ اُس کا لہجہ توہین آمیز تھا۔

''نہیں.....'' میں نے فیصلہ کن لہجہ اختیار کیا۔ ''یہ لاٹھی میرے ساتھ جائے گی۔''

انکا تیزی سے میرے سر سے اُتر گئی، سنتری کا رویہ یکلخت تبدیل ہو گیا۔ ''ناراض کیوں

ہوتے ہو مہاراج، تم لاٹھی لے جانا چاہتے ہو تو بڑے شوق سے لے جاؤ۔"

میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، ڈپٹی ایک میز پر بیٹھا تھا، ایک انسپکٹر اُس کے بائیں ہاتھ پر موجود تھا، کمرے میں اُن دونوں کے سوا مجھے کوئی اور نظر نہیں آیا۔ میں قدم بڑھاتا میز کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ انکا میرے سر پر دوبارہ آ گئی۔ ڈپٹی کی تیز نظریں میرے چہرے پر چبھنے لگیں، انسپکٹر نے ایک نظر لاٹھی پر ڈالی پھر سپاٹ لہجے میں بیٹھنے کو کہا۔ میں خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرا پاسپورٹ سامنے میز پر موجود تھا۔ مجھے بلانے سے پیشتر شاید وہ دوبارہ اس میں درج معلومات کو کھنگال چکے تھے۔

"تمہارا شبھ نام.....؟" ڈپٹی نے سنبھل کر بیٹھے سروں میں گفتگو کا آغاز کیا۔

"خاکسار کو جمیل احمد خاں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔"

"جمیل احمد خان۔" اُس نے میرے نام کو دُہراتے ہوئے اپنی یادداشت کو کریدا۔ اُس کے تیور بدلنے لگے۔ "میں شاید تم سے پہلے بھی کہیں مل چکا ہوں۔"

"یہ تم نے کیا غضب کر دیا.....؟" انکا نے مجھے غلطی کا احساس دلایا۔ "پاسپورٹ میں تمہارا نام دولت علی درج ہے۔"

مجھے بھی جلد بازی کا احساس ہو گیا، مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا، اس کی واپسی ممکن نہیں تھی۔ میں نے بوکھلانے کی غلطی نہیں کی، ڈپٹی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"میں مصروف آدمی ہوں، دیس بدیس پھرتا رہتا ہوں، روزانہ سینکڑوں افراد سے ملاقات ہوتی ہے، پولیس افسران کی بڑی تعداد بھی مجھ سے واقف ہے، ہو سکتا ہے آپ سے کبھی ملاقات ہوئی ہو۔"

"تم نے اپنا نام جمیل احمد خان بتایا ہے مگر....." انسپکٹر نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ میں اس کا مقصد سمجھ گیا، اُسے مزید کچھ کہنے کا موقع دینا مناسب نہیں تھا، میں نے مسکرا کر خود اقرار کر لیا۔

"پاسپورٹ میں میرا نام دولت علی درج ہے، آپ شاید یہی کہنا چاہتے تھے۔"

"ہاں، لیکن تم نے....."

"یہ میری مجبوری ہے انسپکٹر۔" میں نے لاپرواہی سے شانے اچکاتے ہوئے اُس کی بات پھر کاٹ دی۔ "آپ اسے کوئی بھی رنگ دے سکتے ہیں۔"

انسپکٹر میری صاف گوئی پر سٹپٹا گیا۔ ڈپٹی نے اصل موضوع چھیڑ دیا۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ ہم نے تمہیں یہاں تک لانے کی زحمت کیوں گوارا کی ہے؟" اُس کے لہجے میں رعونت تھی۔

"جی ہاں۔" میں نے اپنے اندازِ گفتگو میں کوئی تبدیلی لانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ "اُس مسافر پر جس کا نام اشوک تھا، اچانک ہی دیوانگی کا دورہ پڑا تھا، تفصیل آپ کو میرے ساتھ آنے والے دوسرے مسافر بھی بتا چکے ہوں گے۔"

"اشوک کی بیوہ کا کہنا ہے کہ تم نے اشوک پر لاٹھی سے حملہ کیا تھا....." ڈپٹی کی تیز نظریں میرے وجود کا ایکسرے کرنے میں مصروف تھیں۔

"جہاز میں افراتفری پھیل رہی تھی، عملے کے افراد بھی گواہی دیں گے کہ مرنے والا کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ میں نے محض ڈرانے کی خاطر اُس پر لاٹھی کا ایک ہلکا سا وار کیا تھا۔"

"جمیل احمد خان یا دولت علی۔" ڈپٹی نے پہلو بدل کر قدرے درشت لہجے میں سوال کیا۔ "کیا یہ دونوں مسلمانوں کے نام نہیں ہیں؟"

"میں نے کب انکار کیا.....؟" میں مسکرا دیا۔ ڈپٹی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"اشوک نے مرتے وقت تمہیں مہاراج کہہ کر مخاطب کیا تھا، کچھ اور باتیں بھی کی تھیں؟"

"جی ہاں، میں پورے وشواس سے نہیں کہہ سکتا۔ پر نتو ایسا ہی جان پڑتا تھا جیسے اُس کی بدھی میں کوئی گڑبڑ اوش پیدا ہو گئی تھی۔" میں نے مہاراج کے حوالے سے ٹھیٹ ہندی میں جواب دیا۔ "سچ کیا ہے، پرماتما جانے....."

"ہندی اچھی خاصی بول لیتے ہو..." ڈپٹی کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ "کہاں سے سیکھی؟"

"بھارت ورش میں جنم لیا، یہیں پلا بڑھا، پروان چڑھا آپ جیسے مہاپرشوں کی سبھا میں اُٹھا بیٹھا تو بولی بھی آ گئی۔"

"اشوک نے تمہیں مہاراج کیوں کہا تھا.....؟" ڈپٹی نے پینترا بدل کر دریافت کیا۔

"مرنے والا تو دھرتی سے سارے سمبندھ توڑ کر بھگوان کو پیارا ہو گیا، اُس کے من میں کیا تھا وہی بتا سکتا تھا۔" میں نے معصومیت سے کہا، ڈپٹی کے علاوہ انسپکٹر بھی تلملا کر رہ گیا۔

''سنبھلو جمیل.....'' انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ ''تمہاری باتیں جلتی پر تیل کا کام کر رہی ہیں۔''

''تم چنتا مت کرو انکا رانی۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''اس وقت اگر میں ڈر گیا تو ان کے حوصلے اور بڑھ جائیں گے جنہوں نے تمہاری نظروں کے سامنے دُھوئیں کی چادر تان دی تھی، اینٹ کا جواب ہمیشہ پتھر سے دیا جاتا ہے، ڈپٹی کتنے پانی میں ہے یہ میں بھی دیکھ رہا ہوں۔''

انکا نے کچھ کہنے کی بجائے ہونٹ بھینچ لئے۔ ڈپٹی نے اپنی ریوالونگ چیئر پیچھے کر کے دونوں ٹانگیں اُٹھا کر میز کے کونے پر رکھ لیں۔ اس طرح وہ مجھے باور کرانا چاہتا تھا کہ میں اس کی تحویل میں ہوں، میں نے زیادہ زبان درازی کی تو وہ اپنے سپاہیوں کو طلب کر کے میری چمڑی اُدھیڑنے کا فرمان بھی جاری کر سکتا تھا۔ اُس کی نگاہوں میں نفرت اور حقارت کے ملے جلے تاثرات اُبھرنے لگے۔ تھوڑے توقف کے بعد اُس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

''جس جگہ تم بیٹھے ہو، اسے تھانہ کہتے ہیں۔ اور میں یہاں کا ڈی ایس پی ہوں۔ یہاں کیول میرا حکم چلتا ہے۔ میرے ایک اشارے پر اچھے اچھوں کے کس بل نکال دیئے جاتے ہیں۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا.....؟''

ڈپٹی کا آخری جملہ میرے لئے کھلا چیلنج تھا۔ میں کمزوری دکھاتا تو وہ اور سر چڑھنے کی کوشش شروع کر دیتا۔ میں اُسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ کس شخص سے دُشمنی مول لے رہا ہے۔ میں نے کوئی جواب دینے کی زحمت نہیں گوارا کی، اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ انکا میرے سر پر کسمسانے لگی، انسپکٹر کی پیشانی پر بھی بل نمایاں ہو گئے۔ وہ ڈپٹی کا چہیتا لگتا تھا اس لئے بول پڑا۔

''شرافت کی زبان نہیں سمجھو گے تو ہمیں مجبوراً تمہارے ساتھ دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔''

''تم اپنی چونچ بند ہی رکھو انسپکٹر.....'' میں نے پورے طمطراق سے انسپکٹر کو مخاطب کیا۔ ''جب دو بڑے بات کر رہے ہوں تو بچوں کا درمیان میں بولنا اچھا نہیں لگتا۔''

انسپکٹر کو مجھ سے اتنے تلخ جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ غصے میں کانپتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ انکا ایک وقت میں کسی ایک ہی شخص کو نشانہ بنا سکتی تھی۔ انسپکٹر کو بے قابو ہوتا دیکھ کر تیزی سے

میرے سر سے اُتر گئی۔ جاتے جاتے اُس نے دبی زبان میں پھر مجھ سے ہوش برقرار رکھنے کی درخواست کی، میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''انکا رانی، تم کچھ دیر کے لئے انسپکٹر کی نگاہوں پر پردہ ڈال دو، اس کی قوتِ سماعت معطل کر دو۔ ڈپٹی کو میں سنبھال لوں گا۔''

صورت حال بڑی تیزی سے تبدیل ہونے لگی، انسپکٹر کو غصے میں کھڑا ہوتا دیکھ کر ڈپٹی بھی آپے سے باہر ہو گیا، غرا کر بڑے خونخوار لہجے میں بولا۔

''تم اپنی اوقات سے بڑھ رہے ہو مہاشے، دماغ ٹھنڈا رکھو، ورنہ تمہاری ساری اکڑفوں دوسرے راستے سے نکلوا دُوں گا۔''

''ڈپٹی.....'' میں نے جواب میں اُسے غضبناک نظروں سے گھورا۔ ''تم جس کرسی پر بیٹھے اکڑ رہے ہو جانتے ہو یہ تمہیں کس کے کارن ملی ہے؟ وہ سندری میرے کہنے پر تم سے شادی نہ کرتی تو تمہارا بھوش بھی خطرے میں پڑ جاتا، تم چوپاٹی کے اپارٹمنٹ کی بجائے اس سے فٹ پاتھ کی کسی جھونپڑی میں پڑے ہوتے۔ وہ فائل تمہاری ارتھی میں آخری کیل ثابت ہوتی جس میں تمہاری رشوت خوری کی تمام رام کہانی موجود تھی۔ میں سروجنی کے کہنے پر ریکارڈ رُوم سے وہ فائل غائب نہ کراتا تو اب تک تمہاری پتلون نہ جانے کب کی اُتر چکی ہوتی۔''

میں انکا کی فراہم کردہ اطلاعات سے فائدہ اُٹھاتا رہا، ڈپٹی کی آنکھیں پٹپٹانے لگیں۔ میں نے اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا، وہ سمندر کی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا، انسپکٹر بت بنا کھڑا رہا، انکا کے تیز پنجوں نے اُس کو یقیناً قابو کر لیا ہو گا، ڈپٹی نے اپنے پیر میز سے ہٹا لئے، دزدیدہ نظروں سے انسپکٹر کی طرف دیکھا، شاید یہ بات اُسے کھٹک رہی تھی کہ میں نے ایک ماتحت کے سامنے اُس کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا، اُسے ششدر کر دینے کا ایک اور موقع میرے ہاتھ آ گیا۔

''اس کی چنتا مت کرو.....'' میں نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''میں نے اس کے کانوں پر ہاتھ جما رکھا ہے۔ جب تک میں نہ چاہوں، یہ ہماری باتیں نہیں سن سکتا.....''

''تم.....تم.....'' ڈپٹی کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔ وہ مخمصے میں گرفتار تھا۔ میں نے اُس کو کمزور پڑتا دیکھ کر ایک اور بھرپور ضرب لگائی، اپنی لاٹھی اُٹھا کر انسپکٹر کی نظروں کے

سامنے لہراتا ہوا بولا۔

''کچھ ٹپائی دے رہا ہے انسپکٹر۔ یا اندھے ہو گئے؟ ابھی بڑے غصے میں سانپ کی طرح بل کھا کر اُٹھے تھے، کیا وہی ناگ سونگھ گیا تمہیں، بت بنے کھڑے کیا دیکھ رہے ہو؟ ایک ہی جنتر میں چت ہو گئے۔ دیکھ لیا چونچ کھولنے کا انجام۔ وردی کے زعم میں بڑے لال پیلے ہو رہے تھے۔ اب تمہاری تزم خانی کہاں اٹک کر رہ گئی؟''

میں انسپکٹر کی شان میں گستاخیاں کرتا رہا، ڈپٹی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تم نے مجھ سے شبّن خان کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا؟'' میں نے لاٹھی نیچے رکھ کر ڈپٹی کو بازاری انداز میں آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ''میری تمہاری ملاقات وہیں ہوئی تھی۔ تم اُس کے قمار خانے اور اڈوں پر کس لئے جاتے تھے؟ کچھ یاد آ رہا ہے یا میں بتاؤں؟''

''مجھ سے بھول ہو گئی۔'' ڈپٹی نے بزدلوں کی طرح ہتھیار ڈال دیئے۔ شبّن خان کے حوالے پر ممکن ہے اُسے یاد آ گیا ہو کہ وہ وہاں کن لڑکیوں کی تلاش میں گیا تھا، میری اُس کی ملاقات کن حالات میں ہوئی تھی۔ لیکن اُس کے دل میں چور تھا، حرام کی کمائی کا خوف مرتے وقت تک رشوت خوروں کے ذہن سے کن کھجورے کی طرح لپٹا رہتا ہے، ڈپٹی تو ابھی زندہ تھا، سیر کے سامنے سوا سیر آ جائے تو وہ دُم دبا لیتا ہے۔ ڈپٹی بھی انہی کیفیات کا شکار تھا، عاجزی سے کہنے لگا۔

''میں آپ کو پہچان نہیں سکا ورنہ.....''

''ورنہ بڑے گھاٹے میں رہتے۔'' میں نے میز سے اپنا پاسپورٹ اُٹھا کر جیب میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ''اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ تم میری چمڑی اُدھیڑنے کا ارمان پورا کرو گے یا.....'' میں نے دیدہ دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''میں شما چاہتا ہوں مہاراج۔'' ڈپٹی نے ہاتھ جوڑ لئے۔ ''میں آپ کو بغیر جل پانی کے نہیں جانے دُوں گا، آپ کی سیوا کر کے مجھے خوشی ہو گی۔''

''سیوا کرنے کے مواقع تمہیں ملتے رہیں گے۔'' میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''جب تک سروجنی کا دھیان رکھو گے میرا آشیر باد تمہارے ساتھ رہے گا۔ میں نے جس دن تمہارے سر سے ہاتھ اُٹھا لیا، تمہارا جیون کانٹوں میں اُلجھ جائے گا۔''

''نہیں مہاراج نہیں.....'' ڈپٹی ہاتھ باندھ کر گھگیانے لگا۔ ''سیوک تمہاری کسی بات

سے انکار نہیں کرے گا۔ اس بار معاف کر دو، دوبارہ کبھی بھول چوک نہیں ہو گی''

''اپنی زبان میں اپنے آدمیوں سے بھی کہہ دینا کہ میرا راستہ کھوٹا کرنے کی کوشش نہ کریں۔'' میں نے سینہ تان کر کہا۔ ''ابھی کچھ دنوں رہوں گا تمہاری بمبئی میں۔ ہو سکتا ہے تمہاری سندری کے درشن کرنے بھی آ جاؤں۔''

''بڑی کرپا ہو گی.....'' ڈپٹی نے عاجزی کا اظہار کیا۔ ''آپ کے آنے سے ہمارے بھاگیہ اور کھل جائیں گے۔''

''سروجنی سے ابھی میرا ذکر مت کرنا۔ وہ میرا سنے گی تو ملنے کو بے چین ہو جائے گی۔''

''جو حکم مہاراج.....''

میں واپسی کے لئے پلٹا تو ڈپٹی قدم بڑھاتا دروازے تک آ گیا۔ وہ میرا بے دام غلام بن چکا تھا۔ میں نے دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ڈپٹی نے بڑی انکساری سے درخواست کی۔

''مہاراج، مجھے شما کر دیا تو میرے انسپکٹر کی گستاخی بھی معاف کر دو، میں اُسے تمہارے بارے میں سمجھا دُوں گا۔''

''دھیرج رکھو۔'' میں نے ٹھوس لہجہ اختیار کیا۔ ''میرے جانے کے کچھ دیر بعد تمہارا انسپکٹر بھی میرے کشٹ سے مکتی پا جائے گا۔ اسے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں، دوبارہ ہوش میں آنے کے بعد یہ سب کچھ بھول چکا ہو گا۔''

ڈپٹی ہاتھ باندھے کھڑا رہا، میں مونچھوں پر تاؤ دیتا کمرے سے باہر آ گیا۔ تھانے سے باہر نکل کر میں نے ایک ٹیکسی پکڑی، ڈرائیور کو تاج ہوٹل چلنے کی ہدایت دے کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد انکا بھی سر پر آ گئی۔ بڑی مسرور نظر آ رہی تھی۔ اُس کی نگاہوں میں میرے لئے پیار ہی پیار بھرا تھا۔ خاموشی سے میرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی مجھے والہانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میں کچھ دیر چپ رہا، پھر میں نے انکا کو چھیڑنے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔

''میں سمجھ رہا ہوں تمہاری خوشی کا مطلب۔ لیکن تمہیں نہیں معلوم کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔''

''کیا ہوا جمیل.....؟'' انکا نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

''مجھ سے بھول ہوگئی۔'' میں ہاتھ مسلنے لگا۔ ''مجھے ڈپٹی کو اُسی وقت مار دینا چاہئے تھا جب اُس نے مجھے ترچھی نظروں سے دیکھا تھا۔''

''تم نے اچھا کیا جو اُسے معاف کر دیا۔'' انکا نے مجھے احساس دلانے کی کوشش کی۔ ''تم نے جس انداز میں اُس کی دُکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا، وہ لاجواب تھا۔ اب وہ تمہارا غلام بن چکا ہے۔ آئندہ بھی تمہارے کام آتا رہے گا۔ جانتے ہو اُس نے انسپکٹر کے ہوش میں آنے کے بعد کیا کہا تھا؟''

''کیا.....؟''

''وہ اپنی خوش قسمتی کا اظہار کر رہا تھا کہ اشوک کی موت کی تفتیش کے بہانے تمہارے جیسے دھرماتما سے ملاقات ہوگئی۔''

''مجھے ہموار کرنے کی کوشش مت کرو، میں نے طے کر لیا ہے کہ پہلی فرصت میں ڈپٹی کا کریا کرم کر دوں گا۔'' میں نے بگڑے ہوئے تیور سے جواب دیا۔

انکا مجھے حیرت سے گھورنے لگی۔ پھر مسکرا کر بولی۔ ''تمہاری یہ ادا مجھے پسند آئی۔ اسی طرح شوخ شوخ باتیں کیا کرو۔''

''کیا مطلب.....؟'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

''میں تمہاری انکا رانی ہوں جمیل صاحب، جو دلوں کا بھید بھی جان لیتی ہوں۔'' انکا ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر بولی۔ ''کیا یہ غلط ہے کہ تم جان بوجھ کر مجھے تنگ کرنے کی کوشش کر رہے ہو.....؟''

میں جواب میں مسکرا دیا، پھر تھوڑے توقف سے بولا۔

''جانتی ہو اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں.....؟''

''تم پریشان مت ہو۔'' انکا نے پاؤں پسار کر لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''تاج میں تمہارے نام سے کمرہ بک ہو چکا ہے، ایک نئی جھلملاتی کار تمہارے مصرف میں رہا کرے گی۔ جب تم منیجر سے ملو گے تو تمہیں اپنی اہمیت کا احساس ہو جائے گا۔''

''میں جانتا ہوں، تم ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہو۔''

''غلط سمجھ رہے ہو۔'' اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تاج میں تم ڈپٹی کے مہمان کی حیثیت سے رہو گے۔ اُسی نے منیجر کو فون کر کے تمہارے لئے خاص ہدایات دی ہیں۔ تاج

کا منیجر چھوٹے موٹے افراد کو گھاس بھی نہیں ڈالتا۔ لیکن اُس کی بھی کچھ کمزوریاں ہیں جو ڈپٹی سے دبتا ہے۔ بڑا چلتا پرزہ آدمی ہے، ڈپٹی کے سامنے دُم بھی ہلاتا رہتا ہے اور اُس کے ذریعے اپنا کام بھی نکالتا رہتا ہے۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، تم بھی یہ گر سیکھ لو۔''

''نصیحت کر رہی ہو.....؟''

''مشورہ دے رہی ہوں۔ ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار کی بات ہے۔''

میں نے انکا سے یہ نہیں پوچھا کہ ڈپٹی کو میرے تاج ہوٹل میں ٹھہرنے کا علم کس طرح ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ انکا نے اپنے پنجے اُس کے سر میں چبھو کر اپنا غلام بنا لیا ہوگا۔ پھر ڈپٹی کے فرشتے بھی اُس کے کسی حکم کی پیروی کرنے سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ انکا تھکی تھکی تھی۔ اُس نے میرے سر کے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ جلد ہی اُس کے ہلکے ہلکے خراٹے میرے کان میں گونجنے لگے۔

بمبئی کی جانی پہچانی شاہراہوں سے گزرتے ہوئے مجھے تزئین یاد آ گئی۔ ماضی کے دُھندلکوں سے گرد چھٹنے لگی۔ مجھے یاد آیا، میں چچا جان کے ساتھ بنارس جانے کی خاطر فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں سوار تھا، ڈبے میں ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا نہیں تھا۔ تزئین الہ آباد کے اسٹیشن سے ہوا کے ایک معطر خوشگوار جھونکے کی طرح ہمارے ڈبے میں داخل ہوئی۔ میں اُسے دیکھتا رہ گیا۔ اُس کی عمر بمشکل سترہ اٹھارہ کے درمیان رہی ہوگی لیکن وہ حسن مجسم نظر آ رہی تھی، اُس کی ایک ایک ادا کافرانہ تھی۔ عمر اُس کی بالی، قد سرو جیسا، چہرہ شاداب، آنکھیں میخانہ، ادائیں دلربانہ، خدوخال تیکھے، چال مستانہ، زلفیں ناگنوں کی طرح بل کھاتی ہوئیں، آنکھیں ہرنیوں جیسی، انداز میں تمکنت.....

وہ قدرت کی تخلیق کا ایک منفرد، معصوم اور حسین شاہکار تھی۔ میں حسن پرست تھا۔ وہ زندگی کی نازک ڈالی پر کسی نئی کلی کی مانند کھل اُٹھنے کے مراحل سے گزر رہی تھی، میرے اندر ایک ہلچل سی بپا ہوئی لیکن اوّلی بات ضرور تھی کہ میری نظروں میں اُس کے لئے میل نہیں تھا، میرا دل اُس کی طرف کھنچ رہا تھا مگر ہوس کے جذبوں میں ایک معمولی سا ارتعاش بھی نہیں ہوا۔ میں اُس کی معصومیت میں گم ہونے لگا۔ مجھے اپنی نرگس یاد آ گئی، نرگس کا سایہ تزئین کے خدوخال اُس کے انگ انگ میں موجود تھا۔ وہ نرگس کا عکس نظر آ رہی تھی۔ میرے دل کے زخم ہرے ہونے لگے۔

انکا نے بتایا کہ وہ لکھنؤ کی ایک طوائف کی بیٹی ہے۔ الہ آباد میں اپنے پہلے مجرے کے سلسلے میں آئی تھی، لاکھوں دلوں کو گھائل کر کے جا رہی تھی۔ لکھنؤ کے بڑے بڑے عزت دار نواب اور رئیس زادے اس کے لئے بڑھ چڑھ کر بولیاں لگا رہے تھے۔ مجھے انکا کی بات پر یقین نہیں آیا، تزئین کے معصوم، بھولے بھالے چہرے کی پاکیزگی گواہی دے رہی تھی کہ اس جسم کو کسی مرد کا ہاتھ نہیں لگا..... البتہ تزئین کے ساتھ جو ادھیڑ عمر کی عورت ڈبے میں سوار ہوئی تھی وہ بڑی گھاگ اور جہاں دیدہ نظر آ رہی تھی، کھیلی کودی معلوم ہوتی تھی۔ جب تک تزئین میری ہمسفر رہی، میری بے چین نظریں اُس کے چہرے کی معصومیت، اُس کے مہکتے مسکراتے وجود کا طواف کرتی رہیں۔ بعد میں کلدیپ نے بتایا تھا کہ تزئین بھی طوائف زادی ہے، اُس کی ماں نے پیشہ ترک کر کے ایک رئیس کے ساتھ شادی کر لی تھی، تزئین نے دنیا میں جب آنکھ کھولی، اس وقت اس کی ماں کا تعلق کسی بالا خانے سے نہیں تھا لیکن اُس کی خالہ اشرفی بیگم نے بہن سے اپنا انتقام لینے کی خاطر اُس کا گھر اُجاڑ دیا، تزئین کو طوائف بنا دیا۔ مگر اس نے جلد بازی میں تزئین کی سودے بازی نہیں کی، اس کا بھاؤ بڑھانے کی خاطر اپنے تجربوں سے کام لیتی رہی۔ درمیان میں، میں آ گیا۔ میں نے اُسے اپنی نرگس کا پرتو سمجھ کر اشرفی بیگم سے چھین لیا، بڑے ہنگامے ہوئے، بڑے بڑے نوابین نے مجھے درمیان سے ہٹانا چاہا، اشرفی بیگم نے اپنے پرانے آشناؤں کی غیرت کو للکارا، غنڈوں کو پیچھے لگا دیا، میں نے ہار نہیں تسلیم کی، جو بھی سامنے آیا اُسے ٹھوکر مار کر راستے سے ہٹاتا گیا۔ کلدیپ بھی تزئین سے بیٹی کی طرح پیار کرنے لگی۔ پھر میں اُسے سیّد غوث کے محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر دوسرے بکھیڑوں میں اُلجھ گیا۔ اب بمبئی میں آیا تو تزئین اور نرگس کی یادیں پھر تڑپانے لگیں۔

ٹیکسی رُکی تو میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ تاج ہوٹل میں ٹیکسیوں کا داخلہ ممنوع تھا لیکن مجھے نہیں روکا گیا تھا۔ تاج ہوٹل کا منیجر میرے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گیا، وہ میرے استقبال کو پہلے سے باہر موجود تھا۔ میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا موجود نہیں تھی۔ میں سمجھ گیا کہ بمبئی جیسے شہر میں تاج جیسے ہوٹل کا منیجر کیوں میرے سامنے بچھا جا رہا تھا۔

میں اپنے کمرے میں پہنچا تو منیجر نے ایک پستہ قد کے آدمی کو میرے سامنے پیش کیا۔ وہ دوہرے جسم کا ایک ہٹا کٹا شخص تھا جس کے چہرے پر گھنی مونچھیں خاصی خطرناک لگ

رہی تھیں۔ اُس کی آنکھوں میں نظر آنے والی خوفناک چمک اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ خطرات سے کھیلنے کا عادی رہ چکا ہے، موت سے ڈر کر بھاگنا اُس کے اصول کے خلاف رہا ہوگا۔ اکیلا کئی آدمیوں پر بھاری پڑ سکتا تھا، اپنے حلیے اور چہرے کے خطرناک تاثرات کے برعکس اُس نے بڑے ڈھنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا، کوٹ کی جیب پر زرد اور سفید رنگ کے ملے جلے ریشمی دھاگوں سے "P" کا انگریزی حرف کڑھا ہوا تھا۔

"اس کا نام پرتھوی ہے....." منیجر نے مہذب لہجے میں پستہ قد والے کا تعارف کرایا۔ "یہ آپ کی گاڑی کا ڈرائیور ہے۔ ہمارے بھروسے کا آدمی ہے۔ آپ اس پر اعتماد کر سکتے ہیں، جب بھی آپ کو اس کی ضرورت ہو، استقبالیہ کو مطلع کر دیں، یہ آپ کو صدر دروازے پر گاڑی سمیت تیار ملے گا۔"

"ڈپٹی سے میرا شکریہ ادا کر دینا۔" میں نے شانِ بے نیازی سے منیجر کو مخاطب کیا۔ "اب میں کچھ دیر آرام کروں گا۔"

منیجر، پرتھوی کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ سیّد مجذوب کی لاٹھی الماری میں رکھی، پھر نیم گرم پانی سے غسل کیا تو ذہن کا غبار چھٹنے لگا۔ میں نہا کر باہر نکلا تو انکا سر پر آ گئی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ الماری میں میرے سائز کے بے شمار لباس موجود ہیں۔ میں نے ایک ہلکے لباس کا انتخاب کیا۔

"اب کیا ارادے ہیں.....؟" میں بالکونی میں آرام کرسی پر بیٹھا تو انکا نے مسکرا کر پوچھا۔ "کچھ شغل کرو گے؟ تاج میں آج کل ایک روسی طائفہ مقیم ہے، ایک سے بڑھ کر ایک ہوش اُڑا دینے والی گداز جسم کی حسینائیں موجود ہیں۔"

"پرتھوی کیسا آدمی ہے.....؟" میں نے انکا کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔ "کیا ایک ہندو پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

"غنڈوں، بدمعاشوں اور دہشت گردوں کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا۔" انکا بولی۔ "پرتھوی بڑی خوبیوں کا مالک ہے، جوڈو کراٹے کا ماہر ہے، ہر قسم کے اسلحہ کے استعمال سے بھی واقف ہے۔ خنجر زنی کی وارداتوں میں بڑے بڑے اُستادوں کے کان کتر سکتا ہے، دست بدست لڑائی کے فن سے بھی واقف ہے۔ دو سال کی قید مشقت کی سزا بھی کاٹ چکا ہے، کسی سدھائے ہوئے شکاری کتے کی طرح مالک کے ایک اشارے پر کسی کا بھی ٹینٹوا

دبوچ سکتا ہے۔"

"مالک کون ہے.....؟"

"ہوٹل کا مینجر اور ڈپٹی مل جل کر پرتھوی کی پشت پناہی کرتے ہیں۔لیکن جس کی ڈیوٹی سونپ دی جائے اس سے بھی غداری نہیں کرتا۔" انکا نے بڑے یقین سے کہا۔ پھر ٹھنک کر بولی۔"جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم کسی اور کی بات کیوں کرتے ہو.....؟"

"انکا رانی....." میں سنجیدہ ہو گیا۔"تم واقف ہو کہ میں نے جین جیسی وفادار حسینہ سے کیوں منہ موڑ لیا، میرے ہندوستان واپس آنے کی وجہ بھی جانتی ہو۔تم ہی نے بتایا تھا کہ میرے دشمنوں کو میری واپسی کی اطلاع مل چکی ہے، وہ حرکت میں آنے کے لئے منصوبے بنا رہے ہوں گے، خود کو منظم کرنے میں مصروف ہوں گے، صلاح مشورے کر رہے ہوں گے۔دشمنوں کو سنبھلنے کا موقع دینا دانشمندی کے خلاف ہے۔تم گواہ ہو، میں بدری نرائن کو ڈھیل نہ دیتا، گر بہ کشتن روزِ اوّل کے اصول پر عمل کرتا، شروع شروع میں اُس کا سر کچل دیتا تو آج اس قدر تنہا نہ ہوتا۔"

"پھر تم نے کیا سوچا ہے.....؟"

"ہردوار چلتے ہیں....." میں نے ٹھوس اور سرد لہجہ اختیار کیا۔"پنڈت نول کشور بھی کیا یاد کرے گا کہ اُس کا واسطہ کس سر پھرے سے پڑا ہے، وہاں اُس کے چیلے اور حاشیہ بردار بھی اکٹھے ہوں گے۔ میں اُسے مردوں کی طرح للکاروں گا، پھر جو بھی ہو۔ اچھا ہے کہ قصہ جلدی ختم ہو جائے، وہ تتر بتر ہو گئے تو مجھے پھر اُن حرامزادوں کے پیچھے مارا مارا پھرنا پڑے گا۔ جنگ ایک محاذ پر ہو تو فیصلہ بھی جلدی ہو جاتا ہے، کئی محاذ کھل جائیں تو توجہ بٹ جاتی ہے۔"

"میں ابھی تمہیں ہردوار جانے کا مشورہ نہیں دُوں گی۔" انکا کسمسانے لگی۔

"کیوں.....؟" میں مسکرا دیا۔"میری موت کے تصور سے ڈرتی ہو.....؟"

"ایسی منحوس باتیں زبان پر مت لایا کرو جمیل۔" اُس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔"تمہاری طرح میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ پہلے اس درخت کو جڑ سے کاٹ دیا جائے جس کے نیچے تمہارے دشمن سر جوڑ کر مشورہ کرتے ہیں۔لیکن تم نہیں جانتے، پنڈت نول کشور بڑا کمینہ خصلت دشمن ہے، وہ کھل کر سامنے نہیں آئے گا، منڈل میں بیٹھا دوسروں کو آگ میں

جھونکتا رہے گا۔ کچھ عرصہ انتظار کر لو، میں کوئی نہ کوئی ایسا راستہ ضرور ڈھونڈ نکالوں گی کہ وہ خود بوکھلا کر منڈل سے باہر آ جائے۔" انکا نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔"تم پہلے بھی منڈل توڑنے کا تماشہ دیکھ چکے ہو۔اس بار ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا ہوگا۔نول کشور نے تمہارے آنے کی اطلاع پا کر اپنے کچھ ہرکارے وندھیا چل کی طرف دوڑائے ہیں جہاں امرلال کا سنپولا چندرا، ایک برفانی گپھا میں دُھونی رمائے بیٹھا مہان شکتی حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"چندرا....." میں نے مٹھیاں بھینچ کر غضبناک لہجے میں کہا۔"تیرے باپ نے بدری نرائن کی حمایت میں کھڑا ہو کر میری کلدیپ کو میسور کی پہاڑیوں سے نیچے اُترنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ درمیان میں نہ آتا تو کلدیپ کو کالی کا آشیرباد حاصل کرنے کی خاطر اپنی زندگی کا نذرانہ کبھی نہ پیش کرنا پڑتا۔ تیرا گھمنڈی باپ کلدیپ اور کالی کے معاہدے کی بھنک نہ پا سکا، کلدیپ نے ہاتھ کے اشاروں سے اُس بدبخت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، اُس کی موت اذیتناک ثابت ہوئی۔لیکن میں تجھ سے اپنی کلدیپ کا اتنا بھیانک اور خوفناک انتقام لوں گا کہ تیری پلید آتما بھی کبھی شانت نہ ہو سکے گی۔ میں تیری بوٹیاں چیل کوؤں کو کھلاؤں گا، تجھے چتا کی آگ بھی نصیب نہیں ہوگی۔"

میں عالم تصور میں چندرا سے مخاطب تھا۔ میرے جنون میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ میں بے قابو ہو رہا تھا، میری وحشتیں بڑھتی جا رہی تھیں، کلدیپ کی یاد نے مجھے دیوانہ کر دیا، میں پاگل ہو گیا، عقل و خرد سے بیگانہ ہونے لگا۔

"ہوش میں آؤ جمیل۔" انکا کی آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔"اپنے آپ کو سنبھالو، ورنہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھو گے۔"

"دفع ہو جاؤ میرے سر سے۔کوئی اور ٹھکانہ تلاش کر لو، مجھے نصیحتیں مت کرو۔" میں پوری قوت سے چیخا۔"چلی جاؤ.....میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تمہارے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں، سنا تم نے، مجھے تمہاری کوئی ضرور.....رو.....رر.....رت....."

میں اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ انکا میرے سر پر تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس کے باریک پنجوں کی تیز چبھن ہر لمحہ شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، میرے سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں ماؤف ہو گئیں، میرا ذہن گھپ اندھیروں

میں ڈوبتا چلا گیا۔

وقت کی رفتار تھم گئی، میں ہر بات سے بے نیاز ہو گیا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو میں بالکونی میں اپنے بستر پر تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے ہلکی ہلکی دُھند طاری تھی۔ تاج ہوٹل کے کمرے میں دُھند کا ہونا تعجب خیز بات تھی۔ شاید انکا کے باریک پنجوں کی تیز چبھن نے میری بصیرت پر اثر ڈالا ہو، مجھے کم نظر آنے لگا ہو، میں جسے دُھند سمجھ رہا تھا وہ میری نظروں کی کمزوری بھی ہو سکتی تھی جس نے ہر شے کو دُھندلا دیا ہو، انکا کی وجہ سے میں ایک بار اپنی سیدھی آنکھ سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ انکا اُن دنوں تربینی کے سر پر تھی۔ میں نے اُس کی غیر موجودگی میں تربینی کی زندگی کا منحوس چراغ گل کرنے کی کوشش کی، انکا نے مجھے ایک آنکھ سے محروم کر دیا۔ میں بعد میں تربینی کے اشاروں پر ناچنے کو آمادہ ہوا تو اُس نے انکا کے ذریعے میری بے نور آنکھوں کو دوبارہ روشن کرا دیا۔ مگر اُس وقت اور بات تھی، اُس وقت تک میں صرف انکا کا محتاج تھا۔ اب میرے اندر نندا کی بخشی ہوئی ماورائی قوتیں موجود تھیں، پریتم لال کا آشیرباد حاصل تھا، ارتکاز اور مراقبے کی مشقوں نے مجھے حیرت انگیز طاقتوں سے مالا مال کر رکھا تھا۔

''نہیں.....'' میرے نیم بیہوش ذہن نے کہا۔ ''انکا رانی ایسا کوئی عمل نہیں کر سکتی جو میرے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔'' خود انکا نے مجھے بتایا تھا کہ پریتم لال نے اُسے میرے پاس لانے سے پیشتر کہا تھا کہ اب وہ صرف اُس کی آتما کے دائرہ اختیار میں ہے، جب تک اُس کی آتما انکا سے دستبردار نہیں ہو گی کوئی دوسرا پنڈت یا پجاری اس کو قابو نہیں کر سکے گا۔ ایسی صورت میں انکا سے کسی جارحانہ رویئے کی اُمید نہیں کی جا سکتی تھی، وہ جانتی تھی کہ پریتم لال کی آتما میری پشت پر تھی۔

''پھر وہ دُھند کیسی تھی.....؟'' میں نے غور کرنے کی کوشش کی لیکن ذہن نے ساتھ نہیں دیا، میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہونے لگیں۔ ایک لمحے کو مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم اور ذہن کی ساری قوتیں مجھ سے چھین لی گئی ہوں، میں مفلوج ہو کر رہ گیا تھا، میری آنکھیں دیکھ سکتی تھیں، میرے کان سن سکتے تھے لیکن میرا جسم حرکت کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے زور لگا کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہ کر سکا، میں نے سر پر نظر ڈالی، دُھند کی چادر اتنی دبیز نہیں تھی کہ میں قریب کی چیز بھی دیکھنے سے قاصر رہتا۔ انکا میرے سر

پر نہیں تھی، وہ میرے ذہن کو وقتی طور پر معطل کر کے کہیں چلی گئی تھی..... ''کہاں...؟'' میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے بیہوشی سے قبل پنڈت نول کشور کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس سے پیشتر کہ وہ پیش قدمی کرتا، اُس پر جھپٹ پڑنے کی سوچ رہا تھا۔ انکا نے مجھے میرے ارادے سے روکنے کی کوشش کی۔ میں اُسے بتانا چاہتا تھا کہ مچان پر بیٹھ کر جنگل کے بادشاہ کا شکار کھیلنے والے مرد نہیں ہوتے۔ جو شیر کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر گولی داغنے کی ہمت اور حوصلہ رکھتے ہیں وہی شکاری کہلانے کے مستحق بھی ہوتے ہیں۔ لیکن انکا نے میری بات نہیں سنی، بات امر لال کے بیٹے چندرا کی آئی تو میرے ماضی کے در کھل گئے، مجھے اپنی کلدیپ یاد آ گئی۔ میں بے قابو ہو گیا، میری وحشتیں حد سے گزرنے لگیں تو انکا نے مجھے پُرسکون رکھنے کی خاطر اپنے باریک اور تیز پنجوں کا نشتر لگا کر مجھے بیہوش کر دیا۔ پھر.....

شاید میری بیہوشی اور انکا کی غیر موجودگی میں میرے دشمنوں کو وار کرنے کا موقع مل گیا، وہ غافل نہیں ہوں گے، گھات لگائے بیٹھے ہوں گے، ایک ایک لمحے کی خبر رکھتے ہوں گے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اُنہیں میرے تاج میں ٹھہرنے کی اطلاع مل گئی ہو۔ اُن کا کوئی بھیدی بھی کہیں آس پاس منڈلا رہا ہو، اُسے کسی پہنچے ہوئے پنڈت یا پجاری سے بھنک مل گئی ہو کہ میدان صاف ہے، اُس نے پھرتی سے کام کیا ہو، کوئی زہریلا انجکشن لگا کر مجھے مفلوج کر کے نکل گیا ہو۔ میرے خشک ہونٹوں پر مایوسی کی زرد مسکراہٹ اُبھر آئی۔

''جمیل احمد خان، اب تمہارا وقت پورا ہوا، بہت دنوں سینہ تان کر دندناتے پھرے، کلدیپ کی شکتی اور پریتم لال کی پرارتھنا تمہیں بچاتی رہیں، انکا کے پراسرار وجود نے تمہیں بڑے عیش کرائے، تم نے جو مانگا وہ ملا، جو چاہا وہ پورا ہوا۔ لیکن کب تک؟ کبھی نہ کبھی تو تمہاری زندگی کے چڑھتے سورج کو بھی ڈوبنا تھا، گہن لگنا تھا۔ جو پیدا ہوتا ہے اُسے ایک دن موت کا ذائقہ بھی ضرور چکھنا پڑتا ہے۔ انکا، کلدیپ اور پریتم لال سے بھی بڑی ایک قوت ہے جو پوری کائنات کی مالک ہے، جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے، جو تم دیکھ نہیں سکتے وہ سب کچھ اُس کی نظروں میں ہوتا ہے۔ وہ خود مختار ہے، موت اور زندگی دونوں اُس کے اختیار میں ہیں۔ اُس سے کہاں تک بھاگ سکتے ہو؟ ایک نہ ایک دن تو تمہیں مرنا تھا، پچھتانے سے کیا حاصل ہو گا؟ اب بھی کچھ سانسیں تمہارے پاس امانت رہ گئی ہیں، فائدہ

اُٹھا لو، اُس کے سامنے جھک جاؤ، ہاتھ جوڑ لو، گڑگڑا کر معافی مانگو۔ یہ وقت بھی گزر گیا تو ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔''

میرا ذہن تاریکی میں ڈوبنے لگا، مجھے پریتم لال یاد آیا، اُس نے کہا تھا کہ مجھے کلدیپ کے ادھورے کام پورے کرنے ہیں۔ وہ مہان شکتیوں کا مالک تھا، زمین کی تہوں اور سمندر کی گہرائیوں میں بھی جھانک سکتا تھا۔ دیوی دیوتاؤں نے اُسے لازوال قوتوں سے نواز رکھا تھا۔ وہ مرنے کے بعد بھی ہڈیوں کے پنجر کے رُوپ میں میرے سامنے آ گیا تھا مگر شاید وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ میری زندگی کا سفر پورا ہونے کا وقت قریب آ چکا ہے۔

موت کا تصور بڑا اذیتناک تھا..... میں نے زور لگا کر پھر اُٹھنے کی کوشش کی، مجھے اس بار بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے عالم تصور میں چیخ چیخ کر انکا کو آوازیں دیں، پریتم لال کی آتما کو مدد کے لئے پکارا، کلدیپ کو یاد کیا۔ میری نگاہوں تلے اندھیرے لپکنے لگے، دل کی دھک دھک تیز ہو گئی، پیشانی پر پسینے کے قطرے اُبھر آئے۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دُھند کو چیرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دم گھٹنے سے پیشتر شاید ایسا ہی کرب، ایسی ہی وحشتیں طاری ہوتی ہیں، ڈوبنے والا شخص ہاتھ پیر چلانے سے باز نہیں آتا، آخری سانس تک جدوجہد جاری رکھتا ہے، ڈوبتا ہے، اُبھرتا ہے، پھر ڈوبنے لگتا ہے، زندگی کی آس دم اُکھڑنے تک قائم رہتی ہے، اُمیدیں سہارا دیتی ہیں، جینے کی آرزو ختم نہیں ہوتی، زندہ رہنے کو اُکساتی رہتی ہے۔ میری حالت غیر ہو رہی تھی..... میں اُس مچھلی کی طرح پھڑپھڑانے لگا جو پانی سے نکل کر خشکی میں آ گئی ہو۔ مجھے اپنا وجود بیچ منجدھار میں غرق ہوتا نظر آ رہا تھا جب ایک من موہ لینے والی سریلی نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی.....

یکلخت مجھے یوں لگا جیسے میں تپتے ہوئے ریگستانوں میں بھٹکتا بھٹکتا کسی نخلستان میں پہنچ گیا ہوں، اُس آواز میں سحر تھا، جادو تھا، کشش تھی، زندگی کی حرارت کا احساس تھا، زندہ رہنے کی نوید تھی۔ میں چونکا، مجھے ایسا لگا جیسے میرے جسم کی تمام بندشیں ایک ایک کر کے ٹوٹ گئی ہوں۔ میری نظروں کے سامنے سے دُھند کی چادر سرک گئی، میری بینائی پوری طرح بحال ہو گئی۔ میں حرکت کرنے کے قابل ہو گیا..... میں نے کروٹ بدلی، آواز کی سمت دیکھا تو زندہ رہنے کی آرزوؤں میں اُبال آنے لگا، دل کی ڈوبتی حرکتوں کو قرار آ گیا۔

میں اُسے آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا، وہ کسی مندر کی کمسن پجارن نظر آ رہی تھی۔

پجارنوں کے لباس میں سمٹی سمٹائی میری نگاہوں کے سامنے کھڑی تھی، اُس کے معصوم چہرے کا تقدس اُس کی پاکیزگی کا گواہ تھا، اُس کی نگاہوں میں بھولپن تھا، اُس کے ہونٹوں کے گداز میں زندگی ہی زندگی تھی، اُس کے خدوخال، اُس کا حسن، اُس کے چہرے پر کھیلتی حیا کی شرمیلی مسکان، لچک کر کھڑا ہونے کا انوکھا انداز، بدن کی خوشبو، لباس کی سادگی میں پرکاری، گھنیری دراز پلکیں، ایک ایک ادا قیامت تھی۔ بادامی آنکھوں میں کاجل کی ڈور نے اُس کے حسن کو دوآتشہ بنا دیا تھا۔

''کون ہو تم.....؟'' میں نے پوچھا۔

''پجارن۔'' وہ مدھم سُروں میں بولی۔ ''تم بیاکل تھے، میں تمہارا من بہلانے کو آ گئی۔''

''تمہارا نام.....؟'' میں نے پلکیں جھپکائے بغیر دریافت کیا۔ ڈر تھا کہ کہیں وہ خواب ٹوٹ نہ جائے۔

''کجرا..... پجارن کجرا۔'' اُس نے لجا کر جواب دیا۔

''تمہیں میری بے چینی، میری وحشتوں کا علم کیسے ہو گیا.....؟''

''دیوتا کی سیوا کرنا تو پجارن کا دھرم ہوتا ہے مہاراج۔'' اُس کی نگاہوں میں کنول تیرنے لگے۔ ''تم نے من سے مجھے آواز دی میں آ گئی۔ میرے بڑے بھاگیہ کہ اسی بہانے تمہارے درشن ہو گئے۔''

''تم نے میری پکار سن لی تھی؟''

''ہاں مہاراج..... ایک من دھڑکتا ہے تو دوسرے کو بھی اس کی خبر مل جاتی ہے، اسی کو سنجوگ کہتے ہیں۔'' وہ پھولوں سے لدی شاخ کی مانند لچکنے لگی، نظریں جھکا کر مدھم لہجے میں بولی۔ ''جوت سے جوت ہوتی ہے، پرکھوں نے یہی کہا ہے۔''

''تم آ گئیں، میرے من کو قرار آ گیا.....'' میں نے کے مخملی جسم کو بغور دیکھا۔

''گرو دیو بھی یہی بھاشن دیتے ہیں۔'' اُس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ ''کوئی بیاکل ہو، کوئی کشٹ بھوگ رہا ہو تو اُس کی سیوا کرنا بڑے پن کا کام ہے۔''

''تم رہتی کہاں ہو.....؟'' میں نے دبی زبان میں پوچھا۔

''مندر میں۔'' وہ معصومیت سے بولی۔ ''دیوی کے چرنوں میں۔''

''اگر میں تمہیں اپنے من مندر میں چھپا لوں؟''

''نہیں مہاراج۔'' وہ لجا گئی۔ ''ایسی باتیں پجارن کو شوبھا نہیں دیتیں۔ شریر کا شریر میں گھل جانا پاپ ہوتا ہے۔ منش ایسے راستے پر چلے تو بھٹک جاتا ہے، اس کی منوکامنائیں کبھی پوری نہیں ہوتیں، سارا جیون گھور اندھیرے میں بیت جاتا ہے، مرنے کے بعد نرک میں جاتا ہے۔''

''تم کس مندر میں رہتی ہو.....؟'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''یہاں سے پچھم کی اور چلو تو چار پانچ کوس دُور دُرگا مائی کا ایک مندر آتا ہے، اُسی مندر کی ایک کٹی میں رہتی ہوں۔'' اُس نے بھولپن سے جواب دیا۔ ''پنڈت اوم پرکاش نے دیا کھا کر مجھے شرن دے رکھی ہے۔''

''وہاں تمہارے ساتھ اور پجارنیں اور پجاری بھی رہتے ہوں گے؟''

''ہاں.....'' اُس نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھا۔ ''تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''تمہیں کسی پجاری سے پریم نہیں ہوا.....؟'' میں نے نشلی آواز میں سوال کیا، وہ شرما گئی۔ لاجونتی کی مانند خود اپنے ہی وجود میں سمٹنے لگی۔

''کیسی مورکھوں جیسی باتیں کر رہے ہو مہاراج، پریم تو کیول دیوی دیوتاؤں کے ساتھ ہوتا ہے، منش تو بھٹکتا رہتا ہے۔ بھٹکنے والوں سے کیا پیار کرنا.....؟''

''کبھی کسی پجاری نے تمہارا ہاتھ نہیں تھاما؟'' میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ کجرا کی معصوم باتیں میرے دل پر اثر کر رہی تھیں۔ میں سب کچھ بھول کر اُس کے حسین وجود میں گم ہونے لگا۔

''ہٹے کٹے پجاری کبھی بھنگ چڑھا کر شیطان بھی بن جاتے ہیں۔''

''پھول تو کانٹوں کے بیچ ہی کھلتے ہیں مہاراج.....'' وہ بڑی حسرت سے بولی۔ ''کوئی توڑ لیا جاتا ہے، کوئی ڈالی پر ہی سوکھ کر مرجھا جاتا ہے، جس کے بھوش میں جو لکھ دیا گیا، وہ اوش پورا ہوتا ہے، پنڈت اوم پرکاش مہاراج بھی یہی کہتے ہیں۔''

''اوم پرکاش نے تمہیں کبھی نظر بھر کر نہیں دیکھا؟'' میں نے سرسراتے لہجے میں دریافت کیا۔

''کئی بار دیکھ چکے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''مندر میں اور بھی پجارنیں ہیں، پرنتو وہ مجھے سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ میرا من اُداس ہوتا ہے تو میں اُن کے چرنوں میں ڈنڈوت کرنے چلی جاتی ہوں۔ اُن کی بڑی کرپا ہے میرے اُوپر۔'' وہ پلکیں تیز تیز

جھپکاتے ہوئے بولی۔ ''میں زیادہ اُداس ہوتی ہوں تو وہ میرا من شانت کرنے کے لئے مدھ کا پیالہ بھی دیتے ہیں، اُسے پی کر میرے من کو شانتی مل جاتی ہے، میں سارے دُکھ درد بھول جاتی ہوں، کبھی کبھی میری آنکھ بھی لگ جاتی ہے۔ جب دوبارہ اُٹھتی ہوں تو اپنی کٹی میں ہوتی ہوں۔''

میرے اندر ٹوٹ پھوٹ شروع ہوگئی۔ میں جان گیا کہ پنڈت اوم پرکاش اُسے مدھ (شراب) کا پیالہ دے کر مدہوش کر دیتا ہوگا۔ بے ہوشی کے عالم میں کجرا کے سندر شریر سے کھیلتا ہوگا، اپنی پیاس بجھاتا ہوگا، پھر کسی پجاری کے ذریعہ اسے اس کی کٹی میں بھیج دیا جاتا ہوگا۔ پجاری اپنا خراج الگ وصول کرتے ہوں گے۔ مندر اور پاٹھ شالاؤں میں اس قسم کی کہانیاں بڑی عام ہوتی ہیں، دیوی دیوتاؤں کے نام پر وقف کر دی جانے والی معصوم، کم عمر اور بھولی بھالی لڑکیاں جس ماحول میں پرورش پاتی ہیں اسی کو زندگی سمجھ کر قبول کر لیتی ہیں۔''

کجرا نے جس معصومیت سے اپنی بربادی کی کہانی سنائی اسے سن کر میری رگوں میں دوڑتا ہوا خون کھول اُٹھا۔ وہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں سے بے خبر تھی، لٹیروں کو اپنا محافظ سمجھ رہی تھی۔

''تمہارے ماتا پتا..... دوسرے بڑے کہاں رہتے ہیں؟'' میں نے اُسے کریدنے کی خاطر سوال کیا۔

''بھگوان جانے.....'' وہ اُداس ہوگئی۔ ''جب میں بہت چھوٹی تھی اسی سمے میری ماں مجھے دیوی کے چرنوں میں ڈال گئی تھی۔ اوم پرکاش مہاراج نے یہی بتایا ہے۔''

''میں تمہیں کیسا لگتا ہوں.....؟'' میں نے موضوع بدل دیا۔

''تم..... تم تو مہاراج ہو، مہان شکتیوں کے مالک۔'' کجرا بڑی عقیدت سے بولی۔ ''تمہارے سائے تلے بیٹھ کر سنتانے کو من کرتا ہے، جیون کا سارا سواد تمہارے چرنوں میں ہی تو ہے۔ اوم پرکاش مہاراج نے یہی کہا تھا۔''

''اور اگر میں کہوں کہ تم میرے چرنوں میں جیون بتا دو..... تو؟''

''بات میرے بس میں ہوتی تو میں کبھی انکار نہ کرتی، سارا جیون تمہارے چرنوں میں بتا دیتی، ایک پل کے لئے بھی تمہاری گھنیری چھایا سے دُور نہ جاتی لیکن.....''

''لیکن کیا کجرا؟'' میں نے تڑپ کر اُس کے چہرے پر اُبھرنے والی مایوسی کا سبب

پوچھا۔ ''تم چپ کیوں ہوگئیں.....؟''

''اوم پرکاش مہاراج نے کہا تھا کہ میں گھڑی دو گھڑی تمہارا دل بہلا کر واپس آجاؤں۔ میں اُن کا کہا نہیں ٹال سکتی۔''

''پنڈت اوم پرکاش نے میرے بارے میں تم سے اور کیا کہا تھا.....؟'' میں نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔ کجرا کی بات سن کر معاً میرے ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ وہ کسی اور کے دھوکے میں بھٹک کر میرے کمرے میں آگئی ہے۔ میں مسلمان تھا، وہ ایک مندر کی پجارن تھی، تربیت کے دوران اُسے یہ بات بھی ضرور سکھائی گئی ہوگی کہ مسلمانوں سے دُور رہے، اُن کے سائے سے علیحدہ رہنے کی کوشش کرے، نفرتوں کا درس دیا گیا ہوگا، اور نہ جانے کیا کیا زہر گھٹی میں گھول کر پلایا گیا ہوگا۔ اُس کا جسم چندن تھا، اُس کی آنکھوں میں شراب مچلتی تھی، وہ کمسن تھی، گداز جسم کی مالک تھی، پنڈت اوم پرکاش اُس جیسی خوبصورت پجارن سے کبھی دستبردار نہیں ہوسکتا تھا۔ جانے کتنے پجاری اور دیوداس بھی اس پر دانت جمائے بیٹھے ہوں گے۔ وہ اُسے ایک مسلمان کی خدمت پر مامور کرنے پر کیسے آمادہ ہوسکتے تھے؟ کہیں نہ کہیں کوئی خلاء ضرور موجود تھا۔

''وہ تمہارے متر ہیں، تم اُنہیں جانتے ہو۔ پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو.....؟'' وہ معصومیت سے بولی۔ اُس کی آواز میں ترنم تھا، اُس کے لہجے میں راگنی تھی۔

''کجرا.....'' میں نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے پیار سے کہا۔ ''مجھے بتاؤ، پنڈت اوم پرکاش نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ کیا بتایا تھا میرے بارے میں؟''

''مہاراج نے مجھے بتایا تھا کہ تم بھی پنڈت نول کشور مہاراج کے جتھے میں شامل ہو، تمہاری شکتی اپرم پار ہے، تم نے بڑی کٹھن تپسیا کے بعد وہ استھان حاصل کیا ہے جو دوسروں کو نہیں ملتا۔'' کجرا نے میری تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کردیئے، میں نول کشور کا نام اُس کی زبان سے سن کر پہلو بدلنے لگا، کجرا کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اُسے زندہ نہ چھوڑتا، اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نول کشور کو بطور تحفہ روانہ کردیتا۔ لیکن وہ ایک حسین پجارن تھی، حسن میری کمزوری تھی، نول کشور میری نفرت کی انتہا تھا۔ میں کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ کجرا کی مدھر آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی۔

''وہ دشٹ جو سات سمندر پار سے ہمارا بیری بن کر آیا ہے وہ اپنے ناپاک ارادوں میں

کبھی کامیاب نہ ہوگا، اُس کی موت، اُس کا انت تمہارے ہاتھوں ہوگا، تم اُسے اپنے چرنوں تلے روندو گے، اُس کے شریر کو آگ لگا دو گے، اُس کے نرک میں جانے کے بعد پھر کوئی مُسلا ہماری طرف آنکھیں اُٹھا کر نہیں دیکھ سکے گا، اُن کا سارا گھمنڈ ٹوٹ جائے گا اور .....اور اس کے بعد.....''

کجرا نے شرما کر پلکیں جھکالیں، میری نگاہیں اُس کے حسن کے نکھار کا جائزہ لے رہی تھیں، میرے اندر الاؤ بھڑک رہا تھا، لاوا اُبل رہا تھا، وہ معصوم فتنہ جو میرے سامنے کھڑی تھی، جمیل احمد خان کا دل بہلانے نہیں آئی تھی، میرے کسی دشمن کی آغوش کو گرمانے کو بھیجی گئی تھی، میرا ماتھا ٹھنکا، مطلب صاف تھا، تاج میں میرے علاوہ پنڈت نول کشور کا کوئی ایسا چیلا بھی ضرور موجود تھا جس پر پنڈت اوم پرکاش بھی مان کر رہا تھا۔ میرے اندر کھلبلی شروع ہوگئی۔ میں نے جلد بازی نہیں کی، احتیاط سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

''تم کچھ کہتے کہتے چپ کیوں ہوگئیں؟..... جو کچھ من میں ہے کھل کر کہہ ڈالو۔''

''مہاراج اوم پرکاش نے کہا تھا کہ وجے تمہاری ہوگی۔'' کجرا اپنی اوڑھنی کا کونہ دانتوں میں دبا کر بل دیتے ہوئے مدھر آواز میں بولی۔ ''دشمن کو چتا کی آگ میں جھونکنے کے بعد تم اگر مجھے اپنی سیوا کے لئے مانگو گے تو مہاراج انکار نہیں کریں گے۔''

''میرا نام جانتی ہو.....؟'' میں نے مسکرا کر سوال کیا۔

''تمہارا شبھ نام بھی تمہاری ہی طرح سندر ہے.....'' وہ شرما کر مدھم آواز میں بولی۔ ''مہاراج کالی داس.....''

مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوگئی۔ میں نے کجرا کو زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا، بات بگڑ جاتی تو ایک شکار میرے ہاتھ سے نکل جاتا۔ میرے خون کی گردش تیز ہونے لگی، میں سوچنے لگا، کجرا میرے سامنے موجود ہے، کیوں نہ اسے ہاتھ بڑھا کر دبوچ لوں، اس کے نازک جسم کو پھول کی طرح مسل کر رکھ دُوں، ایک ایک پنکھڑی کو نوچ کھسوٹ کر ہوا میں منتشر کردُوں، خاک میں ملا دُوں۔ لیکن میں نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔ وہ میری نظروں میں کھب گئی تھی۔ میں اسے بعد میں بھی حاصل کرسکتا تھا، پہلے اُس زہریلے ناگ کالی داس کا سر کچلنا ضروری تھا جو تاج ہی کے کسی کمرے میں کنڈلی مارے، میری موت کی گھات لگائے بیٹھا تھا۔

''کس وچار میں گم ہو گئے مہاراج.....؟'' کجرا کی آواز کا ترنم جاگا۔ میں خیالوں کی دنیا سے ہوش میں آ گیا۔

''اب جاؤ کجرا.....'' میں نے سنجیدگی سے قدرے بدلے ہوئے انداز میں اُسے مخاطب کیا۔ ''تمہارے آنے سے میرے من کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ پنڈت اوم پرکاش سے میرا پرنام کہنا، مجھے ایک ضروری جاپ یاد آ گیا، دشمن کو نشٹ کرنے کے کارن اس جاپ کو ترنت کرنا ضروری ہے، تم سندر ہو، میری نظروں کو بھا گئی ہو۔ میں پھر کبھی اطمینان سے تمہیں سیوا کا موقع دُوں گا۔''

''بھول نہ جانا مہاراج.....'' وہ روانی میں کہہ گئی۔ پھر ہاتھ باندھ کر سنجیدگی سے بولی۔ ''میں چلتی ہوں، مجھے آگیا دو۔''

میں نے پنڈت پجاریوں کی طرح سیدھا ہاتھ بلند کر کے اُسے آشیر باد دیا، وہ پھول کی شاخ کی طرح لچکی، پھر اُلٹے قدموں چلتی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا، انکا ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ حالات کی سن گن لینے گئی ہو گی۔ میں پوری طرح ہوش وحواس میں تھا۔ کجرا کے آجانے سے میرے اُوپر طاری کسلمندی کی تمام کیفیتیں چھٹ چکی تھیں، میں تر و تازہ ہو گیا تھا، میں نے انکا کی واپسی کا انتظار ضروری نہیں سمجھا، بستر پر ہی یوگا کی مشق کرنے کے انداز میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا، آنکھیں بند کر کے ارتکاز میں مستغرق ہو گیا۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا، میری نگاہوں کے سامنے سے در و دیوار کی رُکاوٹیں سرکنے لگیں، میرے اندر کی روشنی بڑھتی گئی، مجھے ایک دروازہ نظر آیا جس پر پیتل کے ہندسوں سے چار سو اٹھائیس درج تھا، میرے اندر نندا کی بخشی ہوئی قوتیں بیدار ہو کر کروٹیں لینے لگیں، میری نظریں دروازے سے گزر کر اندر کمرے میں پہنچ گئیں۔ ہر شے صاف نظر آنے لگی۔

دراز قد کا ایک ہٹا کٹا شخص جسم پر لنگوٹی باندھے فرش پر آسن جمائے بیٹھا تھا، اُس کی آنکھیں بند تھیں، ہونٹ متحرک تھے، کسی جاپ میں مگن تھا۔ میری نظریں اُس کے چہرے سے ٹکرائیں تو اُس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں، اُس کی سرخ سرخ آنکھیں حلقوں کے درمیان تیزی سے حرکت کرنے لگیں۔ شاید اُس نے بھی میری بھنک پا لی تھی۔ کسی ربڑ کی گیند کی طرح تیزی سے اُچھل کر کھڑا ہو گیا، پھٹی پھٹی نظروں سے کمرے میں چاروں

طرف دیکھنے لگا۔ وہ خطرے کی بو سونگھ چکا تھا، میں نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ میں پریتم لال کی سونپی ہوئی قوت کو ایک بار پہلے بھی آزما چکا تھا، میں نے اُس وقت بھی اُس کا نام سچے دل سے لے کر سوچا۔

''کجرا کے بیان کے مطابق پنڈت کالی داس، پنڈت نول کشور کی بساط کا ایک مہرہ اور میرا دشمن ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو اسے خود اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ کر خودکشی کر لینی چاہئے.....''

پریتم لال نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ میں جب بھی کسی جائز کام کے لئے سچے دل سے اُس کا نام لے کر کسی خواہش کا اظہار کروں گا، وہ ضرور پوری ہو گی۔ میں پنڈت کالی داس کو گھورتا رہا۔ میری سوچ مکمل ہونے کے بعد اُس کے چہرے کے تاثرات بڑی سرعت سے تبدیل ہونے لگے، اُس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا، اُس کے قدم لڑکھڑانے لگے، اُس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن سنبھل نہ سکا، لڑکھڑا کر زمین پر گرا..... اُس کے ہاتھ مشینی انداز میں گردن کی طرف بڑھنے لگے، پھر اچانک وہ اس طرح فرش پر ہاتھ پاؤں چلانے لگا جیسے اُس کو اپنے انجام کی خبر مل گئی ہو۔ اُس کے جسم کے جوڑ پٹھوں میں کھنچاؤ کی شدت صاف نظر آ رہی تھی، وہ پوری جدوجہد کر رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ گردن سے دُور رہیں۔ موت اور زندگی کا بھیانک ناٹک کچھ دیر جاری رہا، مگر وہی ہوا جو میں نے دل میں سوچا تھا۔ کالی داس کی تمام تر کوششوں کے باوجود اُس کے ہاتھوں کا شکنجہ گردن میں پڑ گیا۔ پریتم لال کی آتما کی مہان شکتی کہیں دُور بیٹھی میری خواہش کو پورا کر رہی تھی، کالی داس تڑپتا رہا، موت کے چنگل سے نجات پانے کی خاطر آخری وقت تک اُس نے اپنی کوشش ترک نہیں کی لیکن وہ پریتم لال کی شکتی کا توڑ کرنے میں ناکام رہا۔ اُس کی آنکھیں حلقوں سے اُبل کر باہر آ گئیں، جسم تڑپ تڑپ کر ساکت ہو گیا تو میں نے آنکھیں کھول لیں۔

میرے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ اُبھر آئی۔ پجارن کجرا کی بھول نے میرے ایک دشمن کو جہنم رسید کر دیا۔ میں سوچنے لگا کالی داس کی موت کی اطلاع پنڈت اوم پرکاش اور نول کشور کو ملے گی تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹ جائیں گے۔ وہ پراسرار طاقت بھی ششدر رہ جائے گی جس نے جہاز پر اشوک کو انکا کو دیکھنے اور سننے کی قوت بخشی تھی، میرے دشمنوں کی صفوں میں کہرام مچ جائے گا، وہ میری طرف سے غافل نہیں ہوں گے،

ممکن ہے پنڈت کالی داس کے علاوہ کوئی اور بھی میری نقل وحرکت پر نظر رکھنے پر مامور ہو۔ جب نول کشور کو علم ہوگا کہ میں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا اور کالی داس کا کریا کرم ہوگیا تو اُن کے ذہنوں پر بجلی ٹوٹ پڑے گی، عقل دنگ رہ جائے گی، وہ خود کو اور منظم کرنے کی تدابیر اختیار کریں گے، زیادہ محتاط ہوکر مجھے پھانسنے کے لئے نئے جال بنیں گے۔ دوسرا وار بہت سوچ سمجھ کر کریں گے لیکن..... کجرا کا کیا بنے گا؟..... میرے ذہن میں یہ خیال تیزی سے اُبھرا۔ وہ غلطی سے میری ذات پر ایک احسان کر گئی تھی مگر پنڈت کالی داس کی بھیانک موت کی خبر سن کر اسے ضرور کریدا جائے گا، وہ وضاحتیں کرے گی تو نگاہوں میں آ جائے گی، دشمن بھانپ لیں گے کہ اسی کی غلطی سے ایک قیمتی مہرہ پٹ گیا، پھر.....

''پجارن کجرا کا انجام کیا ہوگا؟ کیا وہ اُسے اپنے عتاب کا نشانہ بنانے کی خاطر روند ڈالیں گے؟ کوئی بھیانک سزا دیں گے؟ معاف کر دیں گے یا کالی کے چرنوں پر بھینٹ چڑھا دیں گے؟''

میں ابھی کجرا کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ انکا سر پر آ گئی، وہ بڑی خوش نظر آ رہی تھی۔ پہلے اُس نے مجھے بیہوش کر دینے پر معذرت پیش کی، پھر چہک کر بولی۔ ''تمہارے لئے میرے پاس کئی اہم خبریں ہیں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، انکا نے کہنا شروع کیا۔

''نول کشور نے جو آدمی چندرا کے پاس روانہ کئے تھے وہ واپس آ گئے، چندرا نے منڈل کے اندر بیٹھے بیٹھے ایک اُنگلی اُٹھا کر کچھ اشارہ کیا تھا، خیال ہے کہ چندرا ایک ماہ تک منڈل سے باہر آنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ جب تک وہ وندھیا چل سے واپس نہیں آتا نول کشور بھی کوئی قدم نہیں اُٹھائے گا۔''

''اور کچھ.....؟''

''میں ایک اور پنڈت کا بھی پتہ کر کے آئی ہوں، پنڈت اوم پرکاش، یہاں سے پانچ کوس کی دُوری پر دُرگا دیوی کا ایک شاندار مندر ہے، اوم پرکاش وہاں کا بڑا پجاری ہے، نول کشور کا خاص آدمی ہے۔ بازو سمجھ لو۔''

''کوئی اور اطلاع.....؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''ہاں.....'' انکا چہک کر بولی۔ ''تمہارا ایک اور دشمن کام آ گیا۔ کالی داس نام تھا اُس

کا، اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔''

''اُس نے خودکشی کر لی ہوگی.....؟'' میں نے بے پرواہی سے کہا۔ ''اپنے ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ لیا ہوگا۔''

''کیا مطلب؟'' انکا نے چونک کر مجھے دیکھا، کچھ توقف سے بولی۔ ''جمیل، تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو؟''

''مجھے کالی داس کی بھنک مل گئی تھی انکارانی۔'' میں نے اعتراف کر لیا۔ ''اُسے میں نے ٹھکانے لگا دیا۔''

''تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟'' وہ سٹپٹانے لگی۔

''نہیں، مجھے اپنے کمرے سے کہیں جانے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔''

''سمجھ گئی، تم نے پریتم لال یا نندا کی کسی شکتی کو آزمایا ہوگا۔'' انکا نے مسرت کا اظہار کیا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ تم نے سمجھداری سے کام لینا شروع کر دیا..... آئندہ بھی دُور اندیشی سے کام لینا۔''

''تمہیں میرا ایک ضروری کام کرنا ہوگا.....'' میں نے سنجیدگی سے کہا، پھر اُسے کجرا پجارن کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ انکا تیزی سے رینگتی ہوئی میرے سر سے اُتر گئی۔ میں نے اُٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا، انکا جلدی واپس آ گئی۔ اس بار اُس کے چہرے پر اُلجھن کے گہرے تاثرات مسلط تھے، اس طرح ہونٹ چبا رہی تھی جیسے کسی معمے کا حل تلاش کر رہی ہو۔

''کیا ہوا.....؟'' میں نے تیزی سے دریافت کیا۔ ''کیا اُن درندوں نے اُس معصوم، بھولی بھالی پجارن کو روند ڈالا، مار دیا اُسے؟''

''یہ بات نہیں ہے.....'' انکا نے خلاؤں میں جھانکتے ہوئے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''کوئی شکتی تمہیں گھیرنے کے لئے لمبے داؤ پیچ کر رہی ہے، اشوک کے بعد پنڈت کالی داس، دونوں مجھے ایک ہی سلسلے کی کڑی نظر آ رہے ہیں۔ کوئی پردے کی آڑ میں بیٹھا کٹھ پتلی کے کھیل تماشے دکھا رہا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں پجارن کجرا کو پوری طرح کھنگال کر آ رہی ہوں..... کیا تم یقین کرو گے کہ وہ

ہفتہ دس دنوں سے ایک لمحے کے لئے بھی دُرگا دیوی کے مندر سے باہر نہیں نکلی۔ نول کشور کی طرح پنڈت اوم پرکاش نے بھی مندر کے چاروں طرف حصار کھینچ رکھا ہے، اُس کے حکم کے بغیر کوئی پجاری بھی باہر نہیں نکلتا.....''

''پھر وہ کجرا کون تھی جس نے مجھے پنڈت کالی داس کے بارے میں بتایا تھا؟'' میں نے خودکلامی کے انداز میں کہا۔ انکا بھی کسی سوچ میں مستغرق ہوگئی.....!!

میرے قدم لفٹ سے باہر آئے تو کئی نگاہیں میری جانب اُٹھ گئیں۔ وہ میرے حلیے کو تاج میں ٹھہرنے والوں کی حیثیت سے پیمائش کر رہے تھے۔ اُن کے چہروں پر معنی خیز سنجیدگی مسلط تھی، آنکھیں عقاب کی مانند ہجوم میں گردش کر رہی تھیں۔ میں پرتھوی کو تیار رہنے کا حکم دے کر نیچے آیا تھا، بیرونی ہال میں مہکتے جسم منڈلا رہے تھے، تاج کی گہما گہمی اور وہاں کے رومانٹک ماحول کو دُور بیٹھ کر محسوس نہیں کیا جا سکتا، وہاں کے ٹھاٹھ باٹھ وہی بہتر جانتا ہے جو وہاں کبھی مقیم رہ چکا ہو۔ چھوٹے موٹے افراد دُور ہی سے نظریں سینک کر دل کو تسلی دے لیتے ہیں۔

میں جلدی میں تھا، میرے ذہن میں ابھی تک کجرا پجارن کے معمے کے کئی ممکنہ اشارے گڈمڈ ہو رہے تھے، انکا نے جو کہا تھا وہ غلط نہیں ہو سکتا تھا، وہ بھی گہری سنجیدگی سے دوچار تھی، میں لوگوں کے درمیان سے قدم بڑھاتا بیرونی دروازے کی سمت جا رہا تھا جب ایک لمبا تڑنگا شخص میرے سامنے آ گیا۔ اُس کے جسم پر بڑا قیمتی سوٹ موجود تھا۔ میں نے اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا، وہ ایس پی روی شنکر تھا۔ کملا کے قتل کے کیس میں کئی بار میرا اُس کا آمنا سامنا ہو چکا تھا۔ پہلے اُس کے بال گہرے سیاہ تھے، اب ان میں کہیں کہیں سفیدی بھی جھلک رہی تھی۔

''محتاط رہنا جمیل۔'' انکا نے تیزی سے کہا۔ ''یہ کبھی ایس پی روی شنکر ہوا کرتا تھا، آج کل ڈی آئی جی ہے، کالی داس کے سلسلے میں بہت سارے سادہ لباس والے آس پاس موجود ہیں، ایک ایک کو نظروں میں کھنگال رہے ہیں۔''

''جناب کا شبھ نام دریافت کر سکتا ہوں؟'' روی شنکر نے مہذب لہجے میں دریافت کیا، نگاہوں کے تاثرات غمازی کر رہے تھے کہ وہ اپنی یادداشت کو کرید رہا ہے، اُس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' میں نے رُوکھے لہجے میں کہا۔ ''میں آپ کو نہیں جانتا۔''

''لیکن میں صرف.....'' اُس نے کچھ کہنا چاہا۔

''پلیز.....'' میں اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''میں بلاوجہ سرِ راہے عام لوگوں سے اس انداز میں بے تکلف ہونے کا عادی نہیں ہوں۔''

''نام بتانے میں کیا حرج ہے؟'' اُس نے دوبارہ اصرار کیا۔ انکا تیزی سے میرے سر سے اُتر گئی۔ اسی لمحے ایک اور سادہ لباس والا تیزی سے قدم اُٹھاتا قریب آیا۔ اُس نے مدھم لہجے میں روی شنکر سے کچھ کہا۔ بات یقیناً اہم ہوگی۔ روی شنکر اُس کے ساتھ چلا گیا، انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔

''روی شنکر تمہیں پہچان نہیں سکا۔ میں نے اُس کے ذہن کو بھٹکا دیا ہے۔''

میں قدم بڑھاتا باہر آ گیا۔ منیجر نے غلط نہیں کہا تھا، پرتھوی ایک لمبی جھلملاتی کار کے قریب کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس نے بڑی مستعدی سے آگے بڑھ کر پچھلا دروازہ کھول دیا۔

''کہاں چلنا ہے سر.....؟'' پرتھوی نے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے دریافت کیا۔

''یہاں سے مغرب کی جانب تقریباً نو دس میل کے فاصلے پر دُرگا دیوی کا ایک مندر ہے، میں وہیں جانا ہے۔''

پرتھوی نے اثبات میں سر کو جنبش دی، پھر بڑی پھرتی اور مہارت سے گاڑی کھلی سڑک پر لے آیا۔

''تم اس وقت دُرگا دیوی کے مندر کیوں جا رہے ہو.....؟'' انکا نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے.....؟''

''یہ مناسب نہیں ہوگا جمیل۔'' انکا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تم نہیں جانتے کہ کالی داس کس شہرت کا مالک تھا، عام آدمی کا معاملہ ہوتا تو ڈی آئی جی روی شنکر کبھی سامنے نہ آتا، کسی ماتحت کی ڈیوٹی لگا دیتا۔ اس وقت کالی داس کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل چکی ہے۔ بڑے بڑے سیٹھ اور ساہوکار، پولیس اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو فون کھڑکھڑا رہے ہیں، پنڈت پجاریوں نے پولیس ہیڈ آفس کے آس پاس جمع ہونا شروع کر دیا ہے، اُن میں اشتعال پھیل رہا ہے۔ بڑے پیمانے پر احتجاج کیا جائے

گا۔ جلسے جلوس نکالنے کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ پنڈت اوم پرکاش بھی جھلایا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں اگر تم نے.....''

''بوکھلایا ہوا آدمی بڑی آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔'' میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''تم کیا کرنا چاہتے ہو.....؟'' انکا کسمسانے لگی۔

''کالی داس کی آتما تنہا ہوگی انکارانی۔'' میں زہرخند سے بولا۔ ''تنہائی انسان کو ڈسنے لگتی ہے، ایک سے دو ہوں تو وقت آسانی سے گزر جاتا ہے۔''

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اوم پرکاش نے بھی مندر کے چاروں طرف حصار کھینچ رکھا ہے۔'' انکا نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔

''یہ بات تم نے اُس وقت بھی بتائی تھی جب بدری نرائن نے کالی کے مندر میں پناہ لے رکھی تھی لیکن میں ساری رُکاوٹیں توڑ کر وہاں گیا تھا۔'' میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''تمہیں تو میرے ماضی کی سطر سطر یاد ہوگی۔''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' انکا نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔''

''دوست ہو تو پھر دوستی نبھاؤ..... مجھے روکنے کی کوشش فضول ہوگی۔'' میرا جواب فیصلہ کن تھا۔

''کالی داس کے بعد پنڈت اوم پرکاش.....'' انکا نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''ہر طرف آگ بھڑک اُٹھے گی، ابھی پنڈت نول کشور نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے، اُس کی زبان پر تمہارا نام آ گیا تو پورے ہندوستان کی پولیس تمہارے پیچھے لگ جائے گی، طوفان اُٹھ کھڑے ہوں گے۔''

''خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو.....؟'' میری پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''ایسی جلی کٹی باتیں مت کرو جمیل۔'' انکا بے چینی سے پہلو بدل کر بولی۔ ''تم میری قوتوں سے ناواقف نہیں ہو، میں ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتی ہوں۔ لیکن جہاں پراسرار قوتوں کے ٹکراؤ کا معاملہ درپیش ہو وہاں مجھے کچھ پابندیوں کا بھی لحاظ کرنا پڑتا ہے۔''

''میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم کیا کر سکتی ہو، کیا نہیں میں یہ بھی جانتا ہوں۔ لیکن میرا فیصلہ اٹل ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم اگر خطرہ محسوس کر رہی ہو

تو میں تمہیں کسی بات کے لئے.....''

''اس کے آگے کچھ نہ کہنا.....'' انکا نے احتجاج کیا، پھر سنجیدگی سے بولی۔ ''اگر تم نے دل میں پنڈت اوم پرکاش کے کریا کرم کی ٹھان لی ہے تو پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن میرے مشوروں کو ٹھکرانا مت۔'' اُس کے آخری جملے میں عاجزی تھی، انکسار تھا۔

میں نے حامی بھر لی۔ انکا کو قرار آ گیا، وہ پھر کسی سوچ میں گم ہونے لگی۔ میں نے ٹوک کر نرمی سے پوچھا۔

''میں پہلی بار تمہیں پریشان دیکھ رہا ہوں، وہ کون سی طاقت ہے جو تمہارے راستے میں دیوار بن رہی ہے؟''

''وہ کوئی غیر معمولی طاقت ہی ہو سکتی ہے جسے دیوی دیوتاؤں کی حمایت بھی ضرور حاصل ہوگی۔ ایسا نہ ہوتا تو اشوک کے فرشتے بھی نہ مجھے دیکھ سکتے نہ میری آواز سن سکتے۔'' انکا نے بے بسی سے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں اس پراسرار قوت کا کھوج لگانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ جب بھی روشنی کی ایک کرن اُبھرتی ہے، گھپ اندھیرے لپک کر اسے اپنی اوٹ میں چھپا لیتے ہیں، پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔ یہ پنڈت اور پجاری میرے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، اگر خوفزدہ نہ ہوتے تو منڈل میں بیٹھ کر میرے سپنے دیکھنے کی بجائے سینہ ٹھونک کر سامنے آتے۔ لیکن آج تک ایسا کوئی مہاپرش جنم نہیں لے سکا۔''

''میرے بارے میں بھی کچھ کہہ ڈالو.....'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''تمہاری بات اور ہے جمیل۔'' وہ اُچھل کر میرے کندھے پر آ گئی، تو بہ شکن انگڑائی لے کر بولی۔ ''تمہاری محبت نے تو انکا کو بے دام غلام بنا لیا ہے۔ لیکن جب تم اُلجھ کر باتیں کرتے ہو تو ذرا اچھے نہیں لگتے۔''

ہمارے درمیان اسی پراسرار قوت کی بات ہوتی رہی جس نے اشوک اور انکا کے درمیان سے تمام پردے سرکا دیئے تھے، جس نے پجارن کجرا کو میرے سامنے لا کھڑا کیا تھا جبکہ انکا کا کہنا تھا کہ کجرا نے ہفتہ دس دن سے دُرگا دیوی کے مندر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ یہ باتیں غور طلب تھیں۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی بوٹی دے کر بکرا حاصل کرنے والا لمبا داؤ کھیل رہا ہو، مجھے اندھیرے میں رکھنے کی خاطر، خوش فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے دو چار پنڈت پجاریوں کی قربانی پیش کر کے مغرور کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ آدم خور شیر کو شکار

کرنے کی خاطر بھی بکروں اور بھیڑوں کو رسّی سے باندھ کر بطور چارا پیش کیا جاتا ہے، شکاری دُور چھپا بیٹھا رہتا ہے، موقع ملتے ہی گولی داغ دیتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی انسان کو بھی غلطیاں کرنے پر اُکساتی ہے، کوئی ایک ذرا سی بھول اُس کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ شاید وہ میرے ساتھ بھی کوئی ایسا ہی سانپ اور سیڑھی والا کھیل، کھیل رہے ہوں۔ ممکن ہے ماضی کے تلخ تجربوں نے اُنہیں ہوشیار کر دیا ہو، بازی مات کرنے کے لئے اُنہوں نے نئی چالیں سوچ رکھی ہوں۔ وہ بدری نرائن اور امر لال کا بھیانک اور عبرتناک انجام دیکھ چکے تھے۔ سابقہ تجربوں کی روشنی میں اُنہوں نے مجھے غلط فہمی کا شکار کرنے کی خاطر نئے جال بن لئے ہوں گے، اشوک اور کالی داس کی بھینٹ پیش کر لینے کے بعد وہ مجھے اور ڈھیل بھی دے سکتے تھے، کسی ایسے موقع کا انتظار کر رہے ہوں کہ جب وہ اچانک جال کی ڈور بھرپور انداز میں کھینچیں تو میں نکل نہ سکوں، اُن کے جال میں پھنس کر بے بس شکار کی طرح پھڑپھڑاتا رہ جاؤں۔ اور بھی بہت کچھ ممکن ہو سکتا تھا.....!!

پرتھوی، اسٹیئرنگ پر بیٹھا بڑی مستعدی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ نہ میں نے اُسے مخاطب کیا نہ اُس نے از خود بات کرنے کی کوشش کی، تجربہ کار اور کھیلا کھوا بندا نظر آتا تھا۔ معاً میرے ذہن میں ایک نکتہ تیزی سے اُبھرا..... پرتھوی ذات کا ہندو تھا، غلط راستے کے مسافر بھی مذہب اور دھرم کے معاملے میں سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ بہکے ہوئے شرابیوں کو بھی میں نے اکثر مندر اور مسجد کے سامنے سے گزرتے وقت ہاتھ جوڑ کر بندگی کرتے دیکھا ہے۔ دُرگا دیوی کے مندر کے بڑے پجاری پنڈت اوم پرکاش کی موت کا کھیل دیکھ کر پرتھوی بھی جذباتی ہو سکتا تھا۔

''پرتھوی.....'' میں نے کچھ سوچ کر اُسے ٹٹولنا شروع کیا۔ ''تاج کے منیجر اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ تم بڑے کارآمد اور قابل بھروسہ آدمی ہو.....''

''اپنی زبان سے ڈینگیں مارنا اور خود کو پھنے خان بتانا مردوں کی شان نہیں ہوتی سر۔'' پرتھوی نے سلجھے ہوئے معصوم انداز میں کہا۔ ''جو عین وقت پر بازی پلٹ دے وہی مہرہ سب سے کارآمد ہوتا ہے، کون کتنے پانی میں ہے، اس کا اندازہ اُسی وقت ہوتا ہے جب گوٹ پھنس جائے۔''

''تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں مسلمان ہو کر دُرگا دیوی کے مندر کس لئے جا رہا ہوں؟'' میں اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

''مجھے آپ کی سیوا کرنے کا حکم دیا گیا ہے سر۔ میں صرف اپنے کام سے کام رکھنے کا عادی ہوں۔''

''اور اگر کسی وقت مجھے تمہاری ضرورت پیش آ جائے تو.....؟''

''پرتھوی کو صرف اشارہ کر کے دُور کھڑے ہو جایئے گا، میں خود اپنا سرکاٹ کر آپ کے چرنوں میں رکھ دُوں گا۔'' اُس نے بڑے اعتماد اور اطمینان سے جواب دیا۔ انکا خاموش بیٹھی پرتھوی کو نگاہوں نگاہوں میں تولتی رہی۔ شاید وہ میرا مقصد بھانپ چکی تھی۔

''ایک پنڈت سے مجھے کچھ پرانا حساب بیباق کرنا ہے۔'' میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ میں اُسے.....''

''میں سمجھ گیا سر، آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔'' پرتھوی میری بات کاٹ کر بولا۔ ''ہم جیسے لوگوں کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا۔ جو سے پر کام آ جائے اُسی کو دیوتا سمجھ بیٹھتے ہیں، آپ مجھے پنڈت مہاراج کا نام بتا کر خود دُور رہیں، بڑی کرپا ہو گی سیوک پر..... آپ کے لین دین کا سارا معاملہ میں چکتا کر دُوں گا، آئندہ کے لئے آپ کو وشواس بھی ہو جائے گا۔''

''پکڑے گئے تو.....؟'' میں نے کہا۔ ''تھرڈ ڈگری اور پولیس کے ڈرائنگ رُوم ٹریٹمنٹ کے آگے بڑے بڑے نرم خان بھی چیں بول دیتے ہیں..... سارا کھایا پیا باہر آ جاتا ہے، زبان قینچی کی طرح فرفر چلنے لگتی ہے۔''

پرتھوی کے ہونٹوں پر پہلی بار مسکراہٹ اُبھری، بے پرواہی سے بولا۔ ''میں جب بھی پولیس کے نرغے میں پھنسا، ہمیشہ خم ٹھونک کر مقابلے پر جما رہا، کبھی اسٹپنی دکھا کر نامردوں کی طرح بھاگنے کی کوشش نہیں کی، آپ مجھ پر وشواس کریں سر۔ سرکاری مہمان خانے میں بھی دونوں وقت بڑی پابندی سے بھوجن پانی ملتا ہے۔ ڈپٹی صاحب کی کرپا سے سنتری بھی جھک جھک کر پرنام کرتے ہیں۔ سویٹ ڈش بھی ملتی رہتی ہے، آج تک کبھی کسی دشمن کے ساتھ دھوکا نہیں کیا، آپ تو مالک ہیں۔''

''یہ پرتھوی بڑے کام کا آدمی ہے جمیل۔'' انکا نے کہا۔ ''جتنا اُوپر نظر آ رہا ہے اس سے دوگنا نیچے بھی ہے، تم اس پر آنکھ بند کر کے اعتماد کر سکتے ہو، یہ مر جائے گا لیکن تمہارے

خلاف زبان نہیں کھولے گا۔ بڑا نڈر، بے خوف اور خطرناک آدمی ہے۔ تمہاری طرح یہ بھی خوبصورت لڑکیوں اور حسین عورتوں کا شیدائی ہے، اپنی اصطلاح میں اُنہیں سویٹ ڈش کہتا ہے۔''

دُرگا دیوی کے مندر کے گنبد کا کلس دُور سے نظر آنے لگا تو میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ انکا بھی سنجیدہ نظر آنے لگی۔ میں نے پرتھوی سے گاڑی سوگز دُور ہی روکنے کو کہا۔ اُس نے میرے حکم کی تعمیل میں ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں سے پورا مندر صاف دکھائی دے سکے۔ میں گاڑی سے اُترنے لگا تو اچانک مجھے اپنی ایک غلطی کا احساس بڑی شدت سے ہوا۔ میں تاج سے جلدی میں روانہ ہوتے وقت سیّد مجذوب کی لاٹھی اپنے کمرے میں ہی بھول آیا تھا۔ پرتھوی دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ میں گاڑی سے باہر آیا تو اُس نے دبی زبان میں پوچھا۔

''سیوک کے لئے کیا حکم ہے.....؟'' اُس کا لہجہ بے حد ٹھوس اور معنی خیز تھا۔

''تم گاڑی میں بیٹھ کر آرام کرو۔'' میں نے بھاری بھرکم لہجے میں جواب دیا۔ ''ضرورت ہوئی تو تمہیں پھر کبھی خدمت کا موقع دیں گے۔''

میں نے جواب کا انتظار کئے بغیر دُرگا دیوی کے مندر کی طرف قدم بڑھانے شروع کر دیئے۔ انکا کسمسانے لگی، میں اُس کی مجبوری سمجھ رہا تھا، مجھے اُس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جو قارئین میری داستان المناک پڑھ چکے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میں نے کلکتے میں بھی کالی کے سب سے بڑے مندر میں گھس کر اپنے جنون کا اظہار کیا تھا۔ کئی چھوٹے موٹے پنڈت اور پجاری میری وحشتوں کا شکار ہو گئے تھے۔

میں مندر سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر رُک گیا۔ میں نے کچھ چیزیں پڑھ کر خود پر دم کیا، اپنے گرد حصار باندھا پھر دوبارہ قدم بڑھانے لگا۔ دُرگا دیوی کا وہ مندر اس وقت باہر سے خالی نظر آ رہا تھا۔ اِکا دُکا لوگ آ جا رہے تھے، کچھ گاڑیاں اِدھر اُدھر پارک تھیں، یہ سب وہاں پوجا پاٹھ یا پھر اپنی کوئی منت پوری ہو جانے کے بعد چڑھاوا چڑھانے کے لئے آنے والوں کی تھیں۔ مندر جوں جوں قریب آتا گیا، میرے اندر کلدیپ کے انتقام کا جذبہ آگ پکڑتا گیا۔ میں نے قریب پہنچ کر مندر کی سیڑھیوں پر پہلا قدم رکھا تو انکا نے کہا۔

''جمیل، تم میری مجبوری جانتے ہو، میں مندر میں نہیں جا سکتی۔''

''تم باہر انتظار کرو انکارانی۔'' میں نے دبنگ لہجے میں کہا۔ ''میں جلدی واپس آنے کی

کوشش کروں گا۔"

"جو قدم بھی اُٹھانا محتاط ہو کر اُٹھانا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انکا رینگ کر سر سے اُتر گئی۔ میں نے سیڑھیاں چڑھنی شروع کر دیں۔ مندر میں آنے جانے والے پجاری اور پجارنیں مجھے غور سے دیکھنے لگے۔ وہ میرے حلیئے اور چال ڈھال سے میری ذات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے کسی کو اہمیت نہیں دی، سیڑھیاں عبور کر کے مندر میں داخل ہو گیا جہاں ایک وسیع و عریض چبوترہ نظر آ رہا تھا۔ میرے بائیں جانب دُرگا دیوی کا وہ بڑا دروازہ تھا جس میں داخل ہو کر لوگ دیوی کے درشن کرتے تھے۔ داہنی جانب خوبصورت لان تھا جہاں کئی پجاری بیٹھے رام نام جپ رہے تھے۔ لان اور مندر کی اندرونی عمارت کے درمیان سے ایک روش بل کھاتی ہوئی پچھلی سمت جاتی نظر آ رہی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اس طرف رہائشی کمرے اور مہمان خانے موجود ہو سکتے تھے۔ مندر خاصا بڑا تھا، وہاں کسی اجنبی کا کسی کو تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر روش کی طرف قدم اُٹھانے شروع کیے تو لان میں بیٹھے اکثر پجاری میری طرف متوجہ ہو گئے۔ شاید اُس حصے کی طرف جانے کی عام اجازت نہیں تھی۔ میں اُن کی نگاہیں پڑھ رہا تھا لیکن قدم اُٹھا کر پیچھے لوٹنا دانشمندی کے منافی تھا، اُن کا شک یقین میں بدل جاتا، میری پریشانیاں بڑھ جاتیں۔ پنڈت اوم پرکاش تک پہنچنے سے پہلے ہی میں دنگا فساد شروع کر دیتا تو وہاں موجود پجاری بھوکے بھیڑیوں کے طرح مجھ سے لپٹ جاتے، بھنبھوڑ ڈالنے کی خاطر کسی کوتاہی کا مظاہرہ نہ کرتے، میں اُن سے اُلجھ جاتا تو پنڈت اوم پرکاش کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ بھی لاحق تھا۔ میں ایسا کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔

میں نے اپنی رفتار قدرے مدھم کر دی، میرے ذہن میں مختلف خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے۔ انکا نے کہا تھا کہ اوم پرکاش نے مندر کے چاروں طرف حصار باندھ رکھا ہے، میں نے بھی خود کو محفوظ کر لیا تھا۔ دو مختلف قوتیں جب ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں تو دھماکا ضرور ہوتا ہے۔ دوسروں کو اس کی آواز سنائی نہیں دیتی لیکن متعلقہ افراد ضرور آگاہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن مجھے کوئی جھٹکا نہیں لگا نہ ہی کوئی ایسا احساس ہوا کہ میں کسی نادیدہ رُکاوٹ سے ٹکرا کر گزرا ہوں۔ چبوترا ختم ہو رہا تھا، روش قریب آ رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہا تھا کہ

اچانک دو ہٹے کٹے پجاری میرے دائیں بائیں سے نکل کر سامنے آ گئے۔ وہ اتنے دبے قدموں سے آئے تھے کہ مجھے اُن کی آہٹ بھی سنائی نہیں دی۔ دونوں کے سر گھٹے ہوئے تھے جن پر لمبی لمبی چٹیاں لہرا رہی تھیں..... وہ مجھے مشکوک نظروں سے گھور رہے تھے۔ اُن کا مجھے یوں نفرت بھری نظروں سے ٹکر ٹکر گھورنا خالی از علت نہیں تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کالی داس کی موت کی خبر نے اُنہیں محتاط رہنے پر مجبور کر دیا ہو، میں اُن کی بھیڑ میں اجنبی تھا۔ وہ مجھے صرف کھنگالنے کی خاطر آنکھیں لال پیلی کر رہے ہوں، میں نے اپنے قدم روک لئے۔

"منہ اُٹھائے کدھر بڑھتے جا رہے ہو مہاشے؟" ایک نے مجھے تلخ لہجے میں مخاطب کیا۔ اُس کی پیشانی پر داہنی جانب کسی گہرے زخم کا نشان موجود تھا۔ اپنے ساتھی کے مقابلے میں وہ زیادہ ٹیڑھی کھیر دکھائی دے رہا تھا۔

"مایا کی تلاش میں آیا ہوں پجاری مہاراج۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مایا کی تلاش؟" اُس نے مجھے یوں گھورا جیسے دیوانہ سمجھ رہا ہو۔ اکڑ کر بولا۔ "کیا بکتا ہے مورکھ؟ یہ دُرگا دیوی کا مندر ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے سادگی سے کام لیا۔ "مایا نے مجھے یہی کہا تھا کہ وہ دُرگا دیوی کے مندر میں ملے گی۔"

"تمہارا نام.....؟" دوسرے نے اکڑ کر سوال کیا۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو....." میں نے اُس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میں دھن دولت کی نہیں، اپنی استری کرن مایا کو کھوجنے آیا ہوں، ایک بالک کی آشا نے اُس کے جیون کی ساری خوشیاں چھین لی ہیں۔ بہت علاج کرائے، بڑے جتن کیے پرنتو اُس کی منو کامنا پوری نہیں ہوئی، کسی دیالو پجاری نے اُسے پنڈت اوم پرکاش مہاراج کے چرنوں میں ڈنڈوت کر کے اپنی بپتا سنانے کو کہا تھا۔ وہ یہیں کہیں ہوگی۔ تم مجھے مہاراج کا پتہ بتاؤ، ہو سکتا ہے وہ مجھے جانتے ہوں۔"

"مندر میں کبھی پہلے نہیں آئے؟" اوم پرکاش کا نام سن کر اُن کے لہجے میں تبدیلی آ گئی۔

"تم نے صحیح پہچانا پجاری مہاراج۔" میں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "دوسرے دھندوں سے کبھی اتنی فرصت نہیں ملی کہ دیوی درشن کو آتا۔ اب آ گیا ہوں تو آئندہ بھی آتا رہوں گا۔"

"مہاراج سے ملنا ہو تو اُترتے چندرما کے آخری منگل وار کو آنا۔" زخم کے نشان والے

نے خشک انداز میں کہا۔ ''مہاراج اُسی دن ملتے ہیں۔''

''مجھے نراش مت کرو۔'' میں نے ایک اور بہانہ تراشا۔ ''میں بمبئی کا باسی نہیں ہوں، کلکتہ سے آیا ہوں، کرن مایا کو لے کر واپس نہ گیا تو میری بنی بنائی عزت خاک میں مل جائے گی۔''

لان میں بیٹھے ہوئے پجاریوں کی نظریں بھی مجھ پر جمی تھیں۔ جن ہٹے کٹے پجاریوں نے میرا راستہ روکا تھا وہ کسی قیمت پر مجھے آگے بڑھنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھے، بات اُلجھتی جارہی تھی۔ میں نے کرن مایا کا نام لے کر اُنہیں اپنی فرضی مظلومیت کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اُن کے دو چار ساتھی اور آجاتے تو بات خراب ہوجاتی۔ میں نے دوسرا راستہ اختیار کرنے کی ٹھان کر ایک لمحے کو آنکھیں بند کرلیں۔ اپنی تمام تر قوتیں ایک مرکز پر جما دیں، وہ ایک نقطہ وہ ایک مقصد جہاں تک ارتکاز کے ذریعہ پہنچنے کا درس مجھے نندا اور کمپالا نے دیا تھا، اُسی ایک لمحے میں مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہوگیا، میری نگاہوں میں وہ برقی رو، وہ پراسرار قوتیں جمع ہوگئیں جو دوسرے پر عمل تنویم کرسکتی تھیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر دونوں کو باری باری تیز نظروں سے دیکھا، اُن کے کس بل نکلنے لگے۔ میرے ارتکاز کا کمال تھا کہ وہ پل بھر میں میری نظروں کے سحر کا شکار ہوگئے۔ میں نے لان پر بیٹھے ہوئے پجاریوں کی توجہ ہٹانے کی خاطر مسکرا کر زخمی پیشانی والے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ٹھوس مگر مدھم آواز میں کہا۔

''تمہارے من میں میرے لئے کوئی کھوٹ نہیں ہے، تم دونوں میرے پرانے مِتر ہو۔ مجھے پہلے سے جانتے ہو۔''

''ہاں مہاراج.....'' جواب میں اُس نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔ ''ہم تمہیں بہت عرصے سے جانتے ہیں۔ اس بار تم نے بہت دنوں بعد چکر لگایا، کہاں رہے اتنے دنوں.....؟'' اُس کی آواز میرے عمل کے مطابق اتنی اُونچی تھی کہ لان پر بیٹھے ہوئے پجاریوں تک پہنچ گئی۔ وہ اپنی باتوں میں مصروف ہوگئے۔

''تم مجھے پنڈت اوم پرکاش تک پہنچاؤ گے۔ لیکن اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کرو گے۔'' میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

''تم کہتے ہو تو نہیں کریں گے۔'' اُس نے بڑی فرمانبرداری سے جواب دیا، پھر اپنے

ساتھی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''جا شمبھو، تو مہاراج کو کٹی تک چھوڑ آ، میں باہر کا دھیان رکھتا ہوں۔''

میں نے اُس پجاری کا ہاتھ بے تکلفی سے تھام لیا جسے شمبھو کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ ہم دونوں روش سے گزر کر پچھلے حصے کی طرف آگئے۔ راستے میں کئی پجاری اور پجارنیں ملیں، وہ سب شمبھو سے رام رام کرتے رہے، میں آرام سے قدم اُٹھاتا رہا۔ مندر کے عقب میں بھی ایک لان تھا جس کے بیچ و بیچ سنگ مرمر کا خوبصورت فوارہ بنا ہوا تھا۔ فوارے کے احاطے کی منڈیر پر کئی پجارنیں ہیجان انگیز لباس پہنے بیٹھی نازک نازک ہاتھ بڑھا کر فوارے سے پھوار کی شکل میں نکلتے پانی سے اٹکھیلیاں کررہی تھیں، قہقہے لگارہی تھیں، ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھیں۔ میں نے دزدیدہ نظروں سے اُن حسیناؤں کے جھرمٹ میں پجارن کجرا کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئی۔ میں نے شمبھو کو کجرا کے سلسلے میں ٹٹولنے کا ارادہ کیا، پھر کچھ سوچ کر اس پر عمل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

مندر کے عقبی حصے کے لان کو عبور کرنے کے بعد ایک دوراہا نظر آیا۔ شمبھو بائیں جانب گھومنے کے بعد رُک گیا۔ سامنے ایک محراب نما دروازہ بنا تھا جس کے بعد وہ سیڑھیاں صاف نظر آرہی تھیں جو غالباً زمین دوز حصے کی طرف جاتی تھیں۔ میں کسی حیرت سے دوچار نہیں ہوا، بڑے مندروں میں راستوں کی بھول بھلیوں کا جال کچھ اسی طرح بنا جاتا ہے کہ عام آدمی اس میں بھٹک کر گم ہوجائے۔ مجھے اس کا تجربہ دو تین بار پہلے بھی ہوچکا تھا۔

''ان سیڑھیوں سے اُتر کر اُلٹے ہاتھ کو گھوم جانا۔'' شمبھو نے میری رہنمائی کی۔ ''دونوں طرف پجارنوں کے کمرے بنے ہوں گے، تم راستے کے ساتھ ساتھ آگے چلے جانا، جہاں راستہ بند ہوگا وہیں پنڈت اوم پرکاش مہاراج کا خاص سیوک تمہیں نظر آجائے گا، وہ تمہیں مہاراج تک پہنچا دے گا۔ پرنتو ایک بات کا دھیان رکھنا، مہاراج کے خاص سیوک سے زیادہ باتیں کرنے یا اُلجھنے کی حماقت بھول کر بھی نہ کرنا، وہ اندر جانے کی آگیا (اجازت) نہ دے تو اُلٹے قدموں واپس آجانا۔''

''میں تمہارا یہ ابکار کبھی نہ بھولوں گا۔'' میں نے شمبھو سے ہاتھ ملاتے وقت ایک بار پھر اُس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ وہ میرا ذکر کسی اور سے نہیں کرے گا۔ وہ اثبات میں گردن کو جنبش دیتا اُلٹے قدموں واپس چلا گیا۔

آس پاس کوئی نہیں تھا۔ میں نے قدم بڑھا کر نیچے اُترنے والی سیڑھیوں کو طے کرنا شروع کیا۔ راستے میں کوئی نہیں ملا، سیڑھیوں کے اختتام پر بھی دو راستے نظر آئے، شمبھو نے رہنمائی نہ کی ہوتی تو شاید میں بھٹک جاتا۔ میں اُس کے کہنے کے مطابق بائیں ہاتھ والے راستے پر آگے بڑھنے لگا۔ دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ کسی کمرے سے بھجن کی آواز اُبھر رہی تھیں، کہیں سے نسوانی قہقہوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں تیز تیز قدم بڑھا رہا تھا کہ اچانک ایک دروازہ کھلا، ایک پجارن اتنی تیزی سے قلانچیں بھرتی باہر نکلی کہ سنبھلتے سنبھلتے بھی مجھ سے ٹکرا گئی۔ میں نے اُس کا چہرہ دیکھا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ وہ کجرا کے سوا اور کوئی نہیں تھی.....!

''شما کرنا مہاراج.....'' اُس نے بڑی اجنبیت سے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''میں تمہیں دیکھ نہیں سکی تھی۔''

وہ کترا کر جانے کے لئے گھومی، میں نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی کلائی تھام لی۔ وہ پلٹ کر مجھے سوالیہ نظروں سے گھورنے لگی۔ میں اسے اداکاری نہیں کہہ سکتا۔ کجرا کی نگاہوں میں اُبھرنے والے تاثرات گواہی دے رہے تھے کہ اُسے میری جسارت گراں گزری تھی۔ مجھ سے پہلے ملی ہوتی تو اتنی کامیاب اداکاری کبھی نہ کرسکتی۔ اُس کی عمر میں ابھی وہ پختگی نہیں آئی تھی جو دوسروں کو غلط فہمی کا شکار کردیتی ہے، عورتوں کے سلسلے میں میرا تجربہ بھی کم نہیں تھا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ انکا نے بھی بڑے یقین سے کہا تھا کہ پجارن کجرا ہفتہ دس دن سے ایک پل کے لئے بھی مندر سے باہر نہیں نکلی۔ حقیقت کیا تھی؟ میں یہ جاننے کے لئے مضطرب ہوگیا۔

''تم نے داسی کا ہاتھ تھام کر اچھا نہیں کیا۔'' اُس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مہاراج کو خبر ہوگئی تو دونوں دیوی کے چرنوں پر بھینٹ چڑھا دیئے جائیں گے۔ چھوڑو میرا ہاتھ۔ اسی میں تمہاری مکتی ہے۔'' اُس نے ہاتھ جھٹک کر چھڑانا چاہا، میری گرفت اور سخت ہوگئی۔ خوف کے احساس سے اُس کا حسن اور نکھر گیا..... سینہ دھونکنی کی طرح حرکت کرنے لگا۔ وہ کسی ایسی ہرنی کی طرح غصے میں پیچ و تاب کھا رہی تھی جس کا پاؤں کلیلیں بھرتے ہوئے کسی آہنی شکنجے میں آگیا ہو۔

''تم کجرا ہو.....؟'' میں نے دبی آواز میں پوچھا۔

''نہیں.....'' وہ تلملا کر بولی۔ ''کس کجرا کی بات کررہے ہو.....؟''

''پجارن کجرا کی.....'' میں نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ ''اُس نے مجھ سے یہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اُس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہاں کجرا نام کی کوئی پجارن نہیں رہتی..... چھوڑو میرا ہاتھ۔''

''تمہارا کیا نام ہے.....؟'' میں نے اپنی قوتوں کو سمیٹ کر اُس کے وجود کے اندر جھانکا، وہ غلط بیانی سے کام نہیں لے رہی تھی۔ اُس کی شکل ہو بہو پجارن کجرا سے ملتی تھی۔ دونوں کو ساتھ کھڑا کیا جاتا تو شاید میری تجربہ کار نظریں بھی کوئی فرق نہ تلاش کرسکتیں، مگر وہ کجرا نہیں تھی۔

''تمہیں میرے نام سے کیا کام؟'' وہ اچانک شیرنی کی طرح بپھر کر بولی۔ ''چھوڑ دو میری کلائی۔ نہیں تو شور مچاؤں گی۔''

''شما کردینا سندری.....'' اُس کی شور مچانے والی دھمکی کارگر ثابت ہوئی، میں اس وقت پنڈت اوم پرکاش سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا لہٰذا معذرت طلب لہجے میں بولا۔ ''مجھ سے تمہیں پہچاننے میں بھول ہوگئی۔'' میں نے اُس کی کلائی چھوڑ دی۔

''دشٹ.....'' اُس نے کلائی مسلتے ہوئے اپنے غصے کا اظہار کیا، پھر تیزی سے پلٹ کر بھاگ گئی۔

میرے پاس وقت کم تھا، میں نے پجارن کجرا کے معاملے کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ میں پہلی فرصت میں پنڈت اوم پرکاش کو ٹھکانے لگا دینے کا خواہشمند تھا، کالی داس کے بعد اوم پرکاش کی موت کی خبر سن کر پنڈت نول کشور کو اندازہ ہو جاتا کہ اُس نے جمیل احمد خان کے خلاف محاذ بنا کر اپنی موت ہی کو دعوت دی ہے۔ ایک ہی دن میں دو بڑے پنڈتوں کی چتاؤں کو آگ لگائی جاتی تو اس کا دُھواں بھی زیادہ دُور تک پھیل جاتا، جو پجاری نول کشور کے جھنڈے تلے صف آراء ہو رہے تھے اُن میں کھلبلی مچ جاتی۔ محبت اور جنگ میں کسی حربے کا استعمال ناجائز نہیں سمجھا جاتا، دھرم کرم کے نام پر لوگ جذباتی ہو جاتے ہیں، لیکن وہ جنگ کی صورت حال سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ اُنہیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ موت کو سر پر منڈلاتا دیکھ کر بڑے بڑے سورماؤں کے پتّے پانی ہو جاتے ہیں، ایک بم

پھٹتا ہے۔ ان گنت افراد بڑ کی گیند کی طرح فضا میں اُچھلتے ہیں، ان کے جسم کے اعضاء دُور دُور تک بکھر جاتے ہیں، کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ جو جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں جاتے ہیں، وہ اپنے اپنے مورچوں میں آہنی چٹان کی طرح قدم جمائے رہتے ہیں، جو بزدل اور کمزور دل کے مالک ہوتے ہیں وہ ہتھیار چھوڑ کر بھاگ لیتے ہیں، اس طرح لڑنے والوں کی نفری کم ہوتی رہتی ہے، دشمن پر خوف و ہراس کے بادل منڈلانے لگتے ہیں۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ میرے دشمنوں کی صف میں انتشار پیدا ہو، مورچہ چھوڑنے والوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی پنڈت نول کشور کی پیشانی پر اتنی ہی زیادہ غور و فکر کی شکنیں اُبھریں گی، وہ جتنا غور کرے گا اتنا ہی اُلجھتا جائے گا، اُلجھن اور فکر انسان کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیتی ہے، وہ اندر سے کھوکھلا ہونے لگتا ہے، بدری نرائن کے سلسلے میں نرم پالیسی اختیار کر کے میں نے جو تلخ تجربے حاصل کئے تھے اب ان کی تلافی ضروری تھی۔ پنڈت نول کشور کے ذہن پر تابڑ توڑ کئی ضربیں لگتیں تو اُس کا ڈگمگا جانا یقینی تھا۔ ایک بار منصوبے ناکام ہو جائیں تو نئی راہیں تلاش کرنے میں تھوڑا وقت لگتا ہے، شطرنج کے عالمی ماہرین اور چیمپئن بھی ایک مہرہ پٹ جانے کے بعد کسمسانے لگتے ہیں، دوسری چال چلنے سے پیشتر نئے سرے سے بازی کا نقشہ جمانا پڑتا ہے۔

اشوک کو سامنے لا کر میرے دشمنوں نے اعلانِ جنگ کر دیا تھا، وہ کسی پیادے کی طرح بلاوجہ پٹ گیا۔ اب میری باری تھی، میں اُنہیں سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ کجرا پجارن کون تھی؟ میں نہیں جانتا تھا لیکن اُس نے سامنے آ کر میرے لئے ایک آسان محاذ کھول دیا تھا، وہ نہ آتی تو مجھے اپنے بغل میں چھپے ہوئے کالی داس کا شبہ بھی نہ ہوتا۔ میں نے کالی داس کو موت کے گھاٹ اُتار کر اُنہیں باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میں اُن کی گھٹیا چالوں سے بے خبر نہیں ہوں، میرے جسم پر دو نہیں، کئی آنکھیں ہیں جو چاروں طرف دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، اس کا دوسرا ثبوت پنڈت اوم پرکاش کی موت ہوتی۔ اُنہیں اندازہ ہو جاتا کہ میں مچان پر بیٹھ کر شکار کھیلنے کا عادی نہیں ہوں۔ شیر کی کچھار میں گھس کر بھی گولی چلانے سے دریغ نہیں کرتا۔ مجھے یقین تھا کہ اوم پرکاش کی موت کی اطلاع اُن کے ذہنوں پر بجلی بن کر ٹوٹے گی، ایک لمحے کو اُن کے ذہن معطل ہو جائیں گے۔ دھرم کرم کا پرچار کرنے والوں کی جدائی اُنہیں کمزور کر دے گی، اُن کے کریا کم کی خبر جنگل کی آگ کی طرح

پھیلے گی، بہتوں کو سانپ سونگھ جائیں گے۔ وہ میرے مقابلے پر آنے کی جرأت نہیں کریں گے، اپنی اپنی پناہ گاہوں میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔ میں ان پر یکے بعد دیگرے چڑھ کے لگاتا رہوں گا.....!

میرے ذہن میں گرم آندھی کے تیز جھکڑ چل رہے تھے، میں نے رفتار تیز کر دی۔ شمبھو نے میری غلط رہنمائی نہیں کی تھی، راستہ آگے جا کر ختم ہو گیا تھا، سامنے ایک لکڑی کا مرصع دروازہ نظر آ رہا تھا جس پر دیوی اور دیوتاؤں کی اشکال بھی بڑی مہارت اور چابکدستی سے اُبھاری گئی تھیں۔ دروازے پر ایک دیو قامت پجاری کھڑا مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس جیسے تن و توش کا پجاری میری نظروں سے پہلے کبھی نہیں گزرا۔ مجھے شمبھو کی بات یاد آئی، اُس نے مجھے نصیحت کی تھی کہ اگر پجاری مجھے اندر جانے کی اجازت نہ دے تو میں اُلٹے قدموں واپس لوٹ آؤں۔ میں لوٹ جانے کے لئے وہاں نہیں پہنچا تھا، میرا ارادہ اٹل تھا، اس میں ترمیم کی کوئی گنجائش یا لچک نہیں تھی۔ البتہ مجھے اپنی ایک غلطی کا احساس ضرور ہو رہا تھا، میں نے راہداری میں ملنے والی پجارن کو چھوڑ کر کسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ وہ مجھے ''دشٹ'' کے خطاب سے نواز کر لچکتی بل کھاتی چلی گئی، بڑے غصے میں تھی۔ ممکن ہے اُس نے اُوپر جا کر اپنی کسی سہیلی سے بھی ذکر کیا ہو، بات سے بات نکل کر پھیل چکی ہو، ہوسکتا ہے کسی پجارن نے مندر کے بڑے کرتا دھرتا تک پہنچا دی ہو، وہ حرکت میں آ چکے ہوں یا آنے والے ہوں..... دیو قامت پجاری مجھے پلکیں جھپکائے بغیر گھور رہا تھا میں نے پل بھر میں ارتکاز اور مراقبے کی ایک مشق کی، پھر ٹھوس لہجے میں بولا۔

''مجھے پنڈت اوم پرکاش جی سے ملاقات کرنی ہے۔''

''تمہارا نام.....؟'' اس نے کھردرے لہجے میں سوال کیا۔

''دولت رام.....'' میں نے دولت علی کی مناسبت سے دولت رام کہہ دیا۔

''کہاں سے آئے ہو؟'' پجاری نے اپنا شبہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''ادھر کے نہیں معلوم ہوتے، میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔''

''میرے پاس سمے کم ہے۔'' میں نے اپنی اہمیت کا اندازہ دلانے کی خاطر اُس کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔ ''مجھے مہاراج سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' اُس نے میری بات سے مرعوب ہوئے بغیر

سرد لہجے میں کہا۔

''مہاراج سے جا کر میرا نام بتا دو، اُنہوں نے درشن دینے سے انکار کیا تو میں واپس لوٹ جاؤں گا۔'' میں نے کچھ سوچ کر محتاط انداز میں جواب دیا۔

''مہاراج نے انکار کر دیا تو ضروری بات کا کیا بنے گا.....؟'' اُس کے لہجے میں شکوک وشبہات کلبلانے لگے، آنکھوں میں نظر آنے والی سرخی کا رنگ کچھ اور گہرا ہو گیا۔ میں نے ضبط سے کام لیا۔

''کرنا کیا ہے، جس نے سندیس بھیجا اُسے جا کر بتا دُوں گا کہ مہاراج تک پہنچ نہیں ہو سکی۔''

''تمہیں نیچے تک کون لایا تھا.....؟'' اُس نے توقف سے دریافت کیا۔

''شمبھو.....'' میں نے جواب دینے میں عجلت سے کام لیا۔

''اُس نے میرے بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا؟'' پجاری کے لہجے میں تکبر اُتر آیا۔

''کیول اتنا کہا تھا کہ اگر تم مہاراج تک جانے کی آگیا نہ دو تو میں پگ موڑ کر واپس چلا جاؤں۔''

''تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے؟'' اس بار پجاری نے نفرت بھرے انداز میں کہا۔ ''کیا میں تمہیں مہاراج تک جانے دُوں گا؟''

''تمہارے من کا حال میں کیسے جان سکتا ہوں؟'' میں نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔

''لیکن میں تمہارے من کا بھید جان چکا ہوں۔'' وہ زہر خند سے بولا۔ ''تم کون ہو؟ ..... کہاں سے آئے ہو؟ مہاراج تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اتنے بیاکل کیوں نظر آ رہے ہو.....؟''

''یہ جھوٹ کہہ رہا ہے، تمہیں بے نقاب کرنے کے کارن بے پر کی چھوڑ رہا ہے، اس کی باتوں میں مت آ جانا۔'' ایک نسوانی آواز میرے ذہن میں گونجی۔ میں نے وہ آواز پہلے نہیں سنی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھی میری رہنمائی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر کیوں؟ وہ مجھے کیسے جانتی تھی؟ ایک پجاری کے مقابلے میں میری حمایت کا کیا مقصد تھا؟

میرے ذہن میں وسوسے جاگ رہے تھے جب وہی آواز دوبارہ اُبھری۔ اس بار میں

نے پہچان لیا، وہ میری کلدیپ کی آواز تھی..... میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

''سے گزر گیا تو پچھتاووں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔''

''کلدیپ، میری زندگی، میری جان، تم.....''

''باتوں میں سے برباد مت کرو جمیل، میری آتما پر جو پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں، میں اُنہیں نہیں توڑ سکتی۔ تم مہاراج پریتم لال کو کیوں بھول رہے ہو؟ اُن کا شبھ نام کیوں نہیں لیتے.....؟'' کلدیپ کی آواز میں تڑپ تھی، اُس کی رُوح کے کرب کا اندازہ کر کے میں بھی تڑپ اُٹھا۔ اُس غریب نے میری خاطر پوری جوانی سنسان اور ویران پہاڑیوں میں بتا دی، اُس کی موت بڑی دردناک تھی، اب مرنے کے بعد اُس کی بے چین رُوح بھی مجھے راستہ دکھا رہی تھی۔

''کلدیپ.....'' میں دل ہی دل میں چیخ اُٹھا۔ ''تمہارے بنا زندگی بھی موت سے کم اذیتناک نہیں ہے، میرا گلا گھونٹ دو، مار ڈالو مجھے، اپنے ساتھ لے چلو، اب زندگی کی کوئی تمنا نہیں رہی۔''

ہوا کا ایک جھونکا میرے چہرے سے ٹکرا کر گزرا تو میں ہوش میں آ گیا۔ میں اس علامت کو بھانپ گیا کلدیپ کی رُوح مجھے ایک اشارہ دے کر رخصت ہو گئی تھی، ہٹا کٹا پجاری مجھے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا، میری خاموشی نے اُس کے شبہے کو اور ہوا دے دی۔

''کہاں گم ہو گئے بھولے رام.....'' اُس نے حقارت سے کہا۔ ''تم یہاں زندہ سلامت آ تو گئے ہو، واپس کیسے جاؤ گے؟''

میں نے کلدیپ کی آتما کے اشارے پر پریتم لال کے تصور کو ذہن میں اُجاگر کر کے کہا۔

''مہاراج، اس سے مجھے تمہاری سہائتا کی ضرورت ہے، تمہاری مہان شکتی اپرم پار ہے، اس ہٹے کٹے پجاری کو میرے راستے سے ہٹا دو۔''

''مورکھ، یہ دُرگا دیوی کا پوتر استھان ہے۔'' پجاری نے مجھے کرخت لہجے میں للکارا۔

''یہاں کیول دیوی کا راج ہے، تیرے من میں کھوٹ نہ ہوتا تو اس طرح ہونٹ بند کئے نہ کھڑا رہتا۔ میں مہاراج کا سیوک ہوں، میں تجھے بتاؤں گا کہ کتنے بیسی کے ساٹھ ہوتے ہیں۔ تیرا انت بھیانک ہو گا، میں سمجھ گیا پاپی، تو اندر سے وہ نہیں جو اُوپر سے نظر آ رہا ہے۔ ٹھہر جا، میں ابھی تجھے مزہ چکھاتا ہوں۔''

پجاری کے ہاتھ فضا میں بلند ہوئے، میں نے بھی تیور بدل کر اُسے گھورا۔ پینترا بدل کر حملہ کرنے کی ٹھان لی، لیکن دوسرے ہی لمحے میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا، پریتم لال کی آتما نے میری آواز سن لی تھی۔ پجاری کے تیور یکلخت بدل گئے، اُس نے ہاتھ نیچے گرا لئے، بڑی عاجزی سے بولا۔

''مجھے شما کر دینا مہاراج، میری آنکھیں تمہیں پہچاننے میں دھوکا کھا گئیں، مجھ سے بڑی بھول ہوگئی۔''

وہ ہاتھ باندھ کر راستے سے ہٹ گیا۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ایک دراز قد پجاری مرگ چھالے پر بیٹھا صندل کی لکڑی کی مالا جپ رہا تھا، مجھے دیکھ کر اُس کی اُنگلیاں تھم گئیں، اُس کے چہرے پر سکون ہی سکون نظر آ رہا تھا، مجھے دیکھ کر اُس نے مالا ایک طرف رکھ دی، مرگ چھالے سے اُٹھ کر قالین پر آ گیا۔ اُس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی تھیں۔

''بیٹھ جاؤ....'' اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''کہو، کیسے آنا ہوا....؟ کس نے بھیجا ہے....؟ میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔''

''میرے بڑے بھاگیہ مہاراج کہ تمہارے درشن ہو گئے۔'' میں نے دل ہی دل میں مسکرا کر کہا۔ ''میں نراش ہو کر واپس چلا جاتا تو ایک کانٹا من میں کھٹکتا رہتا۔''

''بیاکل نظر آتے ہو.....؟''

''پہلے تھا، اب نہیں ہوں، تم جو مل گئے۔'' میرا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ اوم پرکاش نے مجھے اس بار بڑی توجہ سے دیکھا، پھر کسمسا کر بولا۔

''تم نے ابھی تک اپنا پرچے (تعارف) نہیں کرایا۔''

مجھے حیرت تھی کہ رام پرکاش میری اصلیت نہیں جان سکا، اگر جان چکا تھا تو اس قدر مطمئن کیوں دکھائی دے رہا تھا؟ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم تو دُرگا دیوی کے مندر کے بڑے رکھوالے ہو، میرا خیال تھا کہ تم مجھے پہلی ہی نظر میں پہچان لو گے، مجھے اپنا تعارف نہیں کرانا پڑے گا۔ لیکن اگر تم میری زبان سے میرا نام جاننا چاہتے ہو تو سنو، میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ یہ بھی جان لو، کہ کالی داس کے بعد اب دوسرا نمبر تمہارا ہے۔'' میں نے اُسے حقارت سے گھورا۔ ''کوئی آخری خواہش ہو تو کہہ ڈالو، دوبارہ موقع نہیں ملے گا۔''

پنڈت اوم پرکاش میرا نام سن کر آنکھیں پٹپٹانے لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں

اتنی آسانی سے دندناتا ہوا اُس کے کمرۂ خاص تک پہنچ جاؤں گا۔ ایک لمحے تک وہ خاموش رہا، پھر حیرت انگیز پھرتی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی آنکھوں میں شعلے مچلنے لگے، بڑے سرد لہجے میں بولا۔ ''پاپی، دیوی دیوتاؤں اور پنڈت کے پجاریوں سے زیادہ چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں ہوتی۔ میں جانتا ہوں کہ کس کی شکتی نے تجھے اتنا نڈر اور بے خوف بنا دیا ہے، اسی مہان شکتی کے کارن تو ابھی تک اس دھرتی پر سانس لے رہا ہے۔ میرا کہا مان، دُم دبا کر اُلٹے قدموں واپس لوٹ جا، اسی میں تیری مکتی ہے۔''

''مجھے تمہاری یہ باتیں سن کر کوئی تعجب نہیں ہو رہا۔'' میں نے زہر خند سے کہا۔ ''اپنی گلی میں کتا بھی شیر ہوتا ہے۔''

''تو.....تو پنڈت اوم پرکاش کا اپمان کر رہا ہے۔'' وہ غصے سے لرزنے لگا۔ اُس کے تیور خطرناک ہو گئے، کسی زہریلے سانپ کی طرح بل کھا کر بولا۔ ''میری خاموشی کو میری کمزوری نہ سمجھ مورکھ، میں اس پوتر استھان کو تیرے گندے خون سے پلید نہیں کرنا چاہتا۔ یہ بھی جان لے کہ میں دُرگا دیوی کی شرن میں ہوں، تو دُرگا کی شکتی سے زیادہ مہان نہیں ہو سکتا..... چلا جا، میں کہتا ہوں میری نظروں سے دُور ہو جا.....'' وہ چیخنے چلانے لگا، منہ سے جھاگ اُڑانے لگا۔ ''میرا ہاتھ اُٹھ گیا تو بھاگنے کا راستہ نہیں ملے گا۔''

''امر لال نے بھی ایسے ہی دعوے کئے تھے، نتیجہ کیا نکلا؟ میری کلدیپ نے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مندر کی سیڑھیوں پر بکھیر دیا۔ بدری نرائن کو میں نے لتھاڑ لتھاڑ کر خارش زدہ کتوں کی موت مارا، تمہارا انجام بھی بھیانک ہوگا۔''

میں نے اچانک فضا میں اُچھل کر بھرپور ٹھوکر اُس کے ننگے پیٹ پر ماری۔ وہ لڑکھڑا کر گرتے گرتے سنبھل گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا، اُس نے ہاتھ اُٹھا کر زور سے جھٹکا..... بھڑکتے ہوئے شعلے میری طرف لپکنے لگے۔ میں نے پھرتی سے فرش پر لیٹ کر پیروں کی قینچی بنائی، اوم پرکاش نے بچنا چاہا لیکن اُسے کامیابی نہیں ہوئی، میں نے اُس کے قدموں کے درمیان قینچی پھنسا کر قلابازی کھائی تو وہ بھی منہ کے بل زمین پر گرا۔ میں نے مرگ چھالا کے قریب رکھی ہوئی پیتل کی وزنی لٹیا اُٹھا کر اُس کے سر پر دے ماری، وہ بلبلانے لگا۔ میں نے سنبھل کر دوسری ضرب زیادہ شدت سے لگائی، اُس کے سر سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ میں نے لٹیا ایک طرف پھینک کر اُسے دبوچنے کی کوشش کی لیکن وہ تڑپ کر

میری گرفت سے نکل گیا۔ بڑا سخت جان وقع ہوا تھا، دست بدست جنگ میں ایک لمحے کی مہلت بھی ایک حریف کو دوسرے پر حاوی کر دیتی ہے۔ اوم پرکاش میری گرفت سے آزاد ہوا تو اُسے جوابی کارروائی کا موقع مل گیا۔ اُس نے کوئی جنتر پڑھ کر پھونک ماری، میرے سارے جسم میں سوئیاں چبھنے لگیں۔ میں نے سنبھلنا چاہا، اُس نے موقع نہیں دیا، دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے اُنگلیاں جھٹکنے لگا۔ میرے جسم پر دہکتے ہوئے انگاروں کی بارش شروع ہو گئی، میں کرب سے چیخ اُٹھا۔ اوم پرکاش کا بھیانک قہقہہ میری قوتِ سماعت سے ٹکرایا۔

''بڑے پر نکل آئے تھے تیرے، بڑا گھمنڈی ہو گیا تھا.....'' اُس نے حقارت سے کہا۔

''اُونچے سُروں میں بول رہا تھا۔ دو ہی جھٹکوں میں چیں بول گیا پاپی، نکل گئی ساری اکڑفوں۔''

میرے اُوپر آگ برس رہی تھی، جسم پر آبلے نمودار ہونے لگے، میں نے ہمت نہیں ہاری۔ زندگی کی آرزو ہوتی تو شاید میں کمزور پڑ جاتا، لیکن میں سر ہتھیلی پر رکھ کر آیا تھا، میں نے ڈوبتے ہوئے ذہن پر قابو پا کر نندا کے بتائے ہوئے ایک عمل کو آزمایا، اوم پرکاش کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا، اُس کے جنتر منتر کے بیر میرے اُوپر آگ برسا رہے تھے لیکن اب وہ انگارے میرے جسم کو نہیں چھو رہے تھے، میرے بدن کے قریب آ کر اِدھر اُدھر بکھر جاتے تھے۔

''آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہا ہے حرام کے تخم.....'' میں نے اوم پرکاش کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کی خاطر للکار کر کہا۔ ''تیرے پاس دُرگا کی شکتی ہے، اسے بھی اپنی مدد کے لئے بلا لے۔ جو منتر باقی رہ گئے ہوں وہ بھی آزما لے، سارے کھیل تماشے کر لے، پھر میں تیری کھاٹ کھڑی کروں گا۔''

اوم پرکاش میری گالی برداشت نہ کر سکا، پاگل ہو گیا۔ پینترے بدل بدل کر اپنے جنتر منتر آزمانے لگا۔ میں نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی، اپنی جگہ اطمینان سے لیٹا رہا، اوم پرکاش نے شروع میں کہا تھا کہ وہ اُس شکتی سے واقف ہے جو میری پشت پناہی کر رہی ہے، اُس کا اشارہ پریتم لال کی طرف تھا، نندا کی بخشی ہوئی قوتیں اُس کے علم میں نہیں تھیں۔ میں اپنے گرد حصار باندھ چکا تھا، اس حصار سے باہر نکلنے کی حماقت کرتا تو مارا جاتا۔ دوسری طرف اوم پرکاش دیوانگی کی کیفیت سے دوچار تھا، وہ یکے بعد دیگرے مجھے تہس نہس کر ڈالنے کی حسرت دل میں لئے اپنی جھولی کے جنتر منتر خرچ کر رہا تھا۔ کبھی میرے

چاروں طرف زمین سے زہریلے سانپ بلبلاتے ہوئے نکل آتے، مجھے ڈسنے کی خاطر بار بار پھن کاڑھ کر حملہ آور ہوتے مگر حصار سے ٹکرا کر واپس لوٹ جاتے، کبھی چھت سے اُبلتا ہوا پانی برسنے لگتا، در و دیوار ٹوٹ کر میرے اُوپر گرتے نظر آتے۔ وہ بھانپ گیا تھا کہ میں نے منڈل کھینچ رکھا ہے۔ اس منڈل کو توڑنے کی خاطر وہ زور لگاتا رہا۔ پھر اُس نے کچھ سوچ کر ہاتھ روک لئے، گرج کر بولا۔

''حرامزادے، منڈل میں چھپ کر جان بچا رہا ہے۔ مرد ہے تو باہر نکل کر مقابلہ کر۔ کب تک اپاہجوں کی طرح پڑا رہے گا؟''

''تو نے بھی مندر کے چاروں طرف حصار قائم کر رکھا تھا۔'' میں نے اُسے غصہ دلانے کی خاطر کہا۔ ''خود ہیجڑوں کی طرح اندر چھپا بیٹھا رہا، میں نے تیرے منڈل کو توڑ دیا، تیرے سارے دیوی دیوتا مل کر بھی میرا راستہ نہیں روک سکے۔ میں سب کی نظروں میں دُھول جھونک کر تجھ تک پہنچ گیا۔ اب تو بھی اپنی شکتی آزما لے.....نظفہ ناتحقیق۔''

اوم پرکاش نے تلملا کر پاؤں زمین پر مارے، زلزلہ آ گیا۔ چھت ٹوٹ کر میرے اُوپر گرنے لگی۔ زمین پھٹ گئی، ہر طرف سے چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو دھوکا کھا جاتا، میں کلدیپ اور امر لال کے درمیان ہونے والی خوفناک جنگ دیکھ چکا تھا۔ امر لال کو کالی کی حمایت حاصل تھی لیکن وہ کلدیپ کے عزم کے سامنے زیادہ دیر قدم نہ جما سکا، مجھے وہ وقت یاد آیا جب بدری نرائن نے مجھے کلدیپ تک پہنچنے سے روکنے کے لئے میسور کی پہاڑیوں پر پنڈت پجاریوں کی ٹولی بٹھا دی تھی، وشنو داس اُن کی کمان کر رہا تھا، وہ تعداد میں بے شمار تھے، میں تنہا تھا۔ اُن کے روکے بھی نہیں رُکا، انکا میری رہنمائی کرتی رہی، میں اپنی قوتوں کے بل پر سب کا قلع قمع کرتا ہوا کلدیپ تک پہنچ گیا..... وہ بغلیں جھانکتے رہ گئے۔ اُن کی ترکش کا کوئی تیر کارگر ثابت نہ ہوا۔ اب اوم پرکاش اکیلے چنے کی طرح بھاڑ پھوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میری زبان سے پنڈت پجاریوں اور دیوی دیوتاؤں کے بارے میں نازیبا الفاظ سن کر اوم پرکاش پھر آپے سے باہر ہونے لگا۔ اُس نے اپنا انگوٹھا زخمی کر کے خون کے قطرے میری سمت اُچھالے، میری نظروں کے سامنے اندھیرا پھیل گیا۔ میں نے ارتکاز کا عمل کیا تو تاریکی کے بادل چھٹنے لگے۔ میں نے مسکرا کر اوم پرکاش کو دیکھا تو وہ بے قابو ہو کر میری

طرف بڑھا، غصے اور جھلاہٹ کی انتہا انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ اوم پرکاش بھی غیض و غضب کے عالم میں یہ بھول گیا کہ میں نے حصار کھینچ رکھا ہے۔ اُس نے قریب آ کر مجھے ٹھوکر مارنے کی حماقت کی، وہی ایک لمحے مجھے درکار تھا۔ حصار سے ٹکرا کر وہ لڑکھڑایا تو میں نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا، مرگ چھالے پر اوندھے منہ گرا۔ میں نے جھپٹ کر اُسے دبوچ لیا۔ اُس کے گلے پر میری اُنگلیوں کا شکنجہ اتنی تیزی سے تنگ ہونا شروع ہوا کہ اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا۔ کچھ دیر میرے بوجھ تلے دبا پھڑپھڑاتا رہا، پھر اُس کا جسم اکڑنے لگا، اُس کی آتما اور شریر کا بندھن ٹوٹ رہا تھا جب مندر کی گھنٹیوں کی آواز کا شور میرے کانوں میں گونجنے لگا۔ شاید اُوپر والوں کو بھنک مل گئی تھی کہ نیچے کیا ہو رہا ہے؟ وہ گھنٹیاں بجا کر خطرے کا اعلان کر رہے تھے۔ میں اوم پرکاش کے اکڑتے ہوئے جسم کو نفرت سے ٹھوکر مار کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ باہر نکلنے کے ارادے سے دروازے کی سمت لپکا لیکن دروازہ ایک جھٹکے سے بند ہو گیا..... میں چوہے دان میں پھنس کر رہ گیا۔ وہ میرے لئے فرار کے تمام راستے مسدود کر رہے تھے۔ شاید وہ میری طاقت سے ناواقف تھے۔ میں نے نندا کے خون سے نہا کر جو قوتیں حاصل کی تھیں اُن کے سامنے لوہے کی دیوار بھی ہیچ تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا، وہ ایک ہی جھٹکے میں ٹوٹ کر دُور جا پڑا۔

''رُک جاؤ جمیل احمد خاں.....'' ایک نسوانی آواز کی گھن گرج در و دیوار سے پھوٹتی ہوئی میرے کانوں میں گونجی۔ ''آج تم نے دُرگا کی مہان شکتی کو للکارنے کی بھول کی ہے، آج دھرتی کی ساری قوتیں مل کر بھی تمہیں نہیں بچا سکیں گی، تمہارے اُچھل کود کرنے کا سمے سماپت ہو گیا، آج کلدیپ کی بھگتی تمہارے کسی کام نہیں آئے گی، پریتم لال کی آتما بھی تمہاری سہائتا کرنے کی بھول نہیں کرے گی، تمہارا انت بھیانک ہوگا۔ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ.....''

میں نے اُس آواز کو کوئی اہمیت نہیں دی، اس قسم کی گیدڑ بھبکیاں میرا راستہ نہیں روک سکتی تھیں، وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے میں نے وہاں سے جلد از جلد نکل بھاگنے کی سوچی۔ مجھے اپنی طاقت پر اعتماد تھا، پنڈت پجاری میرا راستہ نہیں روک سکتے تھے، دس بارہ مارے جاتے، باقی جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ میں نے قدم بڑھانے کی کوشش کی

لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی، زمین نے جیسے میرے قدم جکڑ لئے تھے، کسی غیر مرئی طاقت نے مجھے پوری طرح اپنے شکنجوں میں دبوچ رکھا تھا..... میں نے ایک ایک کر کے ساری قوتوں کو آزمایا لیکن کسی میں کامیابی نہیں ہوئی۔ شاید اُس نسوانی آواز نے غلط نہیں کہا تھا، میرا وقت پورا ہو چکا تھا..... وقت پورا ہو جائے تو ساری مدافعتی قوتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، بے بسی مقدر بن جاتی ہے، ایک آخری سانس باقی رہ جاتی ہے جس کے خارج ہونے کے بعد جسم اور رُوح کا تعلق بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اچانک مجھے اپنے اطراف اندھیرا پھیلتا محسوس ہوا۔ میں نے دیکھا، دُھوئیں کے بادل چاروں طرف سے نمودار ہو کر میری جانب یلغار کر رہے تھے، میں ابھی زندہ تھا، سانس کا تسلسل قائم تھا، میں دیکھ سکتا تھا، سن سکتا تھا مگر اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا تھا۔ کثیف دُھوئیں کا حجم میرے گرد بڑھتا جا رہا تھا۔ میرا دم گھٹنے لگا، سانس لینا دُشوار ہو گیا..... میں نے آنکھیں بند کر لیں، اپنی آنکھوں سے اپنی موت کا تماشہ کون دیکھتا ہے.....؟

زندگی کے ایوان میں میرے وجود کے ستون ڈگمگانے لگے۔ کھیل ختم ہونے کا وقت تیزی سے قریب آ رہا تھا جب مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرا بازو مضبوطی سے تھام لیا ہو..... مجھے ہنسی آ گئی، موت کا تصور شدت اختیار کر جائے تو اس قسم کے واہمے سنبھالا دینے کی خاطر ڈوبتے ذہن کے گھپ اندھیروں میں بجھتے ہوئے دیے کی لو کی مانند ٹمٹمانے لگتے ہیں۔ میں بھی کسی حسین فریب کا شکار ہو رہا تھا، ایسا لگا جیسے میرے قدم زمین چھوڑ کر فضا میں بلند ہو رہے ہیں۔ شاید رُوح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی، میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولنا چاہیں لیکن کامیاب نہ ہو سکا، میرے احساسات بڑی سرعت سے منجمد ہو رہے تھے۔ میں ہر احساس سے بے نیاز ہو کر کسی بحرِ ذخار میں ڈوبتا چلا گیا۔

وقت کی رفتار تھم گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں زندہ تھا یا مر گیا۔ مرنے کے بعد لمحوں کا شمار کون کرتا ہے؟ بیہوشی کی کیفیت میں بھی سود و زیاں کا خیال نہیں رکھا جا سکتا۔ مجھے مطلق یاد نہیں کہ میرے اوپر کیا گزری؟ بس اتنا یاد ہے کہ میرے ذہن پر جمی برف آہستہ آہستہ پگھلنی شروع ہو چکی تھی، مجھے کہیں دُور سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، کوئی میرے سر پر نشتر چبھا رہا تھا۔ میرے حواس آہستہ آہستہ بحال ہو رہے تھے۔ میں جہاں بھی تھا کھلے آسمان کے نیچے تھا۔ میں نے اپنی یادداشت کو کریدنا شروع کیا، گزری

باتیں ذہن میں تازہ ہوئیں تو میں کراہتا ہوا اُٹھ بیٹھا، آنکھیں پھاڑ کر اپنے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کوئی لق ودق میدان تھا جہاں میں گیلی زمین پر پڑا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی۔ میں اُٹھنے لگا تو انکا کی آواز سنائی دی۔

''لیٹے رہو..... تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

میں نے سر پر نظر ڈالی، انکا کسی بیوہ کی طرح بڑی اُجڑی اُجڑی اور اُداس نظر آ رہی تھی۔

''میں کہاں ہوں؟'' میں نے مدھم لہجے میں سوال کیا۔

''پونا کے ریس کورس میں۔'' انکا نے رُوکھے انداز میں جواب دیا۔ اُس کے لہجے میں تلخی تھی۔

''تم شاید مذاق کر رہی ہو.....'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''میں بمبئی میں دُرگا دیوی کے مندر میں پنڈت اوم پرکاش کا کریا کرم کرنے گیا تھا، پونا کس طرح آ گیا؟''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ مندر کے چاروں طرف منڈل کھینچ دیا گیا ہے، تم نے میری بات نہیں سنی۔'' انکا نے کسمسا کر مجھے شکایتی نظروں سے گھورا۔ ''تم نے پھر اپنی من مانی شروع کر دی ہے۔''

''کیا بات ہے انکا رانی؟'' میں نے اُسے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔ ''تمہارا لہجہ کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا ہے۔''

''ایک نظر اپنے حلیئے پر بھی ڈال لو، تمہیں میری جھلاہٹ کا اندازہ ہو جائے گا۔''

میں نے اندھیرے میں اپنے جسم پر نظر ڈالی، ہاتھوں سے ٹٹول کر دیکھا، مجھے ہنسی آ گئی۔ میرے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی، میں کھلے آسمان کے نیچے مٹی میں لتھڑا مادر زاد ننگا پڑا تھا۔ شاید اوم پرکاش کے بیروں نے میرے کپڑے جلا دیئے تھے۔ مجھے ایک ایک بات یاد آنے لگی۔ میں نے اپنے حریف کے مُردہ جسم کو ٹھوکر مار کر فرار ہونے کی کوشش کی تو لکڑی کا مضبوط اور مرصع دروازہ ایک جھٹکے سے بند ہو گیا تھا۔ میں نے دروازے کو اپنی قوت سے اُکھاڑ پھینکا لیکن کسی نے میرے قدم جکڑ لئے، کوشش بسیار کے باوجود میں خود کو اُس نادیدہ نسوانی آواز کی قید سے آزاد نہ کرا سکا، دُھوئیں کے بادلوں نے مجھے دم گھٹ کر مرنے پر مجبور کیا۔ میں اذیت میں مبتلا تھا جب کسی نے میرا بازو تھام لیا، مجھے اپنے قدم زمین سے اُٹھتے ہوئے محسوس ہوئے۔ میں نے ان باتوں کو وہم سمجھا تھا لیکن وہ حقیقت تھی۔ حقیقت نہ ہوتی

تو میں اس وقت زندہ کس طرح ہوتا.....؟

''میں پونا کے ریس کورس میں کیا کر رہا ہوں؟'' میں نے انکا سے صورتِ حال معلوم کرنے کی کوشش کی۔

''تم نے میرے منع کرنے کے باوجود ایک غلط گھوڑے پر داؤ لگا دیا تھا، نتیجہ تمہارے سامنے ہے، کپڑے تک اُتر گئے۔'' انکا نے جلے کٹے انداز میں جواب دیا۔

''پرتھوی کہاں ہے؟'' میں نے اُس کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

''ابھی تک مندر کے باہر کھڑا تمہاری واپسی کی راہ دیکھ رہا ہوگا۔'' وہ تلملا کر بولی۔

''میرے لئے کیا حکم ہے.....؟'' مجھے انکا کے غصے پر جھلاہٹ نہیں ہوئی، پیار آنے لگا۔ وہ میری مونس وغمخوار تھی، میری ہمدرد تھی، میرے ساتھ تھی، نہ ہوتی تو میں کیا کر لیتا؟

''اب ہوش میں آ گئے ہو تو کچھ دیر انتظار کرو، میں ابھی آتی ہوں۔'' اُس نے مجھے گھور کر کہا، پھر رینگ کر سر سے اُتر گئی۔

میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ انکا نے غلط نہیں کہا تھا، میں نے قرب وجوار کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ میں پونا کے ریس کورس میں گھوڑوں کے اصطبل کے قریب موجود تھا۔ غالباً کچھ دیر قبل بارش بھی ہوئی تھی جو زمین گیلی محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے ماضی کے گزرے دن یاد آ گئے، کبھی میں پونا کے اسی ریس کورس میں بڑی شان سے مہ جبینوں کے ساتھ آیا کرتا تھا، انکا میرے سر پر بیٹھی جیتنے والے گھوڑوں کی نشاندہی کرتی رہتی، میں نازنینوں کو ٹپ دیتا، وہ جیت جاتیں، میرے اور اُن کے درمیان فاصلے گھٹنے لگتے۔ دولت میں بڑی قوت ہوتی ہے، بڑے بڑے سیٹھ ساہوکار میرے آگے پیچھے منڈلاتے رہتے، میں جدھر سے گزرتا ہجوم میرے ساتھ ساتھ ہوتا، وہ اس بات کی ٹوہ میں لگے رہتے کہ میں کس گھوڑے پر بازی لگاتا ہوں، وہ بھی اندھا دھند اسی نمبر پر دولت کی بارش کر دیتے۔ میں اُن کے درمیان فخر سے سینہ تانے کسی خوبرو حسینہ کی کمر میں ہاتھ ڈالے گھومتا رہتا۔ دن بھر یہی مشغلہ رہتا۔ رات کو وہ حسن کی دیوی میری بغل میں ہوتی، انکا میرے سر پر بیٹھی فرضی حسن وعشق کے تماشے دیکھا کرتی، کبھی اُس کی فرمائش پر میں کسی لڑکی کا جسم زخمی کر کے اُس کے حوالے کر دیتا، وہ خوش ہو جاتی۔ خون اُس کی غذا تھی، غذا سے پیٹ بھر لینے کے بعد وہ بھی تر وتازہ نظر آنے لگتی۔ میرے اور انکا کے درمیان راز ونیاز شروع ہو جاتے، وہ مجھ سے اٹکھیلیاں کرتی، میں

اُس کے ناز اُٹھاتا، کبھی میں رُوٹھ جاتا وہ مناتی، کبھی وہ کسی دوسرے پنڈت پجاری کے قبضے میں چلی جاتی تو میرے برے دن آجاتے.....!

ایک دن اسی ریس کورس کے باہر پنڈت ترِبنی داس نے مجھے فقیر سمجھ کر بھیک دی تھی، اُن دنوں انکا اُس کے سر پر تھی۔ میں بھکاریوں کی زندگی بسر کر رہا تھا میری اور انکا کی رفاقت جنم جنم کی تھی، اُس کی وجہ سے میری زندگی میں نشیب و فراز آتے رہے۔ اب میں نے جو قوتیں حاصل کر لی تھیں اس کے بعد انکا کی برتری ختم ہوگئی تھی۔ لیکن پریتم لال اور کلدیپ نے کہا تھا کہ میں انکا سے خود کو علیحدہ نہ کروں، وہ ہمیشہ میرے لئے کارآمد ثابت ہوگی۔ آڑے وقتوں میں کام آئے گی۔ وہ میری محبوبہ تھی، اُس نے مجھے فرش سے اُٹھا کر عرش پر پہنچایا تھا، اُس کی ذات سے میری حیات کی کئی تلخ و شیریں یادیں وابستہ تھیں۔ وہ میرے خون میں رچ بس گئی تھی۔ میں اُسے اپنے وجود سے علیحدہ نہیں کر سکتا تھا۔

میں انکا کے خیال سے اپنے ذہن کو بہلاتا رہا، ایک بار مجھے بے اختیار ہنسی بھی آگئی۔ میں نے سوچا اگر اسی وقت رات کا گھپ اندھیرا نہ ہوتا، دن کا اُجالا ہوتا، پونا کے ریس کورس میں لوگوں کا ہجوم ہوتا، حسینوں کے قہقہے گونج رہے ہوتے، اُن کے بدن کی خوشبو سے فضا لہک رہی ہوتی اور میں اچانک اُن کے رُوبرو اسی حالت میں نمودار ہو جاتا تو لوگوں کی کیا کیفیت ہوتی؟..... میرے ذہن میں مختلف خیالات اُبھر رہے تھے لیکن ایک سوال بار بار کلبلا رہا تھا، وہ ہاتھ کس کا تھا جس نے مجھے موت کے چنگل سے نجات دلائی تھی؟ گھنٹیوں کی گونج کے درمیان اُبھرنے والی نسوانی آواز نے کہا تھا کہ میں موت سے نہیں بچ سکتا، اُس نے واشگاف الفاظ میں دعویٰ کیا تھا میں جس شکنجے میں جکڑا گیا تھا اس سے کلدیپ کی بھگتی بھی نجات نہیں دلا سکتی، پریتم لال کی مہان شکتی بھی میری کوئی مدد نہیں کرے گی۔ اُس آواز نے جو کچھ کہا، کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا۔ اُسے مکمل یقین ہوگا کہ پریتم لال یا کلدیپ کی آتما اُس کے مقابلے پر سامنے آنے کی غلطی نہیں کرے گی..... وہ نسوانی آواز کس کی تھی جو در و دیوار سے اُبھر رہی تھی؟ جس کے اُبھرتے ہی میری تمام قوتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں.....؟

میں نادیدہ ہاتھ کے بارے میں سوچ رہا تھا جب انکا دوبارہ میرے سر پر آگئی۔

''جلدی کرو جمیل..... میں ایک بڑے سیٹھ کے ڈرائیور کو ساتھ لے آئی ہوں، وہ اصطبل کے عقبی حصے کی جانب گاڑی لئے کھڑا ہے، تم اُس کا لباس پہن کر گاڑی میں بیٹھ کر

نکل چلو، ہمیں پو پھٹنے سے پیشتر بمبئی پہنچنا ہے، ورنہ کھیل خراب ہو جائے گا۔''

میں نے انکا کی ہدایت پر عمل کرنے میں دیر نہیں کی۔ وہ میری رہبری کرنے لگی۔ میں قدم مارتا اصطبل کے عقبی حصے کی سمت اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں سیاہ رنگ کی ایک قیمتی کار کھڑی تھی۔ کار کا ڈرائیور اسٹیئرنگ پر سر رکھے بیٹھا تھا۔ دُور دُور تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں جھجکا تو انکا نے کہا۔

''ڈرو مت..... میں نے اُسے بے ہوش کر دیا ہے۔ وہ تین گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔''

میں نے عجلت سے کام لیا۔ ڈرائیور کا لباس اُتار کر پہن لیا، اُسے اُٹھا کر ایک طرف آڑ میں ڈال دیا کہ دُور سے نظر نہ آسکے، پھر ایک طویل عرصے بعد میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور اُس کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ فاصلہ تیزی سے طے ہونے لگا۔ انکا میرے سر پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ اُس کی آنکھیں رہ رہ کر اس انداز میں چمکنے لگتیں جیسے وہ کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں اُس کی اضطرابی کیفیت دیکھتا رہا۔ اُس کی بے چینی بلاوجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ میں خاموش بیٹھا کار ڈرائیو کرتا رہا، انکا نے کسمسانا شروع کیا تو میں نے پوچھا۔

''تم کچھ پریشان نظر آرہی ہو، کیا بات ہے؟''

''آگے رُکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہیں، وہ تمہیں پھانسنے کی کوشش کریں گے؟''

''کس جرم کی پاداش میں؟''

''تاج ہوٹل میں پجاری کالی داس مارا گیا، دُرگا دیوی کے مندر میں پنڈت اوم پرکاش کی لاش ابھی تک نگاہوں کا مرکز بنی پڑی ہے۔ مندر میں داخل ہونے کے بعد تمہیں بہت سارے پجاریوں نے دیکھا ہوگا، تمہاری نظریں بھی دو چار پجارنوں کے گدرائے ہوئے جسموں کی طرف ضرور اُٹھی ہوں گی۔ تاج میں ڈی آئی جی روی شنکر نے تمہارا نام جاننے کی کوشش کی تھی، اُس کا ماتحت بلانے نہ آتا تو وہ کریدنے سے کبھی باز نہ آتا۔'' انکا نے سپاٹ لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔ ''پرتھوی گاڑی لئے دُرگا مندر کے باہر تمہاری راہ تک رہا ہے۔ تم اس وقت بمبئی میں ہونے کی بجائے پونا سے واپس لوٹ رہے ہو، کیا یہ تمام باتیں پولیس کو تمہارے خلاف ہوا دینے کے لئے ناکافی ہیں؟''

مجھے انکا کا کھردرا لہجہ پسند نہیں آیا۔ ''تم جمیل احمد خاں سے مخاطب ہو انکارانی۔'' میں نے تیوری پر بل ڈال کر سرد آواز میں کہا۔ ''وقت نے مجھے ابھی اتنا بے بس نہیں کیا کہ میں خود کو کسی کے رحم و کرم پر چھوڑ دُوں، کچھ قوتیں میری اپنی بھی ہیں۔''

''قوتوں کا غلط استعمال ہی تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے۔'' وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ اُس کی نظریں اس وقت بھی دُور منڈلاتے کسی خطرے کو دیکھ رہی تھیں۔

''تم طنز کر رہی ہو.....؟'' میں نے اُسے تیز نظروں سے گھورا۔

''نہیں.....تمہارے گن گا رہی ہوں۔'' اُس نے عجیب لہجے میں کہا۔

میں برداشت نہ کر سکا۔ میں نے جھلا کر گاڑی روک دی۔ انکا کا جواب دہکتے ہوئے سرخ توے پر پانی کا چھینٹا ثابت ہوا، میرا دماغ گھوم گیا۔

''میرے سر سے اُتر جاؤ۔'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''میں تمہارے بغیر بھی حالات کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔''

''گاڑی چلاتے رہو.....'' انکا نے میری بات نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہیں ہر حالت میں صبح ہونے سے پیشتر بمبئی پہنچنا ہے۔''

''میں تمہیں ہندوستان میں چھوڑ کر لندن گیا تھا۔'' میں پہلو بدل کر بولا۔ ''میں نے کہا تھا، تم سر پر رہو گی تو زندگی سکون سے نہیں گزرے گی، ہنگامے جنم لیتے رہیں گے، اپنے ذہن پر زور ڈال کر یاد کرنے کی کوشش کرو، میں نے رام دیال کے فلیٹ پر بھی اُس وقت تمہارے حصول سے انکار کر دیا تھا جب پنڈت پجاری اور رام دیال کی ماں بھی مجھے مستقبل کے حسین خواب دکھا کر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی.....تمہاری یادداشت میں یہ بات بھی ضرور محفوظ ہو گی کہ پریتم لال مہاراج کی سفارش پر میں نے تمہاری رفاقت قبول کی تھی۔ اُس کی آتما تمہیں اپنے ساتھ لندن نہ لائی ہوتی تو تم اس وقت اپنی اہمیت جتانے کی کوشش کبھی نہ کر پاتیں.....''

''جمیل.....'' انکا نے جواب میں کچھ کہنا چاہا۔

''نہیں.....'' میں نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے بول لینے دو۔ مواد اندر رہ جائے تو ناسور بن جاتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ تم نہ ہوتیں تو جمیل احمد خاں کو وہ شہرت نہ نصیب ہوتی جو آج حاصل ہے۔ میں نے کیا کھویا کیا پایا، اس کی کہانی ایک چوتھائی صدی سے زیادہ

طویل عرصے پر محیط ہے۔ میں گڑے مُردے نہیں اُکھاڑوں گا، زندگی کا بہی کھاتہ کھول کر لمحوں لمحوں کا حساب بھی بے سود ہے۔ تم نے مجھ پر بڑے احسان کئے۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں، زندگی کے سفر میں قدم قدم پر نشیب و فراز آتے جاتے ہیں۔ سنگ میل احساس دلاتے رہتے ہیں کہ کتنی مسافت طے ہو گئی، کتنی باقی رہ گئی، کل کیا ہو گا، کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن آج کا یہ لمحہ، یہ ساعت ہمارے اختیار میں ہے، آج ہمیں آخری بار ایک فیصلہ کر لینا چاہئے، ہمیشہ کے لئے علیحدگی کا فیصلہ۔'' میں نے دل پر جبر کر کے آخری جملہ ادا کیا۔

''گاڑی چلاؤ جمیل۔'' انکا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''وقت گزر رہا ہے۔ خطرات بڑھ رہے ہیں۔''

''خطرات بڑھتے ہیں تو بڑھنے دو۔'' میں جذبات کی رو میں بہنے لگا۔ ''چت یا پٹ کا کھیل تو سدا سے جاری ہے۔ پانسہ صحیح پڑ جائے تو پو بارہ ہو جاتا ہے، نصیب چمک اُٹھتا ہے، قسمت کی دیوی مہربان ہو جاتی ہے، پیادے کی ایک چال غلط ہو تو بازی مات ہو جاتی ہے۔ تم کو مجھ سے زیادہ میرے جنون اور وحشتوں کا اندازہ ہو گا۔ زندگی کی تمنا کس بھڑوے کو ہے۔ تم میری فکر مت کرو۔ چھوڑ دو میرا ساتھ، کسی اور کے سر پر ٹھکانا کر لو، چندرا کے سر پر چلی جاؤ۔ وہ خوشی سے دیوانہ ہو جائے گا، پنڈت نول کشور کو درشن دو، وہ کپڑے پھاڑ کر پاگلوں کی طرح ناچنے لگے گا، دنیا میں تمہارے چاہنے والوں کی کمی نہیں ہے۔''

''تم اس وقت شاید ہوش میں نہیں ہو.....'' انکا سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کر دُوں تو.....؟'' میں نے جھلا کر سوال کیا۔

''مجھے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔'' اُس کے اندازِ تخاطب کا رنگ تبدیل ہونے لگا۔ درشت لہجے میں بولی۔ ''مجھے مجبور نہ کرو.....''

''تم نے کہا تھا کہ پریتم لال کی آتما نے تمہیں پابند کیا تھا کہ تمہیں میرا ہر حکم تسلیم کرنا ہو گا۔'' میں نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ ''میرے سر پر تمہارا قیام اب اسی فیصلے سے مشروط ہو گا، سنا تم نے؟''

''مہاراج نے ایک حکم اور بھی دیا تھا۔'' وہ تلملا اُٹھی۔ ''مجھے ہر حال میں تمہاری حفاظت کا خیال رکھنا ہو گا۔ تم اس وقت خطرے میں ہو، میں ایسی حالت میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ

سکتی۔"

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم....."

"معاملے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" اُس نے میرا جملہ کاٹ دیا۔ سٹپٹا کر بولی۔

"جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں تمہیں نظر نہیں آ رہا۔"

"ایسی کیا چیز نظر آ گئی جو تمہاری لازوال قوتیں بھی سہمی سہمی نظر آ رہی ہیں؟" میں نے اُس کی بات ہنسی میں اُڑا دی۔ "کلدیپ کی آتما نے تو کہا تھا کہ تم اپنی مہان شکتی سے پہاڑوں کو بھی دُھول کی طرح اُڑا سکتی ہو۔"

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا، مجھے حیرت سے گھورنے لگی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اُسے میری باتوں سے دُکھ پہنچ رہا ہے۔ میں نے بھی اُسے سر سے اُتر جانے والی بات جھلا کر کہی تھی۔ اس میں مرضی کو کوئی دخل نہیں تھا، غصے کی شدت میں جو میرے منہ میں آیا کہتا چلا گیا۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ پراسرار قوتوں کے معاملے میں ہم دونوں میں سے کس کا پلڑا بھاری تھا لیکن ایک بات طے تھی، ہم دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر خوش نہیں رہ سکتے تھے۔ میرا اُس کا ساتھ گوشت اور ناخن جیسا تھا، جدا ہوتے تو اذیت کا احساس ضرور ہوتا۔

"کسی فیصلے میں دُشواری پیش آ رہی ہے انکا رانی؟" میں نے اپنے رویئے میں ہلکی سی لچک پیدا کی۔ "گوٹ کہاں پھنس گئی؟"

"ایسی باتیں مت کرو جمیل، میرا دل پھٹ جائے گا۔" اُس کے چہرے پر کرب کے بادل منڈلانے لگے۔ زندگی میں پہلی بار وہ مجھے بڑی افسردہ نظر آ رہی تھی۔

"ایک درخواست کروں.....؟" میں نے اُسے چھیڑنے کی خاطر سنجیدگی برقرار رکھی۔

"جو باقی رہ گیا ہے وہ بھی کہہ ڈالو۔" اُس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"میرے سر پر رہنا چاہتی ہو تو بڑے شوق سے رہو مگر اپنا حکم مسلط کرنے کی بھول دوبارہ کبھی نہ کرنا۔" میں نے پہلو بدل کر کہا۔ "میں اپنے فیصلے خود بھی کر سکتا ہوں۔ تم شہر کے اندیشے سے دُبلا ہونا چھوڑ دو۔"

"اور کچھ.....؟" اُس نے سرد آہ بھری۔ بڑی مضطرب نظر آ رہی تھی۔

"نہیں....." میں نے اُسے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "جو کہنا تھا کہہ چکا، اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔"

انکا میرے آخری جملے کی تلخی بھی زہر کا گھونٹ سمجھ کر پی گئی۔ اُس کی غزالی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تیرنے لگی۔ اُس نے بڑی حسرت سے میری آنکھوں میں جھانکا پھر تیزی سے رینگتی سر سے اُتر گئی۔ میں اُسے روک بھی نہ سکا، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مجھے اُس کے ساتھ اتنی بے رُخی سے نہیں پیش آنا چاہئے تھا، میرے ذہن میں کلدیپ کی آتما کے کہے ہوئے جملے گونجنے لگے..... "بدری نرائن اور امر لال سے جنگ لڑتے وقت اگر تم نے انکا کا کہا مان لیا ہوتا تو شاید مجھے پریتم لال کا استھان نہ چھوڑنا پڑتا۔ تم منڈل سے باہر نہ نکلتے تو امر لال تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا..... انکا کے مقابلے میں تم نے زیادہ شکتیاں پراپت کر لی ہیں، مجھے خوشی ہے۔ لیکن میری ایک بات گرہ سے باندھ لو، انکا کی باتوں کو ہمیشہ دھیان سے سننا، سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا، وہ بڑی عظیم اور حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے۔ اگر چاہے تو پہاڑوں کو بھی دُھول کی طرح اُڑا سکتی ہے..... سیّد مجذوب کی لاٹھی بھی سنبھال کر رکھنا۔ ہو سکتا ہے کبھی وہی تمہارا آخری سہارا ثابت ہو....."

انکا نے مجھے دُرگا دیوی کے مندر میں بھی جانے سے منع کیا تھا۔ میں نے اُس کا کہا نہیں مانا، پنڈت اوم پرکاش میرے جنون کا شکار ہو گیا۔ اُسے مارنے کی آرزو پوری ہو گئی۔ پھر کسی نادیدہ قوت نے میرے پاؤں زمین سے جکڑ دیئے، میری ساری قوتیں سلب ہو گئیں، میں موت اور زندگی کے درمیان اپاہجوں کی طرح اپنے حسرت ناک انجام پر غور کر رہا تھا جب ایک ہاتھ نے میرا بازو تھام کر اُٹھا لیا، میرا ذہن منجمد ہو گیا۔ دوبارہ ہوش آیا تو میں پونا کے ریس کورس کے میدان میں پڑا تھا۔

"اگر اس وقت انکا نے میری مدد نہ کی ہوتی؟ لباس اور کار فراہم نہ کی ہوتی.....؟" میں نے سوچا۔ پھر خود اپنے آپ پر جھلا کر رہ گیا۔ اُس نے اگر میری غلطی پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تھا تو غلط نہیں کیا تھا، وہ حق بجانب تھی، میں ہی اپنے غصے پر قابو نہ پا سکا۔

انکا کی اضطرابی کیفیت بلاوجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ آگے میری راہ میں رُکاوٹیں کھڑی کی جا رہی تھیں، میرے دشمن مجھے پھانسنے کی گھات لگائے بیٹھے تھے، انکا نے کہا تھا کہ پو پھٹنے سے پیشتر میرا بمبئی واپس پہنچنا ضروری تھا۔ وہ بار بار گاڑی چلانے پر اصرار کرتی رہی، میں اُس کے خلوص پر تیر و نشتر چلاتا رہا، وہ کب تک برداشت کرتی.....؟

میری وحشت، میرے جنون نے ایک بار پھر میرا راستہ کھوٹا کر دیا، سیّد مجذوب کی

متبرک لاٹھی میں پہلے ہی تاج ہوٹل میں بھول آیا تھا، اب انکا بھی اُلجھ کر میرے سر سے اُتر گئی..... پریتم لال کی آتما نے لندن کے ہسپتال میں کہا تھا..... ''تیرے بھاگیہ میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ اوش پورا ہوگا..... خود کو چٹان بنا لے..... پتھر کی اتنی ٹھوس مورتی بن جا جس پر آندھی، برکھا اور سرد و گرم کا بس نہیں چلتا، پرنتو میری نظریں تیرے بھوش کو ٹٹول چکی ہیں..... تو جل کے اُوپر ہی اُوپر تیرتا رہے گا، جل کی تہہ میں غوطہ نہیں لگا سکے گا..... جو کام ادھورے رہ گئے ہیں وہ تجھے پورے کرنے ہوں گے..... اس کام کے لئے تجھے بڑے پاپڑ بیلنے ہوں گے، بڑا کشٹ اُٹھانا پڑے گا.....''

وقت کسی برق رفتار پرندے کی مانند پر پھیلائے اُڑا جا رہا تھا، میں نے بکھرے ہوئے ذہن کو سمیٹا، گاڑی کو دوبارہ گیئر میں ڈالا، ہیڈ لائٹس آن کیں تو گھپ اندھیرا چھٹ گیا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی، سڑک ویران تھی۔ ہر سمت سناٹے کا راج تھا۔ میرے پیر کا دباؤ ایکسیلیٹر پر بڑھتا گیا، گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی.....!!

جیسے جیسے فاصلہ گھٹتا جا رہا تھا، میرے اندر اعتماد کی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔

انکا میرے سر پر نہیں تھی، میں اُس کے بغیر بھی زندگی گزار چکا تھا۔ وہ ہوتی تو کچھ آسانیاں ضرور مل جاتیں، مجھے اپنی غلطی کا احساس تھا لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذہن میں بھرے بارود میں کوئی چنگاری اپنا کام کر جاتی ہے، دھماکے ہونے لگتے ہیں، انسان سوچنے سمجھنے کے باوجود بہکنے لگتا ہے، شعور اور لاشعور کی کشمکش میں اپنی بڑائی کا احساس ہمیشہ غالب آتا ہے، کسی حادثے سے بچنے کی خاطر کوئی جان بوجھ کر ایکسیلیٹر پر دباؤ نہیں ڈالتا..... اس کے ذہن میں یہی خیال کلبلاتا ہے کہ بریک دبا کر گاڑی روک دی جائے، لیکن اعصاب پر اگر کوئی اُلجھن، کوئی پریشانی مسلط ہو تو وہ لاشعوری طور پر بریک پر پاؤں رکھنے کی بجائے ایکسیلیٹر ہی دباتا چلا جاتا ہے، انکا کے ایک جملے نے بھی میرے ذہن میں بھرے بارود پر چنگاری کا کام کیا۔ میں اُس وقت ذہنی طور پر پریشان تھا، وہ مجھے میری کوتاہیوں کا احساس دلانا چاہتی تھی۔ میں ہتھے سے اُکھڑ گیا، زبان کو بریک نہیں لگا سکا، جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا۔ وہ کسی خطرے کی بو سونگھ رہی تھی، بار بار مجھے گاڑی چلانے کی ہدایت کر رہی تھی۔ میں نے اُس کا کہا ماننے سے انکار کر دیا، وہ میرے سر سے اُتر گئی، میں تنہا رہ گیا۔

میرے ذہن میں اس وقت بھی دُرگا دیوی کے مندر سے پونا کے ریس کلب تک کے واقعات گڈمڈ ہو رہے تھے، کئی سوال، جواب طلب تھے، وہ کس کی قوت تھی جس نے فرار ہوتے وقت میرے پیر زمین سے جکڑ لئے تھے؟ وہ کس کی آواز تھی جس نے مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کلدیپ کی بھگتی اور پریتم لال کی مہان شکتی بھی میرے کام نہ آ سکے گی؟ وہ نادیدہ ہاتھ کس کا تھا جس نے مجھے موت کے چنگل سے نجات دلائی تھی.....؟

میں بڑی سنجیدگی سے حالات پر غور کر رہا تھا جب اچانک مجھے یوں لگا جیسے میں گاڑی میں تنہا نہیں، کوئی اور بھی میرے ساتھ سفر کر رہا ہے۔ میرا وہم بھی ہو سکتا تھا، ممکن ہے انکا

واپس آ گئی ہو، کسی کونے میں منہ پھلائے رُوٹھی بیٹھی ہو۔ اس بات کی منتظر ہو کہ میں اُسے مخاطب کروں، مناؤں، اپنی غلطی کا اعتراف کروں۔ میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ مجھے اپنے ذہن کو سمیٹ کر اُن خطروں کے لئے بھی تیاری کرنی تھی جن کی نشاندہی انکا نے کی تھی۔ آگے رُکاوٹیں کھڑی کی جا رہی تھیں، میرے دشمن مجھے پھانسنے کے لئے جال ڈالے بیٹھے میرے منتظر ہوں گے! میں چاہتا تو گاڑی واپس موڑ کر بمبئی جانے کی بجائے پونا کے راستے کسی اور طرف نکل جاتا، وہ گھات لگائے بیٹھے رہ جاتے۔ صبح ہوتی تو میری تلاش شروع ہوتی، اس وقت تک میں اُن کی دسترس سے بہت دُور نکل چکا ہوتا۔ جب دوبارہ آمنا سامنا ہوتا تب دیکھا جاتا۔ پہلے بھی کئی بار میرے اور اُن کے درمیان آنکھ مچولی ہو چکی تھی، لیکن میں نے بھاگنا مناسب نہیں سمجھا، بھاگنا ہی ہوتا تو لندن سے واپس کیوں آتا.....؟

انکا نے صبح سے پہلے میرا بمبئی واپس پہنچنا ضروری سمجھا تھا، اُس کے پشت پر یقیناً کوئی مصلحت ہو گی، میری بھلائی ہو گی۔ میں نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی، ذہن کو سمیٹ کر ارتکاز کے عمل میں ڈوبنے کی کوشش کی تو یکلخت کسی کے سانس لینے کی آواز میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی۔ میں نے وہ آواز بہت واضح طور پر سنی تھی۔ میرا وہم نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے رفتار کم کی، گردن گھما کر پچھلی نشست اور درمیانی خلاء کا جائزہ لیا، وہاں کوئی نہیں تھا۔ میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے اُبھرا..... ''دُرگا کے مندر میں جو نسوانی آواز در و دیوار سے اُبھری تھی وہ دُرگا دیوی کی آواز ہی رہی ہو گی، تبھی اُس نے بڑے اعتماد سے کلدیپ اور پریتم لال کی مہان شکتی کے بارے میں کہا تھا کہ وہ میرے کسی کام نہیں آ سکیں گی۔ ممکن ہے اس وقت بھی دُرگا کی شکتی سانس کی آواز سنا کر مجھے ارتکاز اور مراقبے کے عمل سے روکنا چاہتی ہو.....''

میں سنبھل کر بیٹھ گیا، خود کو یکسو کر کے میں نے تمام تر توجہ ایک نقطے پر جمع کی، وہ ایک نقطہ جس کے سوا کچھ اور نظر نہ آئے، اسی ایک آسودہ مرکز تک پہنچنا ارتکاز کا کمال ہے، میری کوششیں باور آور ہونے کو تھیں جب میرے ذہن کو ایک جھٹکا لگا..... کوئی نادیدہ قوت میرے آڑے آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ارتکاز اور مراقبے کی مشقوں سے اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔'' ایک مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ میں خوشی سے اُچھل پڑا، وہ میری کلدیپ کی آواز تھی.....

اُس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''تم نے انکا کی بات نہ مان کر اچھا نہیں کیا جمیل، اُس نے غلط نہیں کہا تھا۔ جو وہ دیکھ رہی تھی تم نہیں دیکھ سکتے تھے.....''

''کلدیپ.....'' میں نے بے چینی کا اظہار کیا۔ ''تمہارے بنا دل نہیں لگتا۔ کوئی ایسا راستہ بتاؤ جو درمیان کے اندھیروں کو دُور کر سکے۔''

''میرے پاس سمے کم ہے.....'' اُس نے اُداس لہجے میں جواب دیا۔ ''سمے سے پہلے اور بھاگیہ سے زیادہ کسی منش کو نہ کچھ ملا ہے، نہ ملے گا۔''

''پھر..... میں کیا کروں.....؟'' میرا اضطراب بڑھنے لگا۔

''دھیرج سے کام لو، خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔'' اس بار اُس نے ٹھوس لہجہ اختیار کیا۔ ''منزل تک پہنچنے کے کارن تمہیں کئی موڑ کاٹنے ہوں گے۔ جو لکھا جا چکا ہے، وہ اٹل ہے، باقی سب دھوکا ہے۔''

''کجرا پجارن کون ہے.....؟'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ مجھے یکلخت کلپنا یاد آ گئی جو کلدیپ کا دوسرا روپ تھی۔ میں ایک عرصے تک اُسے نہ پہچان سکا، ساتھ ساتھ قدم ملا کر چلنے کے باوجود اجنبیت کی دیوار حائل رہی۔

''دُرگا دیوی کے مندر میں تم جس سے ملے اُس کا نام نندنی تھا.....''

''لیکن کجرا اور اُس میں.....''

''ہاں..... میں نے تاج ہوٹل میں اُس کے شریر کو کچھ سمے کے لئے اپنا لیا تھا۔ اگر وہ کالی داس تک پہنچ جاتی تو وہ پنڈت تمہارے لئے خطرناک ثابت ہوتا۔'' کلدیپ نے وضاحت کی۔ ''نندنی کو کجرا کا نام دے کر میں نے تمہیں کالی داس کے خطرے سے خبردار کیا تھا۔ میں یہی چاہتی تھی کہ اُس کا کانٹا تمہارے راستے سے نکل جائے..... تم نے اوم پرکاش تک جانے میں بہت جلدی کی، انکا نے تمہیں سمجھایا بھی تھا۔''

''وہ آواز کس کی تھی جو مجھے مندر میں سنائی دی تھی.....؟'' میں نے تیزی سے سوال کیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کلدیپ کی آتما واپس نہ چلی جائے۔

''وہ..... وہ دیوی کی آواز تھی۔ اُسی کی مہان شکتی نے تمہیں بے بس کر دیا تھا۔ میری آتما بھی تڑپی، پر تو میں اُس سے تمہاری کوئی سہائتا نہیں کر سکی، دھرتی کی ساری شکتیاں مل کر بھی تمہیں دیوی کے کشٹ سے مکتی نہیں دلا سکتی تھیں۔''

''مگر میں.....''

''تم قسمت کے دھنی ہو جو تمہاری کوئی نیکی کام آ گئی۔'' کلدیپ میری بات کاٹ کر بولی۔ ''میری بات دھیان سے سنو جمیل، اب کسی جلد بازی سے کام نہ لینا، بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھانا، انکا کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ وہ تمہارے بہت کام آئے گی۔''

''وہ ہاتھ کس کا تھا جس نے.....''

''میں جا رہی ہوں۔'' جواب میں کلدیپ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''گاڑی کو کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کرو اور.....''

اور کے بعد کلدیپ نے کچھ بھی نہیں کہا..... کہا بھی ہوگا تو مجھے سنائی نہیں دیا، ساٹھ ستر میل کی رفتار سے بھاگتی ہوئی کار کے اگلے دونوں ٹائر ایک ہولناک دھماکے کی آواز سے پھٹے..... اسٹیئرنگ پر میرے ہاتھ کی گرفت اس اچانک افتاد سے ڈھیلی پڑ گئی۔ میں اُچھل کر چھت سے ٹکرایا، پھر جیسے بھونچال آ گیا..... گاڑی کئی قلابازیاں کھاتی ہوئی دُور جا کر رُکی۔ میرا وجود بھی گردش میں آ کر گاڑی کے اندر ہی اندر اُوپر نیچے ہوتا رہا..... میرا جسم پھوڑے کی مانند دُکھ رہا تھا۔ میں بڑی مشکل سے گاڑی کا شیشہ توڑ کر باہر نکلا، میرے بدن کا ایک ایک جوڑ ہل گیا تھا۔ میں نے باہر نکل کر ذرا دم لینے کی کوشش کی، گاڑی سڑک کے کنارے ڈھلان کے قریب رُکی تھی، میں اندھیرے میں اندازہ نہ لگا سکا، اپنے ہوش بحال کرنے کی خاطر لیٹنے کی کوشش کی مگر توازن برقرار نہ رکھ سکا، نشیب کی سمت لڑھکتا چلا گیا۔ درد کی شدت سے میری چیخ نکل گئی، پھر سکتہ طاری ہو گیا..... تباہ شدہ گاڑی کا پٹرول ٹینک پُرشور دھماکے سے پھٹا، آگ اور دُھوئیں کے مرغولے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اگر میں نشیب میں نہ لڑھکتا، ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو شاید میرا وجود بھی خوفناک آگ کی بھٹی کی لپیٹ میں آ کر چرمرا جاتا..... ہڈیوں کا سراغ بھی نہ ملتا، دیوی دیوتاؤں کی مہان شکتیاں بھی ٹاپتی رہ جاتیں۔

میں کچی زمین پر پڑا بھڑکتی آگ کے شعلوں کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر میرے ذہن میں خطرے کا احساس کلبلایا تو اُٹھ کر واپسی کے راستے کی طرف دوڑنے لگا۔ میرا جوڑ جوڑ احتجاج کر رہا تھا، اندھیرے میں کئی بار ٹھوکر کھا کر گرا لیکن ہمت نہیں ہاری۔ میں نے جلد از جلد اُس مقام سے دُور نکل جانا چاہا۔ آگ کے شعلوں نے پیش آنے والے حادثے کی مخبری دُور تک کی ہوگی۔ میرے دشمن بھی چونک سکتے تھے..... وہ صورت احوال

معلوم کرنے کے لئے قریب آتے تو اُنہیں میرا سراغ مل جاتا۔ مجھے چوہے کی طرح پکڑا جانا منظور نہیں تھا، میں کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا کسی محفوظ مقام تک پہنچنا چاہتا تھا۔

جسم کی ساری توانائیاں خرچ کر کے میں کبھی دوڑنے لگتا، کبھی طاقت جواب دینے لگتی تو دوڑنا موقوف کر کے لمبے لمبے قدم بڑھانے لگتا۔ لیکن کب تک؟ آدھے گھنٹے بعد ہی میری ہمت جواب دے گئی۔ میں جائے حادثے سے بمشکل چھ سات فرلانگ دُور جا سکا۔ خطرہ ابھی ٹلا نہیں تھا، آگ کے شعلے ابھی تک میرے سہمے ہوئے وجود پر کپکپا رہے تھے، میں بار بار پلٹ کر اُن شعلوں کو دیکھنے لگتا۔ کلدیپ کی بے چین رُوح مجھے اسی حادثے سے باخبر کرنے کو آئی تھی۔ میں نے اُسے باتوں میں اُلجھا لیا۔ اُسے اطلاع دینے میں دیر ہو گئی لیکن قسمت کی دیوی مہربان تھی جو میں بچ گیا۔

میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا، پیاس کی شدت سے حلق میں کانٹے پڑنے لگے، میرے جسم میں اتنی سکت نہیں تھی کہ مزید دوڑ بھاگ کر سکتا۔ سڑک پر دُور دُور تک کوئی ٹریفک نظر نہیں آ رہا تھا، میں نے سوچا۔ ''اگر سڑک عبور کر کے دوسری سمت نکل جاؤں تو اندھیرے میں کچھ دیر بیٹھ کر سستایا جا سکتا ہے.....'' اپنے ارادے کی تکمیل کی خاطر میں نے زور لگا کر قدم بڑھانے کی کوشش کی، اُسی لمحے کسی نے مجھے گھپ اندھیرے میں لڑکھڑاتا دیکھ کر اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا..... میرا اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ جو بھی تھا، مضبوط جثّے کا مالک تھا۔ اُس نے میرے بوجھ کو بڑی آسانی سے سنبھال لیا تھا۔ اُس کی گرفت میں بلا کی قوت تھی، میرے دل کی حرکت تیز ہو گئی، میرے ذہن میں وسوسے جاگ اُٹھے۔ اتنی رات گئے اس ویرانے میں کون تھا جس نے مجھے گرتے ہوئے تھام لیا؟ کوئی نیک بندہ مجھے اذیت میں دیکھ کر میری مدد کو آ گیا؟ قریب کسی جھونپڑی میں رہنے والا کوئی شخص جو بھڑکتی آگ کے شعلے دیکھ کر صورتحال معلوم کرنے کی خاطر نکل پڑا؟ ڈاکوؤں کے گروہ کا کوئی فرد جو کار میں گزرتے ہوئے لوگوں کو لوٹنے کے ارادے سے چھپا بیٹھا ہو؟ مجھے بھی کوئی بڑا شکار سمجھ کر جھپٹ پڑا..... یا میرا کوئی دشمن جسے میری تلاش تھی.....؟

''کون ہو تم.....؟'' میں نے نقاہت بھری آواز میں دریافت کیا۔

''اپنا مترسمجھ لے۔'' اُس نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ ''ادھر سے گزر رہا تھا، آگ کے شعلے دیکھ کر رُک گیا، تجھے دیکھا تو ادھر چلا آیا۔''

بولنے والے کے لہجے میں دشمنی کا کوئی عنصر شامل نہیں تھا، میں نے خود کو سنبھال کر اُسے دیکھا، وہ کوئی پنڈت یا پجاری تھا جس کے جسم پر صرف گیروے رنگ کی ایک دھوتی نظر آ رہی تھی، سینے پر بڑے بڑے سیاہ بالوں کا جنگل پھیلا ہوا تھا، سر گھٹا ہوا تھا، کشادہ پیشانی پر صندل اور سیندور کی آڑی ترچھی بل کھاتی لکیریں نظر آ رہی تھیں، گلے میں موٹے موٹے دانوں اور سوکھے پھولوں کی کئی مالائیں جھول رہی تھیں، وہ خاصا بھاری بھرکم شخص نظر آ رہا تھا، اندھیرے کے باوجود اُس کی بڑی بڑی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ میں اُس کے تن و توش کو سہمی سہمی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اُس نے مجھے دوست کہا تھا، لیکن کوئی پنڈت یا پجاری میرا دوست نہیں ہو سکتا تھا۔ شاید اُسے میری ہی تلاش تھی، اندھیرے کے سبب مجھے پہچان نہیں سکا، میری اصلیت کو بے نقاب کرنے کی خاطر چرب زبانی کا حربہ استعمال کر رہا تھا۔

''من ہی من میں کیا وچار کر رہا ہے بالک؟'' اُس نے مجھے مخاطب کیا۔ ''اس دھرتی پر کون ایسا بھاگوان ہے جس پر کوئی بپتا نہ پڑی ہو، پرنتو مہا پرش وہی ہے جو کٹھنائیوں کو بھوگنے کی شکتی رکھتا ہو۔ میرا من کہتا ہے کہ تجھ پر بھی کوئی بپتا آن پڑی ہے۔''

''ہاں.....'' میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''میں بمبئی جا رہا تھا، جلدی میں تھا، لیکن گاڑی کے ٹائر پھٹ گئے۔ رفتار تیز تھی، میں گاڑی کو سنبھال نہ سکا، وہ اُلٹ پلٹ کر بھسیم ہو گئی، میں زندہ بچ گیا۔''

''اب کس دِشا (سمت) میں جانے کی سوچ رہا ہے، پورب یا پچھم؟''

''تم نے اپنا تعارف نہیں کرایا.....؟'' میں نے اُس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا، مکمل اعتماد کیے بغیر میں اُسے اپنے من کا بھید نہیں بتا سکتا تھا۔ یہ بھی میری خوش قسمتی تھی کہ میری پشت شعلوں کی طرف تھی، میں اُس کے چہرے کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ پس منظر میں بھڑکتی ہوئی آگ کے سبب میرے خدوخال کو پوری طرح جانچنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

''سیوک کو پرتاپ کہتے ہیں۔'' اُس نے نام بتا کر پھر اپنا سوال دہرایا۔ ''تو نے بتایا نہیں، کدھر جانے کا دھیان ہے؟ بمبئی یا واپس پونا؟''

میں نے نظر گھما کر سڑک کی سمت دیکھا، مجھے اُس کی گاڑی کہیں نظر نہیں آئی۔

''کس دبدھا میں پڑ گیا مورکھ؟'' اس بار پرتاپ نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ترنت کوئی فیصلہ کر لے، مجھے بھی دُور جانا ہے۔''

''میں چلا جاؤں گا مہاراج، تم میری وجہ سے پریشان مت ہو۔'' میں نے اُسے ٹالنے کی کوشش کی۔ ''تمہاری بڑی کرپا جو تم نے مجھے گرتے سے سنبھال لیا۔ میں تمہارا یہ احسان یاد رکھوں گا۔''

''من میں کچھ، زبان پر کچھ.....'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''میں تیری دبدھا کا کارن سمجھ رہا ہوں۔''

''تم کیا سمجھ رہے ہو.....؟'' میں نے خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ میری خود اعتمادی آہستہ آہستہ بحال ہو رہی تھی۔

''پرتاپ کے مطلب سمجھتا ہے؟'' اُس نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''جس کے اندر گرمی بھری ہو۔ جو اُونچے وچار رکھتا ہو، گیانی ہو، جس کے من کا اُجالا اندھیروں کو دُور کر سکے، کسی اُونچے استھان پر براجمان ہو، دوسروں کی سیوا کرنا اپنا دھرم سمجھتا ہو اور کسی دُکھیارے کے کام آ سکے۔ تو بھی مجھے بیاکل نظر آ رہا ہے، جو کچھ تیرے من میں ہے کھل کر بتا دے..... بیراگیوں سے کیا پردہ؟''

''میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکا مہاراج۔'' میں نے جھوٹ بولا۔ ''تم اپنا راستہ سنبھالو، میں کوئی اور سواری پکڑ لوں گا۔''

میرا جواب سن کر پرتاپ کے چہرے پر بیزاری اور جھلاہٹ کے ملے جلے تاثرات اُبھرے۔ وہ میرے طرزِ عمل سے اُکتا کر واپس جانے کے لئے پر تول رہا تھا جب میں منہ پھیر کر جائے حادثہ کی طرف دیکھنے کی حماقت کر بیٹھا۔ میرا چہرہ روشنی میں آیا تو پرتاپ کی نگاہیں چمک اُٹھیں۔ وہ جاتے جاتے رُک کر مجھے پوری توجہ سے دیکھنے لگا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات یکلخت تبدیل ہو گئے۔ میں اپنی حماقت پر سٹپٹا کر رہ گیا۔ شاید اُس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ اُس کی عمر مجھ سے کہیں زیادہ تھی، لیکن اُس کے قویٰ میرے مقابلے میں بہت زیادہ مضبوط نظر آ رہے تھے۔ وہ مجھے ٹکٹکی باندھے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''میری بات مان لو مہاراج۔'' میں نے دیدہ و دانستہ بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ''میرے پیچھے میرے کچھ اور واقف کار بھی چلے ہوں گے، مجھے جلدی تھی اس لئے اُنہیں چھوڑ کر نکل پڑا۔ وہ کچھ دیر میں آ جائیں گے، میں اُن کے ساتھ نکل جاؤں گا۔''

''نہیں بالک، نہیں.....'' پرتاپ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر میں بھی تجھے چھوڑ کر چلا گیا تو تیرے لئے سارے دوار بند ہو جائیں گے، تجھے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ پکھیرو اکیلا ہو تو جال نہیں توڑ سکتا.....''

میں پرتاپ کی باتیں سن کر چونکا، اُس کے لب و لہجے کی تبدیلی بلا مقصد نہیں تھی۔ اُس کی نظروں میں اُبھرنے والی چمک غمازی کر رہی تھی کہ وہ میری اصلیت جان چکا ہے، معنی خیز گفتگو کا انداز چغلی کھا رہا تھا کہ وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا.....مگر کیسے.....؟ کون تھا وہ؟..... مجھے کیسے جانتا تھا؟ کیا چاہتا تھا.....؟

''میں تیری بات مان کر چلا جاتا بالک تو بڑا اندھیر ہو جاتا۔ سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا۔''

''میرا خیال ہے تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہو۔'' میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ ''میں وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔''

''تیری نظریں بھی دھوکہ کھا رہی ہیں بالک۔'' اُس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''میں بھی اُوپر سے جو نظر آ رہا ہوں، اندر سے وہ نہیں ہوں۔ خاص طور پر تیرے لئے.....''

''تم میری ذات پر کس کا شبہ کر رہے ہو.....؟'' میں نے بے رُخی کا اظہار کیا۔

''کس کو ہانکنے کی غلطی کر رہا ہے.....؟'' پرتاپ نے مجھے دلچسپ نظروں سے گھورا۔ ''وہ ٹھیک ہی کہا کرتا تھا، تو نے اگر تن کو اُجلا کر کے من کو مار لیا ہوتا تو امر ہو جاتا، آکاش کی بلندیوں پر تیرتا پھرتا، دھرتی کے گورکھ دھندوں سے تیرا کوئی سمبندھ، کوئی رشتہ ناتا نہ ہوتا، پر نتو قسمت کا لکھا اٹل ہوتا ہے، کوئی شکتی اس پر سیاہی نہیں پھیر سکتی۔''

میں گڑبڑا گیا۔ پرتاپ جس زبان میں بات کر رہا تھا وہ میری جانی پہچانی تھی۔ وہ معمولی پنڈت پجاری نہیں تھا، اُس کی نظریں میرے ذہن کی گہرائیوں میں غوطہ لگا رہی تھیں، میرے دل کی گہرائیوں میں جھانک رہی تھیں۔ میرے لئے ضروری ہو گیا کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دُوں، موقع کی نزاکت مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ میں پنڈت اوم پرکاش کے بعد کسی اور پجاری کے خون سے ہاتھ رنگوں، لیکن پرتاپ میرے راستے کی دیوار بن کر جما کھڑا تھا، اُس کے قدم زمین سے اُکھاڑنے کی خاطر میرے لئے پراسرار قوت کا استعمال ناگزیر ہو گیا۔ میں نے پریتم لال کا نام لے کر پرتاپ کو راستے سے

ہٹانے کی کوشش کی، مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے ارتکاز کا عمل کرنے کو سوچا لیکن اپنے بکھرے ہوئے ذہن کو سمیٹ کر یکسوئی نہ حاصل کر سکا۔ میرے اُوپر پھر جنون طاری ہونے لگا، وحشتیں بڑھنے لگیں۔

''من کو شانت رکھ بالک۔'' پرتاپ نے مجھے بڑی سنجیدگی سے ٹوکا۔ ''زیادہ پھڑ پھڑانے کا وچار من سے نکال دے۔ ہر ایک سے پنجہ لڑانے کی مت سوچا کر۔ سیاہ و سفید کی پرکھ کرنا سیکھ لے۔''

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔'' میں نے اُکتاہٹ کا اظہار کیا۔

''وہ سندری ہوتی تو تیری مشکل آسان کر دیتی۔'' پرتاپ نے میرے سر کی سمت دیکھا۔ ''کہاں چھوڑ آیا اُس پھلجھڑی کو؟ آج میں بھی اُس کے درشن کر لیتا، جنم جنم کی آشا پوری ہو جاتی۔''

''تم.....'' میں حیرت سے اُچھل پڑا۔ ''تم کس سندری کی بات کر رہے ہو.....؟''

''وہی جس کے بارے میں کیول سنا ہی سنا ہے، دیکھنے کی آشا پوری نہیں ہوئی۔'' اُس نے حیرت بھری آواز میں کہا۔ ''وہ کہا کرتا تھا کہ ڈیڑھ بالشت کی وہ سندری بڑی نٹ کھٹ، بڑی شوخ، بڑی چنچل ہے، نت نئے کھیل تماشے کرتی ہے، ایسے ایسے ناٹک رچاتی ہے کہ منش دانتوں تلے اُنگلی دینے پر مجبور ہو جاتا ہے..... کہاں چھپا رکھا ہے اُسے بالک؟''

پرتاپ، انکا کی بات کر رہا تھا۔ اُس نے کبھی انکا کے درشن نہیں کئے تھے، کسی نے اُسے انکا کی شوخیوں اور شرارتوں کے بارے میں تفصیل سے بتا رکھا تھا۔ میں سٹپٹانے لگا۔

''پھر وچاروں میں ڈبکی کھانے لگا۔'' اُس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''کھرے اور کھوٹے کی پہچان کیا کر۔''

''تم..... مجھ سے کیا چاہتے ہو.....؟'' میں نے جھلا کر سوال کیا۔

''میرا ہاتھ پکڑ لے..... میرے ساتھ نکل چل، کہیں آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ میرا کہا مان لے، سمے بیت رہا ہے۔''

''تمہاری باتیں مجھے اُلجھا رہی ہیں مہاراج۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں بات کی۔

''کیا جانتے ہو تم میرے بارے میں؟''

''کہاں سے شروع کروں؟'' پرتاپ نے ہاتھ ملتے ہوئے خشک آواز میں کہنا شروع

کیا۔ ''میسور کی پہاڑیوں پر لے چلوں جہاں ایک بھولی بھالی سندری کو اشنان کرتا دیکھ کر تیرے من میں پاپ مچلنے لگا تھا..... اُس مہان پریتم لال کی بات کروں جس کی مہان شکتی کے سہارے تیری انکارانی بھی بے بس ہوگئی تھی..... تیری کلدیپ نے جس کے چرنوں میں گر کر تیرے جیون کی بھکشا مانگی تھی..... تیری ایک بھول کی کارن اُس من موہنی صورت والی سندر نار کو پریتم لال کی کٹیا سنبھالنی پڑی، آخری سانس تک وہ اُسی استھان پر بیٹھی تیرے پریم کی خاطر، تجھے مضبوط کرنے کے کارن دیوی دیوتاؤں کا جاپ کرتی رہی، پورا جیون بِتا دیا، نیچے اُتری تو تیرے اُوپر جان کی بھینٹ دے کر اپنا پیارا امر کر گئی..... تو شہروں شہروں گھومتا رہا، رنگ رلیاں مناتا رہا، وہ تیرے نام کی مالا جپتی رہی.....'' پرتاپ بڑی روانی سے میری کتابِ زندگی کی ورق گردانی کرتا رہا، میں تصویرِ حیرت بنا خاموش کھڑا اُس کی باتیں سنتا رہا، اُس کی زبان چلتی رہی۔

''کیا کیا یاد دلاؤں تجھے؟ کون سا دوار کھولوں، کون سا بند کروں؟ تجھے نرگس کی قبر پر لے چلوں جہاں اب کیول دُھول اُڑتی ہے..... مالا رانی کی بھگتی کی کہانی سناؤں، تربنی کا راگ الاپوں جس نے تجھے اپنے در کا بھکاری بنالیا تھا؟ تو اُس کے اشاروں پر ناچتا تھا..... بدری نرائن اور تیری مہا بھارت کے قصے چھیڑوں یا کلدیپ اور امر لال کے یدھ کا نقشہ کھینچوں؟ اُس گوری چمڑی والی میم کی رام کہانی سناؤں جس نے تجھے سہارا نہ دیا ہوتا تو کب کا مر کھپ گیا ہوتا؟''

پرتاپ سانس لئے بغیر بولتا رہا۔

''اُن مہان شکتیوں کے گن گاؤں جو ابھی تک تجھے سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ تو بڑا بھاگوان ہے بالک، سورگ باشی پریتم کی آتما ابھی تک تیری پچھاڑی پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے، کلدیپ کو بھی بار بار دیوی دیوتاؤں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، وہ مر کر بھی تیرے پریم میں دیوانی ہو رہی ہے، تجھے راستہ دکھانے کی خاطر بار بار تیرے پاس آتی ہے۔ اُسے کیا کیا کشٹ بھوگنا پڑتا ہے اور تو..... تو بار بار اُس کا کہا ٹال دیتا ہے، اُسے سکھ نہیں دے سکا تو اُس کی بیاکل آتما کو چین سے رہنے دے۔ کب تک اُسے تڑپاتا رہے گا.....؟''

''بس کرو مہاراج، بس کرو.....'' میں چیخ اُٹھا۔ ''میں تمہیں پہچان نہیں سکا۔

''سندر ناریوں کے کندن جیسے شریر پر تیری پاپی نظریں بھٹکتی رہیں گی تو کسی دوسرے کو

کیا پہچان سکے گا؟'' پرتاپ نے بل کھا کر کہا۔ ''کب تک لقا کبوتر کی طرح دُم اور گردن کو ساتھ ملائے رکھے گا، کتنی قلابازیاں کھائے گا مورکھ، کبھی جمیل احمد خان، کبھی دولت علی..... اور کوئی سندر سا نام کھوج لے، کوئی نیا رُوپ دھار لے۔''

میں پرتاپ کی کڑوی کسیلی باتیں سنتا رہا، اُس کے چہرے کو گھورتا رہا۔ معاً مجھے یاد آ گیا کہ میں نے اُسے پہلے کہاں دیکھا تھا؟ لندن سے روانگی کے وقت ایئرپورٹ پر مسافروں کی بھیڑ میں ایک بار وہ میرے سامنے آیا تھا، پھر کترا کر نکل گیا۔ لندن کے حوالے سے مجھے امریتا بھی یاد آئی، اُس کی میری ملاقات جہاز پر ہوئی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ فرسٹ کلاس میں اپنے کسی گرو کے پاس بیٹھی تھی..... ''تو کیا..... کیا وہ گرو پرتاپ ہی تھا؟'' میرے ذہن میں یہ خیال اُبھرا تو پرتاپ مسکرانے لگا۔

''میرے متر پریتم لال نے بھی تجھ سے یہی کہا تھا بالک... من کی آنکھیں کھلی رکھا کر۔''

''میں نے تمہیں مہاراج کے ساتھ نہیں دیکھا۔ کبھی مہاراج نے بھی تمہارا ذکر نہیں کیا..... کیا ہوتا تو میں تمہیں ضرور یاد رکھتا گرو پرتاپ۔''

''پرتاپ نہیں..... کیول گرو کے نام سے یاد رکھ۔'' اُس نے نرمی سے کہا۔ ''میرے دوسرے جان کار بھی مجھے گرو کے نام سے جانتے ہیں۔''

''میرے لئے اب کیا حکم ہے.....؟'' میں نے اُس پر اعتماد کر لیا۔

''سندری نے غلط نہیں کہا تھا۔'' گرو نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ''بھور ہونے سے پہلے تیرا بمبئی پہنچنا ضروری ہے، چل میرے ساتھ، میں تیری مشکل آسان کر دُوں گا.....''

''لیکن وہ راستے میں جال ڈالے بیٹھے ہوں گے؟'' میں ہچکچانے لگا۔ ''آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

''جب گرو کہا ہے تو پھر گرو کی آگیا کا پالن بھی کر.....''

میرے پاس گرو کے حکم کی تعمیل کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا، وہ سڑک کی جانب قدم بڑھا چکا تھا۔ میں بھی اُس کے پیچھے ہو لیا۔ انکا نے کہا تھا میرے دشمن مجھے گھیرنے کی کوشش کریں گے، دُرگا کی آواز نے مندر کے پجاریوں کو پنڈت اوم پرکاش کی موت سے باخبر کر دیا تھا۔ وہ مندر کے سب سے بڑے پروہت کی لاش دیکھ کر دیوانے ہو گئے ہوں گے، کالی داس کی چتا کو آگ لگنے سے پہلے پنڈت اوم پرکاش کے انجام کی خبر

پورے شہر میں پھیل چکی ہوگی۔ سارے پنڈت پجاری میری تلاش میں نکل اُٹھے ہوں گے۔ پنڈت نول کشور کو اطلاع دی گئی ہوگی، اُس کے انتقام کی آگ اور بھڑک اُٹھی ہوگی۔ بڑے بڑے دھرماتماؤں نے پولیس کے اعلیٰ حکام کو فون کھڑکھڑائے ہوں گے، ہر طرف کھلبلی مچی ہوگی، وہ سب میری تکہ بوٹی کرنے کی خاطر کونے کھدروں میں میری تلاش کر رہے ہوں گے۔ گواہی شہادت کے رجسٹر کھلے ہوں گے، عینی شاہدوں کے بیانات قلمبند کئے جا چکے ہوں گے، نندنی پجارن نے بھی اُنہیں اپنی کتھا سنائی ہوگی، کچھ لوگوں نے مجھے مندر میں داخل ہوتے دیکھا تھا، ممکن ہے ان کے اشارے پر پرتھوی کو بھی گرفتار کرلیا گیا ہو۔ پولیس کا ایک ڈپٹی بھی پیچ وتاب کھا رہا ہوگا، تاج ہوٹل کے مینیجر کو بھی گھیرا جا سکتا تھا۔ گاڑی اور پرتھوی دونوں کو اُسی نے میرے حوالے کیا تھا، اُس کے لئے بھی جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔

انکا چاہتی تھی کہ میں پو پھٹنے سے پہلے بمبئی پہنچ جاؤں۔ اُس کے مشورے کے پیچھے کیا مصلحت تھی؟ میں نہیں معلوم کر سکا۔ وہ میری تلخ ترش باتیں سن کر سر سے اُتر گئی تھی۔ میں نے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے، بمبئی میں میرے لئے سب سے قیمتی شے سیّد مجذوب کی لاٹھی تھی، میں کسی طرح پولیس کی گرفت میں آنے سے پیشتر تاج ہوٹل پہنچ جاتا تو پھر سینکڑوں بہانے تراشے جا سکتے تھے، دُرگا کی آواز کو پنڈت پجاریوں کا وہم بھی قرار دیا جا سکتا تھا۔ قانون میں بڑی گنجائش ہوتی ہے، گھاگ وکیلوں کے پیچیدہ سوالات بڑے بڑے دانشوروں کی عقل خبط کر دیتے ہیں..... میں صاف انکار کر دیتا کہ میں نے پنڈت اوم پرکاش کو نہیں مارا، وہ مندر کی کسی اندرونی سازش کا شکار ہوا ہوگا، میرا وکیل سوال کرتا..... ''می لارڈ، جب مندر میں سینکڑوں پنڈت پجاری اور محافظ موجود تھے تو اُنہوں نے ایک اکیلے قاتل کو پکڑنے کی کوشش سے کیوں گریز کیا؟ وہ کس بات سے خوفزدہ تھے؟ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ جب مفروضہ قاتل کے ہاتھ میں کوئی مہلک ہتھیار بھی نہیں تھا؟'' استغاثہ داخل کرنے والے کے پاس کوئی معقول جواب نہ ہوتا، پجارن نندنی اپنا خوبصورت بدن سمیٹتی، اوڑھنی میں جسمانی نشیب وفراز کو چھپاتی شہادت دینے کے لئے کٹہرے میں قدم رکھتی تو بے شمار حریص نظریں اُس کے حسین وجود سے لپٹ جاتیں، وکیل سوالوں کی بوچھاڑ کرتے تو نندنی ننگی ہو جاتی۔ اُس پر بے شمار جھوٹے الزامات اس صفائی سے تراشے جاتے کہ وہ خود بھی فیصلہ نہ کر پاتی کہ کس بات سے انکار کرے؟ مندر کے

پجاریوں کے ساتھ اُسے رات کی تاریکیوں میں کسی ویران گوشے میں اس طرح گڈمڈ کر دیا جاتا کہ وہ شرم سے پیلی پڑ جاتی، آنکھیں چرانا بھی مشکل ہو جاتا۔ ممکن ہے فاضل جج بھی اُس کے درشن کی خاطر بار بار تاریخیں دینا شروع کر دیتا۔ دوسرے کارندے بھی بھوکے بھیڑیوں کی طرح نندنی کے کومل شریر کو بھنبھوڑ ڈالنے کی خاطر دانت تیز کرنا شروع کر دیتے۔

کسی کو قاتل قرار دے کر پھانسی کے پھندے پر لٹکا دینا کوئی مذاق نہیں ہے۔ استغاثہ کو ثابت کرنا پڑتا کہ میری تحویل میں کوئی طلسمی چراغ، کوئی جادوئی انگوٹھی تھی جس کے جن نے مجھے فرار ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔ میرا وکیل دُرگا دیوی کو عدالت میں پیش ہونے کا مطالبہ کر بیٹھتا تو عدالت اور قانون دونوں بغلیں جھانکنے لگتے۔

بچ نکلنے کے بہت سارے راستے تھے لیکن میرا بروقت بمبئی پہنچنا ضروری تھا۔ میں سیّد مجذوب کی لاٹھی پکڑ کر گھماتا، سارے تتر بتر ہو کر رہ جاتے، کسی کو بھاگنے کا راستہ نہ ملتا۔ شکاریوں کے سارے جال پھندے ٹوٹ جاتے، پولیس کے اعلیٰ افسران بھی ششدر رہ جاتے، میں سینہ تانے دندناتا پھرتا، پہلے بھی کئی موقعوں میں ایسے کھیل تماشے ہو چکے تھے۔ سیّد مجذوب کی متبرک لاٹھی کی تو بڑی بات تھی، میری انکارانی ہی نے برطانوی عدالت میں پولیس آفیسر آرتھر کونا کوں چنے چبوا دیئے تھے۔ وہ حق پر تھا لیکن جج اور جیوری کے متفقہ فیصلے نے اُسے اختیارات کے ناجائز استعمال اور اپنی حدود سے تجاوز کرنے کا مجرم قرار دے دیا۔ سچا کیس جھوٹا ثابت ہو گیا، میں سینہ تانے آزادی کے ساتھ سب کی نظروں میں دُھول جھونک کر عدالت سے باہر آ گیا۔

''سمے ہمیشہ ایک سمان نہیں ہوتا بالک۔'' گرو کی ٹھوس آواز میرے کانوں میں گونجی تو میں چونکا۔ وہ میرے دل کی باتیں کھلی کتاب کی طرح خاموشی سے پڑھتا رہا، مجھے خبر تک نہ ہوئی۔ اُس نے خود کو سورگ باشی پریتم لال کا متر کہا تھا تو شاید غلط نہیں کہا تھا، میں محتاط ہو گیا۔ اُس نے سنجیدگی سے اپنی بات جاری رکھی۔ ''تو بڑا بھاگی (خوش قسمت) ہے جو ڈھیر ساری شکتیاں تیرے ساتھ ہیں، تجھ پر چھایا کئے ہوئے ہیں۔ لیکن تو نے دُرگا کو للکار کر ٹھیک نہیں کیا، دیوی دیوتاؤں کی شکتی اپرم پار ہوتی ہے۔ پرماتما اُن کی رکھشا (حفاظت) کرتے ہیں، اُن کی پلکوں کا اشارہ بھی مہاپرشوں کے لئے بہت ہوتا ہے..... تو پہلے بھی کئی بار یہی بھول کر چکا ہے جس کی سزا بھوگتا ہے۔ اب دوبارہ ایسی بھول مت کرنا ورنہ.....''

گرو کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"ورنہ کیا.....؟" میں نے وضاحت چاہی۔ "تم بولتے بولتے خاموش کیوں ہو گئے؟"

"پریتم لال نے تجھے موج میلہ کرنے کی اجازت دے رکھی ہے تو اُس کی آتما جانے۔" گرو نے مغموم انداز میں کہا۔ "پرنتو میرا ایک اپدیش دھیان سے سن لے، چکور کی طرح چندرما تک اُڑنے کی نہ سوچا کر، ساگر کی لہروں کی شکتی بڑے بڑے مہان پیراکوں کو بھی بیچ منجدھار میں غرق کر دیتی ہے..... دھرتی اور آکاش کے بیچ ایک استھان ایسا ہے جس سے اُونچا اُڑنے کی اجازت میرے تیرے پرشوں کو نہیں ہے، تو بھی ایک ریکھا کھینچ لے، اس سے آگے جانے کا وچار من سے نکال دے، اسی میں تیری مکتی ہے۔"

"ایک بات پوچھوں گرو؟" میں نے اُس کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

"کیا پوچھے گا.....؟"

"جو کچھ بیت چکی ہے اس کا انجام کیا ہوگا.....؟" میں نے جان بوجھ کر کالی داس یا اوم پرکاش کا نام لئے بغیر گول مول انداز میں پوچھا۔ "کیا میرے دشمن مجھے گھیرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟"

"جے بجرنگ بلی..... جے کالی..... جے بھولے ناتھ۔" گرو نے نعرہ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "تیرے من میں ابھی تک بھونچال سر مار رہا ہے، بھوش میں کیا لکھا ہے بھگوان کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ ہم کیول اپائے کر سکتے ہیں۔"

"تم شاید بتانا نہیں چاہتے....." میں نے شکوہ کیا۔

"دھیرج سے کام لے بالک، ابھی سے بیاکل ہونے لگا، ابھی تو پورا جیون تیرے سامنے پڑا ہے، اتنی جلدی کیا ہے تجھے.....؟"

میں تاڑ گیا گرو اپنے دل کا بھید نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے اُسے مجبور بھی نہیں کیا، اپنی خود اعتمادی کو سمیٹنے لگا۔ ہم سڑک پر آ کر پیچھے کی جانب واپس لوٹ رہے تھے۔ کچھ دُور جانے کے بعد مجھے ایک گاڑی نظر آنے لگی۔ وہ گرو کی ملکیت تھی۔ میں کچھ سوال کرنا چاہتا تھا کہ اچانک پوری سڑک پر تیز تیز روشنیاں اِدھر اُدھر تیرنے لگیں..... گرو نے پلٹ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔

میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ میرے دشمنوں نے دُور سے بھڑکتے شعلوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ صورت حال کا جائزہ لینے آئے تھے۔ اُنہوں نے اپنی گاڑیوں کی لائٹس بجھا رکھی تھیں،

مجھے دھوکے میں رکھ کر پکڑنا چاہتے تھے۔ میں اُنہیں سڑک پر چلتا نظر آیا تو اُنہوں نے ساری روشنیاں جلا دیں۔ پولیس کی مخصوص گاڑیوں پر سرچ لائٹس بھی ہوتی ہیں، ایسی ہی ایک تیز روشنی کا دائرہ ہمارے اُوپر آ کر تھم گیا۔ گرو کے بڑھتے ہوئے قدم تھم گئے، وہ پلٹ کر روشنی سے آنکھیں لڑانے لگا، بڑا مطمئن نظر آ رہا تھا۔ مجھے اُس کے چہرے پر اُلجھن یا پریشانی کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ میرے لئے فرار کے راستے مسدود ہو گئے، وہ کئی گاڑیاں تھیں جو ہمارے قریب آ کر آگے پیچھے رُک گئیں، سرچ لائٹ کی تیز روشنی ہمارے چہروں پر مرکوز تھی، کئی گاڑیوں کے دروازے کھلنے کی آوازیں گونجیں۔ بہت سارے قدموں کی آوازیں اُبھریں، شاید وہ ہمارے خلاف مورچہ بنا رہے تھے۔ گرو کے چہرے پر آہستہ آہستہ ناگواری کے تاثرات اُبھرنے لگے۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر سینہ تانے کھڑا بھاگ دوڑ کی آوازیں سن رہا تھا۔

"خبردار....." ایک بھاری بھرکم آواز اُبھری۔ "جہاں کھڑے ہو وہاں سے ہلنے کی کوشش بھی نہ کرنا، ورنہ بھون دیئے جاؤ گے۔"

گرو ہونٹ کاٹنے لگا۔ اُس کے تیور بدلنے لگے۔

"تم نے سوانگ بھرنے کی کوشش کی ہے مگر ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم پوری طرح گھیرے جا چکے ہو۔"

میں نے کوئی بات نہیں کی، گرو کی طرح بت بنا کھڑا رہا۔ اور کر بھی کیا سکتا تھا.....؟

"اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھا دو..... ہینڈز اپ۔" ایک اور آواز گرجتی ہوئی سنائی دی۔

گرو نے سنی ان سنی کر دی، اُس کا چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔ میں دم سادھے کھڑا رہا۔

"تم نے سنا نہیں..... اپنے ہاتھ....."

"پنڈت پجاریوں سے ٹھٹھول کر رہا ہے پاپی....." اچانک گرو نے بڑے خوفناک انداز میں گرج کر کہا۔ "اپنے کسی بڑے کو سامنے کر، اُسے میرا نام بتا دے..... میں گرو ہوں۔ گرو پرتاپ۔"

اس بار دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ ایک شخص روشنی میں نہایا ہماری طرف بڑھنے لگا۔ وہ قریب آیا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں..... میں نے اُسے پہچان لیا، وہ ڈی آئی جی روی شنکر تھا جس نے مجھے ہوٹل سے نکلتے وقت بھی روکنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک ماتحت کے آ جانے سے اُسے مجھے گرفتار کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اب وہ

پورے لاؤلشکر کے ساتھ آیا تھا، اُس کے پاس وقت کی کمی نہیں تھی۔ میں نے ذہن کو یکسو کر کے ندا کے بتائے ہوئے ایک عمل کو آزمانا چاہا، گرو نے میرا ہاتھ زور سے دبا کر میری توجہ منتشر کر دی۔ اُس نے پوری قوت سے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

''تم..... گرو پرتاپ.....'' روی شنکر نے قریب پہنچ کر گرو کو پہچانتے ہوئے بڑی عقیدت سے پوچھا۔ ''تم اس سے یہاں کیا کر رہے ہو مہاراج؟''

''ایک ضرورت کے کارن رُکنا پڑا۔'' گرو نے سرد لہجے میں جواب دیا، پھر تیکھے انداز میں بولا۔ ''اپنے نادان چھوکروں کو باندھ کر رکھا کر، ان کی پلید زبان سے اچھے شبد نہیں نکلتے، اُونچے سُروں میں اپنا راگ الاپنے لگتے ہیں۔ کسی دن میرا ہاتھ اُٹھ گیا تو ساری بولتی بند ہو جائے گی..... سن رہا ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''شما کر دو مہاراج۔'' روی شنکر نے عاجزی کا اظہار کیا۔ ''وہ تمہیں پہچان نہیں سکے۔ ہمیں کسی اور کی کھوج تھی۔''

مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، میری آنکھیں پٹپٹانے لگیں..... میں روی شنکر کے سامنے کھڑا تھا، وہ مجھے کھوجنے کی بات کر رہا تھا۔ شاید گرو کے ہاتھوں کے گرفت کا چمتکار تھا جس نے مجھے دوسروں کی نظروں سے اوجھل کر رکھا تھا، میرے اور دشمنوں کے درمیان پردہ تان دیا تھا۔ گرو ہنگامہ نہیں چاہتا تھا اسی لئے اُس نے ہاتھ دبا کر مجھے کسی مشق سے روکنے کا اشارہ دیا تھا۔ ڈی آئی جی روی شنکر اس طرح بے پرواہ بنا کھڑا تھا جیسے میری موجودگی سے مطلق بے خبر ہو۔ میں نے بہت دیر بعد سکون کا سانس لیا۔

''کس کی کھوج میں سمے برباد کر رہے ہو؟ کون گم ہو گیا ہے روی جی.....؟'' گرو نے سرسری انداز میں پوچھا۔

''ہے ایک منش۔'' روی شنکر نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

''ایک منش کے لئے اتنی ساری گاڑیاں، اتنے ڈھیر سارے لوگ۔'' گرو مسکرانے لگا۔ ''تم بھی کہیں گرو سے مذاق تو نہیں کر رہے؟''

''نہیں مہاراج.....'' روی نے سٹپٹا کر کہا۔ ''میں سچ کہہ رہا ہوں، تم اُسے نہیں جانتے۔''

''کس کی بات کر رہا ہے؟'' گرو نے یکلخت سنجیدگی اختیار کر لی، بڑی رازداری سے مدھم آواز میں بولا۔ ''میں کوئی سہائتا کروں؟''

''بڑی کرپا گرو دیو.....'' روی شنکر نے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''تمہارے درشن ہو گئے، یہ بھی ہمارے لئے بڑا نیک شگون ہے۔ اسٹاف سے بھول چوک ہو گئی، میں اس کے لئے شما چاہتا ہوں۔ اب آگیا دو.....''

''جانے سے پہلے گرو کی ایک بات مان لے۔'' پرتاپ نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''خود راستے سے ہٹ جا۔ جس کی کھوج میں ہے اُس کے لئے کسی اور کی بلی چڑھا دے۔ اپنے کسی دشمن افسر کو آگے بڑھا دے، تیرا راستہ صاف ہو جائے گا، بات بھی بنی رہے گی۔''

''میں سمجھا نہیں مہاراج؟'' روی شنکر نے ہونٹ چباتے ہوئے گرو کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''تم کس کی بات کر رہے ہو.....؟''

''وہی جس کی تیری مڈبھیڑ پہلے بھی ہو چکی ہے۔'' گرو نے ٹھوس آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''سندری کملا اور کلن خان تو یاد ہوں گے تجھے؟ کملا کو قتل کرنے کی گواہی سیوک رحمت علی نے دی تھی، بعد میں وہ بھی مارا گیا، تیرے آدمیوں نے اُس مُسلے کو ہتھکڑی پہنا دی، پھر وہ اٹھائی گیرا کلن خان بیچ میں کود پڑا۔ اُس نے کہا تھا کہ اسی منٹے نے دس ہزار روپے دے کر اسے رحمت علی کو ٹھکانے لگانے پر مجبور کیا تھا، کلن خان بھی دھر لیا گیا اس کے بعد کیا ہوا..... کچھ یاد ہے تجھے؟'' گرو نے سرسراتے لہجے میں روی شنکر سے پوچھا جو اپنی جگہ بت بنا کھڑا حیرت سے اُس کی ایک ایک بات سن رہا تھا، میں اُس کی بوکھلاہٹ پر مسکرا دیا۔

''باقی لوگوں کے نام لوں گا تو کہانی بڑی لمبی ہو جائے گی.....'' گرو نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ''تجھے تو یاد ہو گا؟ بات عدالت تک گئی تھی، کیس چلتا رہا، کئی موڑ آئے..... پر نتیجہ کیا نکلا؟'' جمیل احمد خان کو نردوش جان کر آزاد کر دیا گیا، ساری فائلیں بھری کی بھری رہ گئیں، سب منہ دیکھتے رہ گئے.....''

''تم..... تم کیا کہنا چاہتے ہو مہاراج؟ کیا وہ اب بھی دوشی نہیں ہے؟'' روی شنکر نے کسمسا کر سوال کیا، میرا نام سن کر وہ سٹپٹانے لگا تھا۔

''مجھے کالی داس اور پنڈت اوم پرکاش کی موت میں کسی اور کا ہاتھ نظر آ رہا ہے۔ گرو کی وِدیا غلط نہیں ہو سکتی۔ میری بات گانٹھ سے باندھ لے۔'' گرو نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''جس نے بھی اُسے گھیرنے کی بھول کی، اُس کی کھاٹ کھڑی ہو جائے گی۔ میں اس سے تجھے کیول اتنا ہی بتا سکتا ہوں۔''

''مہاراج..... کیا تم جانتے ہو کہ اس سے وہ کہاں ہوگا.....؟'' روی شنکر نے پہلو بدل کر پوچھا۔

''ہاں..... وہ ہوٹل سے نکل کر جہاں گیا تھا، اب بھی وہیں ہے، اُس کا وہاں ہونا ہی اُس کے نردوش ہونے کا ثبوت بھی ہے۔''

''تم مجھے اُس کا پتہ.....''

''نہیں....'' گرو نے تیزی سے روی شنکر کی بات کاٹ دی۔ ''دیوتا جس کی سہائتا کر رہے ہوں، جو نردوش ہو، میں اُس کے بارے میں زبان نہیں کھول سکتا... ادھیکار نہیں ہے مجھے۔''

گرو نے بلند آواز میں کئی نعرے لگائے، پھر اپنی گاڑی کی طرف قدم اُٹھانے لگا۔ میں نے اُس کا ہاتھ اور مضبوطی سے تھام لیا۔ روی شنکر ہونٹ چباتا رہ گیا، بڑے طمطراق سے آیا تھا، بڑی مایوسی سے واپس چلا گیا۔ راستہ صاف ہو گیا تو گرو نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں اُس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا تو میرے ذہن میں کئی سوال گونجنے لگے..... وہ خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا۔

پنڈت کالی داس اور اوم پرکاش کو میں نے جہنم رسید کیا تھا لیکن گرو نے روی شنکر سے کہا تھا کہ اس میں کسی اور کا ہاتھ ہے، وہ مجھے نردوش قرار دے رہا تھا تو پھر دوشی کون تھا.....؟ گرو نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ میں ہوٹل سے نکل کر جہاں گیا تھا، اب بھی وہیں موجود ہوں۔ جبکہ میں گرو کے ساتھ تھا۔ اُس نے روی شنکر کو باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ جس نے بھی مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی اُس کی کھاٹ کھڑی ہو جائے گی۔ گرو نے ایسا کیوں کہا تھا؟ کیا اُسے علم تھا کہ کل کیا ہونے والا ہے یا محض اپنی شخصیت سے اُس نے روی شنکر کو مرعوب کرنے کی کوشش کی تھی.....؟ اصلیت کیا تھی.....؟

''کیا ساری باتیں آج ہی سوچ لے گا.....؟'' گرو نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کچھ کل کے لئے بھی چھوڑ دے، اتنی جلدی کیا پڑی ہے؟ ابھی تو تجھے بڑے پاپڑ بیلنے ہیں، کچھ دیر ستا لے۔ آج ہی تھک گیا تو کل کیا کرے گا.....؟''

''گرو.....'' میں نے دبی زبان میں پوچھا۔ ''تم اس وقت مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟''

''میں نے کہا تھا..... کچھ دیر آرام کر لے۔'' گرو نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔

''تو نے دُرگا کی شکتی کو للکار کر اچھا نہیں کیا۔ میری ایک بات دھیان سے سن..... دُرگا کی آواز کے جادو نے تیری تمام شکتی چھین لی ہے، تیرا کوئی جنتر منتر اکیس روز تک تیرے کسی

کام نہیں آئے گا، اکیس دن اور اکیس راتیں تیرے اُوپر بہت بھاری ہیں۔ سمے پورا ہونے تک کسی ایک استھان پر دم سادھ کر بیٹھ جا..... اُچھل کود کرے گا تو بڑے جنجال میں پھنس جائے گا، میں بھی تیری کوئی سہائتا نہیں کر سکوں گا۔''

''تم جہاں لے جا رہے ہو کیا دُرگا کی شکتی وہاں تک رسائی نہیں حاصل کر سکتی.....؟''

''چپ ہو جا مورکھ.....'' گرو نے اُلجھتے ہوئے کہا۔ ''زبان کو تالا لگا لے ورنہ بڑے گھاٹے میں رہے گا۔ پریتم لال کا دھیان نہ ہوتا تو میں آج بھی تیرے راستے میں نہ آتا ..... دُور ہی دُور سے روشنی دکھاتا رہتا۔''

''اب آ گئے ہو گرو تو میری رہنمائی بھی کرو۔'' میں نے عاجزی کا اظہار کیا۔ ''تم جانتے ہو، میں اپنی مرضی سے اس آگ میں نہیں کودا، مجھے زبردستی دھکیلا گیا ہے۔ وہ مجھے سکھ سے نہیں رہنے دیتے، ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتے رہتے ہیں، بدری نرائن، امر لال اور کلدیپ کے بعد ساری کہانی ختم ہو گئی تھی۔ میں دیس چھوڑ کر بدیس چلا گیا، میں نے مرنے کی ٹھان لی تھی لیکن مہاراج پریتم لال کی آتما نے سامنے آ کر میرا راستہ روک لیا اور.....''

''گرو سب دیکھ رہا ہے، سب جانتا ہے۔'' اُس نے میری بات کاٹ دی، پہلو بدل کر ٹھوس آواز میں بولا۔ ''اکیس روز تک کوئی راگ نہ الاپ، کان میں رُوئی ڈال کر ایک جگہ ٹکا بیٹھا رہ، دُرگا کے سراپ کا سمے بیت جانے دے، اس کے بعد پھر اُچھل کود شروع کر دینا۔''

میں نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا، گرو کی بات سمجھ میں آ رہی تھی، پنڈت اوم پرکاش کے مرنے کے بعد ہی دُرگا کی آواز سنائی دی تھی، اس کے بعد میری قوتیں مفلوج ہو گئی تھیں، نہ پریتم لال کا نام لینے کے بعد کوئی خواہش پوری ہوئی، نہ نندا کا سکھایا ہوا کوئی عمل کارآمد ہوا۔ کلدیپ کی بے چین رُوح بھی شاید مجھے یہی باور کرانے کی خاطر آئی تھی کہ ارتکاز اور مراقبے کا عمل میرے کسی کام نہیں آئے گا۔ اس نے بھی یہی کہا تھا کہ دُرگا کی آواز نے میرے ہاتھ پیر جکڑ دیئے ہیں، دنیا کی ساری قوتیں مل کر بھی مجھے نہیں بچا سکتی تھیں..... لیکن میں زندہ تھا، کسی نے میرا ہاتھ تھام کر مندر سے نکال کر دُور ویرانے میں پھینک دیا تھا..... ''وہ ہاتھ کس کا تھا؟ وہ کس کی عظیم قوت تھی جس پر دُرگا کی آواز کا جادو بے اثر ہو گیا.....؟''

اچانک میرے ذہن میں سیّد مجذوب کا تصور اُبھرا۔ برکاتی شاہ کی یاد آئی، اُس کرامتی لاٹھی کا خیال جاگا جسے میں ہوٹل میں چھوڑ آیا تھا، پریتم لال کی آتما بھی اُس لاٹھی کو دیکھ کر مچل

اُٹھی تھی، اُس نے کہا تھا کہ اگر اپنی زندگی بھر کی تمام ریاضتیں اور پراسرار قوتوں کے عوض بھی وہ اس متبرک لاٹھی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو بھی اُسے یہ سودا مہنگا نہ پڑتا.....کلدیپ نے بھی اس لاٹھی کو بہت سنبھال کر رکھنے کی تاکید کی تھی۔

''چنتا مت کر بالک....'' گرو نے دبی آواز میں کہا۔ ''وہ پوتر لاٹھی بھی تجھے مل جائے گی۔ تیرے سوا وہ کسی اور کے کام نہیں آسکتی۔ تو بڑا بھاگوان ہے جو کسی دیوانے کو تجھ پر دیا آگئی۔''

گرو کی بات سن کر میرے ذہن میں پھر وہ ہاتھ کلبلانے لگا جس کے آگے دُرگا کی تمام مہان شکتیاں دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔ میں نے گرو کو ٹٹولنا چاہا۔

''زیادہ وچار کرے گا تو پاگل ہو جائے گا۔'' گرو میرے سوال کرنے سے پہلے ہی کسمسانے لگا۔ ''میں نے کہا تھا، ایک ریکھا کھینچ لے، اس سے اُونچی اُڑان لگانا چھوڑ دے.....سن رہا ہے، میں کیا کہہ رہا ہوں.....؟ قلابازیاں کھانا بند کر دے، جو کچھ پراپت کر لیا ہے اسی پر ٹکا رہ، زیادہ پھڑ پھڑائے گا تو بھٹک جائے گا۔ شانت ہو جا، اسی میں مکتی ہے۔'' گرو نے مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا، گلے میں پڑی سوکھے پھولوں کی مالا سے ایک پھول توڑ کر میری طرف بڑھا کر کہا۔ ''لے.....اسے چبالے۔''

مجھے پریتم لال یاد آ گیا، ایک بار اُس نے بھی مجھے اپنے تھیلے سے کھریا مٹی جیسی کوئی چیز نکال کر اُس پر جنتر منتر پھونک کر مجھے کھانے کو کہا تھا، اُسے کھانے کے بعد میں نے عجیب قوتیں حاصل کر لی تھیں۔ میں سچے دل سے پریتم لال کا نام لے کر جو مانگتا مجھے مل جاتا۔ اب گرو پرتاپ مجھے اپنی مالا کا سوکھا پھول چبانے کو کہہ رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر پھول منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ اُس کا ذائقہ بے حد کڑوا تھا۔

''گرو کی بات ایک بار پھر دھیان سے سن لے۔'' اُس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''اکیس روز تک سارے پنکھ سمیٹ کر رکھنا۔ آسمان میں تھگلی لگانے کی بھول نہ کرنا.....'' میں نے جواب میں کچھ پوچھنا چاہا لیکن پھول کی کڑواہٹ بڑی تیزی سے میرے وجود میں سرایت کر گئی، میرا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا.....میں ہر احساس سے بے نیاز ہو گیا.....!!

❁❁❁

جمیل احمد خان کی خوں چکاں داستان ابھی جاری ہے۔

بقیہ واقعات کے لئے جلد دوئم کا مطالعہ کیجئے۔